خورشیدِ خاور

تذکرۂ علمائے ہند و پاک

علامہ الحاج السید سعید اختر رضوی

معارف پبلیکیشنز

گوپال پور، باقر گنج، ضلع سیوان، بہار، ہندوستان ۸۴۱۲۸۶

رئیس المبلغین
علامہ الحاج السید سعید اختر رضویؒ

خورشید خاور

تذکرۂ علماء ہند و پاک

علامہ الحاج السید سعید اختر رضوی دام ظلہ

معارف پبلیکیشنز

گوپال پور، باقر گنج، ضلع سیوان، بہار

ہندوستان۔ ۸۴۱۲۸۶۔

نام کتاب: خورشید خاور

مؤلف: علامہ الحاج سید سعید اختر رضوی دام ظلہ

کمپوزنگ: اقلم ممبئی

مطبع: غزل پرنٹرس

تعداد: ایک ہزار

سنہ اشاعت: ۱۴۲۳ھ - ۲۰۰۲ء

پیش کش

سازمان فرہنگ وارتباطات اسلامی - تہران

ناشر

المعارف
Al-Ma'arif

معارف پبلیکیشنز - گوپال پور - سیوان، بہار، انڈیا

فہرست

۱۷	سید ابوالقاسم	کشمیر	-	-	۵۲
۱۸	ابوالقاسم سمنانی	پٹنہ	-	۱۲۳۳	۵۳
۱۹	سید ابوالقاسم	بجنور لکھنؤ	۱۳۳۰	۱۳۱۳	۵۳
۲۰	سید ابوالہاشم	نوگانواں	-	۱۳۰۲	۵۴
۲۱	سید احسان علی	بھیک پور	۱۲۱۷	۱۲۷۳	۵۵
۲۲	حافظ احمد	کلہاڑا	-	۱۳۳۲	۵۸
۲۳	سید احمد	لکھنؤ		۱۳۹۲	۵۸
۲۴	سید احمد واعظ	-	-	-	۵۹
۲۵	شیخ احمد	دیوبند	-	۱۳۱۸ح	۵۹
۲۶	سید احمد حسین	کجھوہ	-	-	۶۲
۲۷	سید احمد حسین	میرپور	-	-	۶۲
۲۸	مرزا احمد سلطان	دہلی	-	۱۳۵۰	۶۳
۲۹	احمد علی	الہ آباد	-	۱۳۱۱	۶۵
۳۰	ملا احمد علی کشمیری	فیض آباد	-	-	۶۶
۳۱	سید اختر حسین	کجھوہ	۱۳۳۰ح	۱۳۳۷	۶۶
۳۲	سید اختر علی	تمیرہ	۱۳۱۷	-	۶۸
۳۳	اختر عباس	لاہور	۱۳۳۱	۱۳۲۰	۶۹
۳۴	اسمٰعیل حسین	-	-	-	۷۳
۳۵	مرزا اسمٰعیل	حیدرآباد	-	-	۷۳

۳۶	سید اشفاق عباس	-	-	-	۷۴
۳۷	سید اصغر حسین	حیدرآباد	۱۳۳۳	۱۳۰۳	۷۵
۳۸	اصغر علی ایم ایم جعفر	ممباسا	۱۳۵۵ح	۱۳۲۰	۷۶
۳۹	سید اظہار الحسنین	عشری خرد	۱۳۱۷	۱۳۰۶	۷۹
۴۰	ڈاکٹر سید اعجاز حسین	مظفرپور	۱۳۰۱	۱۳۹۹	۸۲
۴۱	سید اعجاز حسین	فیض آباد	-	۱۳۹۵	۸۳
۴۲	سید اعظم علی	-	-	-	۸۳
۴۳	سید افضل علی	علی نگر پالی	-	۱۳۳۹	۸۳
۴۴	سید افضل علی	لکھنؤ	-	-	۸۴
۴۵	شیخ اقبال حسین	ولید پور	۱۳۴۴	۱۳۱۱	۸۵
۴۶	نواب سید اکبر حسین	-	-	-	۸۶
۴۷	سید اکرم علی	-	-	-	۸۶
۴۸	سراج العلماء مرزا الطاف حسین	ضیا برج	۱۳۰۴	۱۳۹۳	۸۷
۴۹	سید الطاف حیدر	محمد آباد گوہنہ	۱۳۱۸	۱۳۰۶	۸۸
۵۰	امام بخش	جونپور	۱۲۳۷	-	۸۹
۵۱	امانت علی	عبداللہ پور	-	-	۹۰
۵۲	سید امجد حسین	الہ آباد	۱۲۸۰	۱۳۵۰	۹۱
۵۳	سید امداد علی	کیرانہ	-	۱۲۹۰	۹۲
۵۴	امیر محمد قریشی	تونسہ	-	-	۹۳

۵۵	سید انتظار حسین	امروہہ	۱۳۵۵	-	۹۵
۵۶	سید اولاد حسین شاعر	لکھنؤ	۱۳۰۸	-	۹۶
۵۷	باقر شاہ نقوی	لکھنؤ	-	-	۹۷
۵۸	حکیم باقر علی خان	دہلی	-	-	۹۸
۵۹	باقر علی شاہ	-	-	-	۹۹
۶۰	بختاور علی خان	امیٹھ	-	-	۱۰۰
۶۱	برکت حسین خاں	امروہہ	-	-	۱۰۰
۶۲	سید برکت علی مجتہد	مچھلی بندر	۱۳۸۵	۱۳۸۱	۱۰۱
۶۳	برکت علی شاہ	وزیرآباد	-	-	۱۰۲
۶۴	شیخ بشارت علی	-	-	-	۱۰۳
۶۵	سید بندہ حسن حسنی	حیدرآباد	ح۱۲۸۰	-	۱۰۳
۶۶	سید بندہ کاظم جاوید	لکھنؤ	-	۱۳۴۰	۱۰۵
۶۷	سید بنیاد حسین	کانپور	-	-	۱۰۶
۶۸	بنیاد علی واعظ	شکارپور	۱۳۳۲	-	۱۰۶
۶۹	مرزا بنیاد علی	حیدرآباد	۱۳۰۱	۱۳۵۲	۱۰۷
۷۰	سید پناہ علی	-	-	-	۱۰۹
۷۱	سید تاثیر حسین	-	-	-	۱۰۹
۷۲	سید تراب علی	-	-	-	۱۰۹
۷۳	شیخ تفضل مہدی	پورہ معروف	۱۳۶۵	۱۳۱۴	۱۱۰

۷۴	سید ثمر حسین زیدی	امروہہ	۱۳۲۹	۱۳۱۰	۱۱۱
۷۵	سید جابر حسین	حسین آباد	۱۳۲۸	۱۳۰۱	۱۱۲
۷۶	مفتی جعفر حسین	گوجرانوالہ	۱۳۳۴	۱۳۰۳	۱۱۳
۷۷	میرزا جعفر علی خان اثر	لکھنؤ	-	قبل ۱۲۹۵	۱۲۱
۷۸	ملا جواد کشمیری	کشمیر	-	بعد ۱۲۳۳	۱۲۲
۷۹	شیخ جواد حسین	مبارکپور	-	-	۱۲۲
۸۰	میرزا جواد علی	-	-	-	۱۲۳
۸۱	سید حامد حسین عشروی	عشری خرد	۱۳۱۴	۱۳۱۰	۱۲۴
۸۲	سید حسن حائری	بمبئی	-	-	۱۲۷
۸۳	سید حسن ابن مفتی صاحب	بسوان	-	۱۳۳۰	۱۲۷
۸۴	سید حسن نقوی	لکھنؤ	۱۳۵۳	۱۳۱۷	۱۲۸
۸۵	شیخ حسن	-	-	بعد ۱۲۳۹	۱۲۹
۸۶	سید حسن رضا	بنارس	-	ح۱۳۵۴	۱۳۰
۸۷	قاضی سید حسن سعید	جونپور	-	۱۱۵۷	۱۳۱
۸۸	سید حسن نواب	نوشہرہ	-	۱۳۱۰	۱۳۲
۸۹	سید حسین گریاں	لکھنؤ	-	-	۱۳۳
۹۰	سید حسین احمد	بارہہ	-	۱۳۹۶	۱۳۳
۹۱	سید حسین علی	سندیلہ	-	-	۱۳۴
۹۲	حسین علی خان	کنتور	-	بعد ۱۲۳۰	۱۳۴

۵۵	سید انتظار حسین	امروہہ	۱۳۵۵	-	۹۵
۵۶	سید اولاد حسین شاعر	لکھنؤ	۱۳۰۸	-	۹۶
۵۷	باقر شاہ نقوی	لکھنؤ	-	-	۹۷
۵۸	حکیم باقر علی خان	دہلی	-	-	۹۸
۵۹	باقر علی شاہ	-	-	-	۹۹
۶۰	بختاور علی خان	امیٹھ	-	-	۱۰۰
۶۱	برکت حسین خاں	امروہہ	-	-	۱۰۰
۶۲	سید برکت علی مجتہد	مچھلی بندر	۱۲۸۵	۱۳۸۱	۱۰۱
۶۳	برکت علی شاہ	وزیرآباد	-	-	۱۰۲
۶۴	شیخ بشارت علی	-	-	-	۱۰۳
۶۵	سید بندہ حسن حسینی	حیدرآباد	ح ۱۲۸۰	-	۱۰۳
۶۶	سید بندہ کاظم جاوید	لکھنؤ	-	۱۳۳۰	۱۰۵
۶۷	سید بنیاد حسین	کانپور	-	-	۱۰۶
۶۸	بنیاد علی واعظ	شکارپور	۱۳۳۲	-	۱۰۶
۶۹	مرزا بہادر علی	حیدرآباد	۱۳۰۱	۱۳۵۳	۱۰۷
۷۰	سید پناہ علی	-	-	-	۱۰۹
۷۱	سید تاثیر حسین	-	-	-	۱۰۹
۷۲	سید تراب علی	-	-	-	۱۰۹
۷۳	شیخ تفضل مہدی	پورہ معروف	۱۳۶۹	۱۳۱۳	۱۱۰

۷۴	سید ثمر حسین زیدی	امروہہ	۱۳۲۹	۱۳۱۰	۱۱۱
۷۵	سید جابر حسین	حسین آباد	۱۳۲۸	۱۳۰۱	۱۱۳
۷۶	مفتی جعفر حسین	گوجرانوالہ	۱۳۳۳	۱۳۰۳	۱۱۳
۷۷	میرزا جعفر علی خان اثر	لکھنؤ	-	قبل ۱۲۹۵	۱۲۱
۷۸	ملا جواد کشمیری	کشمیر	-	بعد ۱۲۳۳	۱۲۲
۷۹	شیخ جواد حسین	مبارکپور	-	-	۱۲۲
۸۰	میرزا جواد علی	-	-	-	۱۲۳
۸۱	سید حامد حسین عشروی	عشری خرد	۱۳۱۳	۱۳۱۰	۱۲۳
۸۲	سید حسن حائری	بمبئی	-	-	۱۲۷
۸۳	سید حسن ابن مفتی صاحب	بسوان	-	۱۳۳۰	۱۲۷
۸۴	سید حسن نقوی	لکھنؤ	۱۳۵۳	۱۳۱۷	۱۲۸
۸۵	شیخ حسن	-	-	بعد ۱۲۳۹	۱۲۹
۸۶	سید حسن رضا	بنارس	-	ح ۱۳۵۳	۱۳۰
۸۷	قاضی سید حسن سعید	جونپور	-	۱۱۵۷	۱۳۱
۸۸	سید حسن نواب	نونہرہ	-	۱۳۱۰	۱۳۲
۸۹	سید حسین گریان	لکھنؤ	-	-	۱۳۳
۹۰	سید حسین احمد	بارہہ	-	۱۳۹۶	۱۳۳
۹۱	سید حسین علی	سندیلہ	-	-	۱۳۳
۹۲	حسین علی خان	کنتور	-	بعد ۱۲۳۰	۱۳۳

۹۳	حسین علی سبزواری	-	-	-	۱۳۵
۹۴	سید حفاظت حسین	بھیک پور	۱۳۱۵	۱۳۸۴	۱۳۵
۹۵	سید حمزہ علی	اودھ	-	۱۳۴۳	۱۳۷
۹۶	حیات علی	-	-	-	۱۳۷
۹۷	خادم حسین	-	-	-	۱۳۸
۹۸	سید خالق بخش	مظفر پور	-	-	۱۳۸
۹۹	قاضی خوب اللہ	جونپور	-	۱۱۰۰	۱۳۹
۱۰۰	سید خیر الدین محمد	الٰہ آباد	-	بعد ۱۳۱۴	۱۴۰
۱۰۱	قاضی خیر اللہ	جونپور	-	-	۱۴۱
۱۰۲	سید دلیر حسن	نونہرہ	ح ۱۳۱۹	۱۴۰۳	۱۴۱
۱۰۳	مفتی دلدار حسین	داعی پور	-	قبل ۱۲۸۵	۱۴۲
۱۰۴	سید دلدار حسین	پٹنہ	-	۱۳۷۷	۱۴۳
۱۰۵	مرزا دوست محمد	حیدرآباد	-	۱۳۳۹	۱۴۵
۱۰۶	ذاکر حسین اختر	بھرلی	-	۱۳۷۴	۱۴۵
۱۰۷	ذاکر حسین فاروقی	بمبئی	-	-	۱۴۷
۱۰۸	ذوالفقار علی رضوی	عظیم آباد	-	-	۱۴۸
۱۰۹	سید ذیشان حیدر جوادی	الٰہ آباد	۱۳۵۷	۱۴۲۱	۱۴۹
۱۱۰	سید راحت حسین	پارہ	-	-	۱۵۲
۱۱۱	سید راحت حسین	بھیک پور	۱۳۰۶	۱۳۷۷	۱۵۷

۱۱۲	سید رسول احمد	گوپال پور	۱۳۲۱	۱۳۹۹	۱۵۸
۱۱۳	سید رضا حسین شاہ	ہنگو	ح ۱۳۰۸	۱۳۹۸	۱۵۹
۱۱۴	مرزا رضا علی	-	-	بعد ۱۳۲۹	۱۶۰
۱۱۵	رضی الدین	مرشدآباد	-	-	۱۶۱
۱۱۶	رضی الدین حیدر	الٰہ آباد	-	۱۴۰۳	۱۶۲
۱۱۷	رضی حسن	جائس	-	-	۱۶۳
۱۱۸	سید رفیق علی	-	-	-	۱۶۴
۱۱۹	شیخ رمضان علی	مبارکپور	-	قبل ۱۳۲۹	۱۶۴
۱۲۰	مفتی روح اللہ	جونپور	-	-	۱۶۴
۱۲۱	شیخ روشن علی	منہار پور	۱۳۵۴	۱۴۱۵	۱۶۵
۱۲۲	ریاست علی خان	-	-	-	۱۶۶
۱۲۳	شیخ زاہد حسین	بنارس	۱۳۳۰	۱۴۱۳	۱۶۷
۱۲۴	ذکی حسین مرزا	-	-	-	۱۶۷
۱۲۵	سید زوار حسین	نوگانواں	-	-	۱۶۸
۱۲۶	نواب زوار علی خان	حسین آباد	-	۱۳۲۵	۱۶۹
۱۲۷	سید زین العابدین	عشری خرد	ح ۱۲۸۰	۱۳۶۹	۱۷۰
۱۲۸	آغا زین العباد	مرادآباد	-	-	۱۷۴
۱۲۹	سید سبط الحسن ہنسوی	الٰہ آباد	-	۱۳۹۸	۱۷۵
۱۳۰	سید سبط حسین	-	-	۱۳۷۱	۱۷۷

۱۳۱	سجاد حسین بارہوی	بیجرہ و سادات	-	۱۳۳۰	۱۷۸
۱۳۲	سید سجاد حسین	جونپور	-	۱۳۱۲	۱۷۹
۱۳۳	مرزا سجاد علی	-	-	-	۱۸۰
۱۳۴	سید سجاد علی	جائس	-	-	۱۸۰
۱۳۵	سید سخاوت علی	آگرہ	-	-	۱۸۰
۱۳۶	شیخ سعادت حسین	امہٹ	۱۳۲۵	۱۳۰۹	۱۸۱
۱۳۷	سید سعید الرحمٰن شہید	بلرام پور	-	۱۳۰۸	۱۸۹
۱۳۸	سید نجم الدین سکندر	-	-	بعد ۱۰۶۹	۱۹۰
۱۳۹	سلامت علی	لکھنؤ	-	-	۱۹۲
۱۴۰	حاجی سلمان احمد	مبارکپور	۱۳۵۴	۱۳۰۳	۱۹۳
۱۴۱	سید سلمان حیدر	نوگانواں	-	۱۳۱۳	۱۹۴
۱۴۲	سید شمس الحسن	بجنور	-	۱۳۸۳	۱۹۵
۱۴۳	سید صابر حسین	اودھ	۱۳۳۳	بعد ۱۳۰۳	۱۹۵
۱۴۴	صادق اصفہانی	اصفہان	-	-	۱۹۶
۱۴۵	صادق علی	-	-	۱۳۷۰	۱۹۷
۱۴۶	سید صبغۃ اللہ	لکھنؤ	-	بعد ۱۲۷۰	۱۹۷
۱۴۷	سید صغیر حسن	دہلی	-	-	۱۹۸
۱۴۸	سید صفدر حسین	مظفر گڈھ	۱۳۵۴	۱۳۱۰	۱۹۸
۱۴۹	سید صغیر حسن	محمد آباد گوہنہ	۱۳۱۱	۱۳۷۷	۲۰۰

۱۵۰	سید ضامن حسین حائری	لنڈی کچی	-	۱۳۹۸	۲۰۱
۱۵۱	سید ضیاء اللہ	فیض آباد	-	-	۲۰۲
۱۵۲	طالب حسین شہید	کرپال	ح ۱۳۷۲	۱۳۱۸	۲۰۳
۱۵۳	سید ظفر الحسن	منجھن پور	۱۳۳۹	۱۳۰۳	۲۰۳
۱۵۴	سید ظفر حسن	امروہہ	۱۳۰۸-۹	۱۳۰۹	۲۰۹
۱۵۵	ظفر مہدی	جونپور	-	۱۳۰۶	۲۱۲
۱۵۶	سید ظفر مہدی اثیم	جرول	-	-	۲۱۳
۱۵۷	ملا ظہیر الدین	لکھنؤ	-	-	۲۱۴
۱۵۸	شیخ عابد حسین نجفی	بنارس	۱۳۴۷	۱۳۱۴	۲۱۵
۱۵۹	عابد حسین	بنارس	۱۲۹۷	۱۳۷۰	۲۱۵
۱۶۰	سید عابد علی	جونپور	-	-	۲۱۶
۱۶۱	آغا عابد علی	مراد آباد	-	-	۲۱۹
۱۶۲	سید عاشق عباس	بمبئی	۱۳۲۸	۱۳۸۵	۲۲۰
۱۶۳	سید عباس حسین	علیگڈھ	-	۱۳۳۵	۲۲۰
۱۶۴	عباس علی نجفی	میرپور	۱۳۹۳	۱۳۱۸	۲۲۱
۱۶۵	سید عبد الجواد نقوی	لکھنؤ	-	-	۲۲۳
۱۶۶	ملا عبد الحکیم	فیض آباد (؟)	-	-	۲۲۳
۱۶۷	عبد الحکیم	سیالکوٹ	-	۱۰۶۷	۲۲۴
۱۶۸	سید عبد الحمید	اعظم گڈھ	-	۱۳۸۲	۲۲۵

۱۶۹	عبدالخالق یزدی	کھمبات	-	-	۲۲۵
۱۷۰	سید عبدالرسول	حیدرآباد	-	۱۳۶۶	۲۲۶
۱۷۱	شیخ عبدالرشید	کوپاگنج	ح ۱۲۶۰	۱۳۲۹	۲۲۷
۱۷۲	سید عبدالعلی	جونپور	-	۱۱۹۰	۲۲۸
۱۷۳	مرزا عبدالعلی	پٹنہ	-	۱۳۲۸	۲۲۹
۱۷۴	عبدالعلی خان	بھیک پور	-	-	۲۲۹
۱۷۵	سید عبدالعلی	دیوکھیا	۱۱۶۴	۱۲۳۳	۲۳۰
۱۷۶	عبداللہ قزوینی	حیدرآباد	-	-	۲۳۲
۱۷۷	عبداللہ مجلسی	حسین آباد (؟)	ح ۱۰۳۰	ح ۱۰۸۴	۲۳۲
۱۷۸	ملا عبداللہ	تریانی	ح ۱۳۰۸	ح ۱۳۹۸	۲۳۳
۱۷۹	آقا عبدعلی بیگ	دہلی	-	-	۲۳۴
۱۸۰	سید عبدالفتاح	گلشن آباد	-	-	۲۳۴
۱۸۱	عبدالمجید	مبارکپور	ح ۱۳۲۸	۱۳۹۷	۲۳۵
۱۸۲	سید عبدالمجید	فیض آباد	-	-	۲۳۵
۱۸۳	عبدالوہاب دہلی	دہلی	گیارہویں صدی ہجری		۲۳۶
۱۸۴	سید عزیز الحسن نقوی	بلند شہر	-	۱۳۹۸	۲۳۷
۱۸۵	ملا عصمت اللہ	سہارنپور	-	۱۰۳۹	۲۳۷
۱۸۶	سید علی	بھیکپور	ح ۱۳۱۵	۱۳۸۵	۲۳۸
۱۸۷	سید علی	فیض آباد	-	۱۳۱۵	۲۴۵

۱۸۸	سید علی رضوی	لکھنؤ	۱۳۲۵	۱۴۰۶	۲۴۵
۱۸۹	سید علی رضوی	گوپال پور	۱۳۳۰	۱۴۰۰	۲۴۶
۱۹۰	شیخ علی ارشاد	مبارکپور	۱۳۲۵	۱۴۰۸	۲۴۸
۱۹۱	سید علی اصغر عابدی	جونپور	-	-	۲۵۰
۱۹۲	سید علی جواد	زنگی پور	۱۲۷۳	۱۳۳۹	۲۵۱
۱۹۳	سید علی جواد	بھیک پور	-	۱۳۸۵	۲۵۳
۱۹۴	سید علی جواد	الٰہ آباد	۱۳۱۸	۱۴۰۳	۲۵۵
۱۹۵	شیخ علی حسن	بنارس	۱۳۳۸	۱۴۱۳	۲۵۵
۱۹۶	سید علی حسن	مرشد آباد	۱۲۹۸	۱۳۵۴	۲۵۶
۱۹۷	سید علی حسین	گھوہ	۱۳۰۹	۱۴۰۲	۲۵۷
۱۹۸	شیخ علی حماد	مبارکپور	۱۳۲۵	۱۳۷۳	۲۵۸
۱۹۹	سید علی رضا زائر	بھیک پور	-	۱۳۳۳	۲۵۸
۲۰۰	علی زہاد	زنگی پور	-	۱۳۳۷	۲۵۹
۲۰۱	سید علی سجاد	بھیک پور	-	۱۳۸۰	۲۶۰
۲۰۲	سید علی ظہیر رضوی	لکھنؤ	۱۳۲۹	۱۴۰۲	۲۶۱
۲۰۳	سید علی عباد قیس	زنگی پور	-	-	۲۶۲
۲۰۴	سید علی نقی نقوی	لکھنؤ	۱۳۲۳	۱۴۰۸	۲۶۳
۲۰۵	سید علی نقی صفی	لکھنؤ	-	-	۲۶۸
۲۰۶	سید عنایت علی	-	-	-	۲۶۹

۲۰۷	سید غلام اصغر	کجھوہ	-	-	۲۷۰
۲۰۸	سید غلام حسین	حیدرآباد	۱۲۷۶	۱۳۵۲	۲۷۱
۲۰۹	غلام حسین دھاری	زنجبار	۱۳۰۴-۵	۱۳۸۰-۱	۲۷۵
۲۱۰	مرزا غلام رضا	-	۱۳۲۵ھ	۱۹۰۷ء	۲۷۷
۲۱۱	سید غلام صادق	کجھوہ	۱۲۶۶	۱۳۵۳	۲۷۸
۲۱۲	سید غلام عسکری	بجنور/لکھنؤ	۱۳۴۴-۷	۱۴۰۵	۲۷۹
۲۱۳	حاجی غلام علی اسمٰعیل	بمبئی	۱۲۸۱	۱۳۶۱	۲۸۱
۲۱۴	شاہ غلام علی	-	-	۱۳۴۴	۲۸۴
۲۱۵	غلام محمد تقی خان	مدراس	-	۱۴۱۷	۲۸۵
۲۱۶	سید غلام مصطفیٰ	گوپال پور	-	۱۳۸۴	۲۸۵
۲۱۷	غلام مہدی نجفی	واگھریجی سندھ	۱۳۴۰	۱۴۰۷	۲۸۷
۲۱۸	سید فخر الدین	چندن پٹی	-	-	۲۸۹
۲۱۹	سید فدا حسین	-	-	-	۲۹۰
۲۲۰	حاذق الملک سید فدا حسین	لکھنؤ	-	۱۳۲۸	۲۹۰
۲۲۱	سید فرحت حسین	پٹنہ	۱۳۲۳	۱۳۹۱	۲۹۱
۲۲۲	سید فرحت حسین	بنارس	۱۳۱۹	۱۳۹۱	۲۹۳
۲۲۳	حافظ سید فرمان علی	چندن پٹی	۱۲۲۳ھ	۱۳۳۴	۲۹۴
۲۲۴	سید فضل حسین	بنارس	-	۱۳۸۱	۳۰۰
۲۲۵	فقیر حسین عظیم	حسین گنج	-	-	۳۰۰
۲۲۶	فیاض حسین	مبارک پور	۱۳۲۷ھ	۱۳۹۴	۳۰۳
۲۲۷	فیاض حسین	ولید پور	۱۳۲۷ھ	۱۳۹۵	۳۰۴
۲۲۸	سید فیض حسین	-	-	-	۳۰۵
۲۲۹	شیخ قاسم حسین واعظ	بنارس	۱۳۴۲	۱۴۰۴	۳۰۵
۲۳۰	مرزا قاسم علی	لکھنؤ	-	-	۳۰۶
۲۳۱	قایم حسین	رجوعہ سادات	-	-	۳۰۷
۲۳۲	سید قربان علی	مظفرپور	-	-	۳۰۷
۲۳۳	قمر الدین	منگلری	-	۱۳۳۳	۳۰۷
۲۳۴	شیخ کاظم حسین	بنارس	۱۳۳۴	۱۳۸۳	۳۰۸
۲۳۵	سید کاظم علی	-	-	-	۳۰۹
۲۳۶	سید کرار حسین	محمد آباد گوہنہ	۱۳۵۶	۱۴۲۰	۳۱۰
۲۳۷	رئیس الحفاظ کفایت حسین	بلند شہر	۱۳۱۵	۱۳۸۸	۳۱۴
۲۳۸	سید کلب حسین	غازی پور	-	۱۳۹۷	۳۱۷
۲۳۹	سید کلب عابد	لکھنؤ	۱۳۴۱	۱۴۰۷	۳۱۸
۲۴۰	سید کلب عسکری	نانپارہ	-	۱۳۴۸	۳۲۳
۲۴۱	سید مبارک	جونپور	-	۱۰۹۸	۳۲۴
۲۴۲	مجتبیٰ علی خاں	سلطان پور	۱۳۶۴	۱۴۲۱	۳۲۶
۲۴۳	سید محسن رضوی	گوپال پور	۱۳۳۵	۱۴۲۰	۳۲۹
۲۴۴	میرزا محمد	فیض آباد	-	-	۳۳۰

۲۴۵	سید محمد رضوی	زید پور	-	-	۳۳۱
۲۴۶	سید محمد کشمیری	ٹھکام - کشمیر	-	۱۳۷۸	۳۳۱
۲۴۷	محمد ایزدی	گولکنڈہ	-	-	۳۳۲
۲۴۸	سید محمد کشمیری	بڈگام کشمیر	-	۱۳۵۰	۳۳۲
۲۴۹	محمد الموسوی صفوی	بڈگام کشمیر	-	۱۳۸۶	۳۳۳
۲۵۰	سید محمد امروہوی	امروہہ	-	-	۳۳۳
۲۵۱	سید محمد عابدی	محمد آباد گوہنہ	-	۱۳۱۷	۳۳۴
۲۵۲	محمد بن محمود دہدار	بیجاپور	-	-	۳۳۵
۲۵۳	محمد عاقلی	کشمیر	-	بعد ۱۰۳۰	۳۳۷
۲۵۴	سید محمد جونپوری	جونپور	-	۱۳۷۱	۳۳۷
۲۵۵	سید محمد دیوکھیاوی	فیض آباد	-	۱۲۶۸	۳۳۸
۲۵۶	محمد اشرف	راولپنڈی	-	-	۳۳۹
۲۵۷	سید محمد اکبر	گوپال پور	۱۳۳۲ح	۱۳۰۳	۳۴۰
۲۵۸	سید محمد امین	گوپال پور	-	۱۲۹۱	۳۴۰
۲۵۹	سید محمد باقر	کشمیر	-	-	۳۴۱
۲۶۰	سید محمد باقر		-	-	۳۴۱
۲۶۱	سید محمد باقر شاہ	لنڈی کی	۱۳۱۳ح	۱۳۹۸	۳۴۲
۲۶۲	سید محمد باقر نقوی	کھجوہ	۱۳۳۷	۱۳۰۲	۳۴۲
۲۶۳	ملا محمد باقی	جونپور	-	۱۰۸۶	۳۴۵

۲۶۴	سید محمد بشیر	عشری خرد	-	۱۳۰۸	۳۴۶
۲۶۵	ملا محمد تقی	کشمیر	-	-	۳۴۷
۲۶۶	مرزا محمد تقی	لکھنؤ	-	-	۳۴۷
۲۶۷	سید محمد جعفر	کشمیر	-	۱۳۸۳	۳۴۸
۲۶۸	محمد جعفر شریف دیوجی	زنجبار	۱۳۰۶	۱۳۷۹	۳۴۸
۲۶۹	سید محمد جواد	بھیک پور	۱۲۷۲	۱۳۳۹	۳۵۰
۲۷۰	سید محمد حسن	لکھنؤ	-	-	۳۵۲
۲۷۱	سید محمد حسن	کجگاؤں	۱۲۳۰	-	۳۵۲
۲۷۲	مرزا محمد حسن نجفی	-	-	-	۳۵۳
۲۷۳	مرزا محمد حسن	دہلی	۱۲۶۷ح	۱۳۳۳	۳۵۴
۲۷۴	سید محمد حسین	پٹنہ	-	-	۳۵۴
۲۷۵	سید محمد حسین	فیض آباد	-	-	۳۵۵
۲۷۶	سید محمد حسین	-	-	-	۳۵۵
۲۷۷	مرزا محمد حسین	-	-	-	۳۵۶
۲۷۸	ملا محمد حفیظ	جونپور	-	۱۱۲۸	۳۵۶
۲۷۹	سید محمد حیدر	کھجوہ	-	۱۳۳۵	۳۵۷
۲۸۰	محمد حیدر	سنبھل مراد آباد	-	۱۳۰۹	۳۵۸
۲۸۱	سید محمد داؤد	زنگی پور	۱۲۹۳	-	۳۵۸
۲۸۲	سید محمد درویش	جونپور	-	۹۹۸	۳۶۰

۲۸۳	محمد راجی	جونپور	-	۱۱۸۳	۳۶۱
۲۸۴	محمد رحیم رحیمیان	کوئٹہ	۱۳۲۰ح	۱۴۱۲ح	۳۶۲
۲۸۵	سید محمد رضا	شیرکوٹ	-	۱۳۹۸ح	۳۶۴
۲۸۶	سید محمد رضا	حیدرآباد	۱۲۸۵	۱۳۷۰	۳۶۵
۲۸۷	سید محمد رضی	زنگی پور	-	۱۳۷۰	۳۶۶
۲۸۸	محمد رضی رضوی	لاہور	-	-	۳۷۰
۲۸۹	سید محمد ذکی عرف گدا حسین	زنگی پور	-	۱۳۳۳	۳۷۰
۲۹۰	تاج العلما سید محمد ذکی	لکھنؤ	۱۳۲۹	۱۴۱۸	۳۷۱
۲۹۱	سید محمد سجاد	بنارس	۱۳۰۱ح	۱۳۴۸	۳۷۲
۲۹۲	سید محمد سمیع	زنگی پور	-	-	۳۷۴
۲۹۳	محمد شفیع	-	-	-	۳۷۴
۲۹۴	ملا محمد صادق	جونپور	-	۱۰۸۶	۳۷۴
۲۹۵	محمد صادق	خیرپور سندھ	۱۲۹۵	-	۳۷۵
۲۹۶	سید محمد صادق	لکھنؤ	-	-	۳۷۶
۲۹۷	سید محمد صادق	کجھوہ	-	-	۳۷۷
۲۹۸	سید محمد صالح عرشی	کجھوہ	-	۱۳۵۳ح	۳۷۷
۲۹۹	مرزا محمد طاہر	لکھنؤ	۱۳۱۳	۱۳۹۶	۳۷۹
۳۰۰	سید محمد طاہر	بجنور	-	۱۴۱۱	۳۷۹
۳۰۱	ملا سید محمد طاہر	بنارس	۱۳۳۸	۱۳۹۱	۳۸۰
۳۰۲	محمد ظہور واعظ	مئو	۱۳۳۳	۱۳۹۵	۳۸۲
۳۰۳	مرزا محمد عالم	بمبئی	-	۱۴۰۵	۳۸۳
۳۰۴	سید محمد عبادت	امروہہ	۱۳۲۹	۱۴۱۰	۳۸۶
۳۰۵	سید محمد عباس	مظفرپور	۱۳۴۳	۱۴۱۲	۳۸۸
۳۰۶	محمد عبدالحسین	مدراس	-	-	۳۸۸
۳۰۷	سید محمد عسکری	جونپور	-	۱۱۹۰	۳۸۹
۳۰۸	محمد علی	جونپور	-	-	۳۹۰
۳۰۹	مرزا محمد علی	لکھنؤ	-	-	۳۹۱
۳۱۰	سید محمد قاسم	فیض آباد	-	-	۳۹۱
۳۱۱	سید محمد قاسم	الہ آباد	-	۱۳۸۲	۳۹۱
۳۱۲	سید محمد قاسم	مظفرپور	-	۱۳۹۷	۳۹۲
۳۱۳	سید محمد لطیف	زنگی پور	-	۱۳۵۳	۳۹۲
۳۱۴	ملا محمد ماہ	دیوگام	-	-	۳۹۳
۳۱۵	سید محمد مجتبیٰ	نوگانواں	۱۳۲۳	۱۳۷۷	۳۹۴
۳۱۶	سید محمد محسن حائری	کاٹھیاواڑ	-	-	۳۹۶
۳۱۷	سید محمد مرتضیٰ	جونپور	-	-	۳۹۶
۳۱۸	شیخ محمد مسلم	حسین گنج	-	۱۳۵۱	۳۹۷
۳۱۹	شیخ محمد مصطفیٰ جوہر	حسین گنج	۱۳۱۲.	۱۴۰۶	۳۹۸
۳۲۰	محمد معصوم ہندی	-	-	-	۴۰۳

۳۲۱	سید محمد مہدی	بلیک پور	۱۲۶۹	۱۳۳۸	۳۰۳
۳۲۲	سید محمد مہدی	زید پور	۱۳۱۴	۱۴۰۱	۳۰۹
۳۲۳	سید محمد مہدی	زنگی پور	۱۳۳۳	۱۳۷۵	۳۱۱
۳۲۴	سید محمد تقی	کھجوہ	-	-	۳۱۲
۳۲۵	سید محمد واجد علی خان	بنگال	-	بعد ۱۳۱۹	۳۱۲
۳۲۶	سید محمد وحید اللہ	-	-	-	۳۱۲
۳۲۷	سید محمد ہادی	جونپور	-	-	۳۱۳
۳۲۸	سید محمد ہارون	زنگی پور	۱۲۹۳	۱۳۳۹	۳۱۳
۳۲۹	سید محمد ہاشم	لاہور	-	۱۳۱۳	۳۱۹
۳۳۰	سید محمد یعقوب	زنگی پور	-	۱۳۴۳	۳۱۹
۳۳۱	سید محمد یوسف	زنگی پور	۱۳۰۶	۱۳۵۹	۳۲۰
۳۳۲	سید مختار احمد	گوپال پور	ح ۱۳۳۰	۱۳۶۲	۳۲۱
۳۳۳	سید مرتضیٰ حسین	الور	ح ۱۳۰۲	۱۳۳۳	۳۲۲
۳۳۴	سید مرتضیٰ حسین	حسین آباد	-	ح ۱۳۰۰	۳۲۳
۳۳۵	سید مرتضیٰ حسین	لکھنؤ	۱۳۳۱	۱۴۰۷	۳۲۳
۳۳۶	سید مسرور حسین	امروہہ	-	-	۳۲۷
۳۳۷	سیدہ مصطفیٰ بیگم	-	-	-	۳۲۸
۳۳۸	سید مظاہر حسن	امروہہ	۱۳۴۳	-	۳۲۹
۳۳۹	سید مظاہر حسین	نوگانواں	ح ۱۳۰۰	-	۳۲۹

۳۴۰	سید مظاہر حسین	سندھ	-		۳۳۰
۳۴۱	سید مظفر حسین	سرائے میر	-	-	۳۳۱
۳۴۲	سید مظفر حسین طاہر	جرول	۱۳۲۸	۱۴۰۸	۳۳۲
۳۴۳	سید مظفر علی خان	جانسٹھ	-	۱۳۵۲	۳۳۶
۳۴۴	مظفر حسین	زنگی پور	-	۱۳۲۹	۳۳۷
۳۴۵	سید مظہر علی	گنگولی	-	-	۳۳۷
۳۴۶	چنار الدین اردستانی	حیدر آباد	-	۱۰۵۸	۳۳۸
۳۴۷	مرزا اکرم بخت	چنار	-	۱۳۴۳	۳۳۸
۳۴۸	سید ممتاز حسین	مظفر نگر	-	۱۳۰۶	۳۳۹
۳۴۹	منظور حسین	غازی آباد	۱۳۲۹	۱۳۴۰	۳۳۹
۳۵۰	سید مہتاب شاہ جعفری	شیراز	ح ۱۲۹۶	۱۳۴۳	۳۴۱
۳۵۱	ملا مہدی مازندرانی	لکھنؤ	-	۱۲۵۹	۳۴۱
۳۵۲	خواجہ مہدی حسن	مظفر نگر	-	۱۳۴۵	۳۴۲
۳۵۳	مہدی حسن ناصری	علی گڈھ	-	۱۳۲۶	۳۴۳
۳۵۴	سید میر حسن گل	حسن خیل کچی	-	ح ۱۳۹۸	۳۴۳
۳۵۵	نادر حسین	لکھنؤ	-	-	۳۴۴
۳۵۶	ناصر حسین	فیض آباد	-	۱۳۱۵	۳۴۴
۳۵۷	سید ناصر حسین	جونپور	-	۱۳۱۳	۳۴۵
۳۵۸	نثار احمد	کانپور	-	-	۳۴۶

ضمیمہ

خورشید خاور

تذکرۃ علماء ہندو پاک

دیباچہ

بسم اللہِ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیآء و المرسلین محمد خاتم النبیین و آلہ الطیبین الطاہرین المعصومین.

اما بعد: برصغیر ہندو پاک کے شیعہ علماء و افاضل کے حالات میں فارسی، عربی، اردو اور انگریزی میں اب تک میری اطلاع کے مطابق کم از کم پندرہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں:

(۱) ان میں سے بعض کسی خاص علاقہ یا خاندان یا کسی ایک فرد سے متعلق ہیں۔ ان میں ورثۃ الانبیاء (خاندان اجتہاد کے بارے میں)، تحفۃ الابرار (مولانا سید علی بھیک پوری)، گوہر منثور اور ضنا دید وطن (علمائے زنگی پور)، شجرۂ طیبہ (راقم الحروف کے اسلاف) اور تاریخ سلاطین شرقی وصوفیائے جونپور شامل ہیں۔

(۲) دوسری کتابیں تذکروں کے نہج پر ہیں۔ مثلاً نجوم السماء، تکملہ نجوم السماء (جلد اول)، تذکرۂ بے بہا، تذکرۃ العلماء المحققین، تذکرۃ الاتقیاء فی تاریخ العلماء اور مطلع انوار، ڈاکٹر سید اطہر

عباس رضوی مرحوم کی انگریزی تصنیف A Socio-Intellectual History of the Isna-Ashari Shi'is in India اور میرے شیخ المشائخ آقائی بزرگ تہرانی کی طبقات اعلام الشیعہ بلکہ ان کی الذریعۃ[1] الی تصانیف الشیعہ بھی اسی گروپ میں شامل ہیں۔

مذکورہ بالا کتابوں میں صنادید وطن اور تذکرۃ العلماء المحققین غیر مطبوعہ ہیں اور باقی سب مطبوعہ۔ میں نے ان میں سے تیرہ کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور تاریخ سلاطین شرقی اور تذکرۃ العلماء المحققین کے اقتباسات دیکھے ہیں۔

(۳) مذہبی ماہناموں: اصلاح (کجھوا)، شیعہ (کجھوا)، الواعظ (لکھنؤ)، الجواد (بنارس) اور پیام عمل (لاہور) میں بھی علماء اور بزرگوں کے حالات مل جاتے ہیں۔ خصوصاً رسالۂ اصلاح کے پرانے مجلدات علماء کے سوانح حیات کا ایک قیمتی سرمایہ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ انجمن وظیفہ سادات و مومنین (ہندوستان) کے سلور جوبلی نمبر، گولڈن جوبلی نمبر اور دستاویز یعنی ڈائمنڈ جوبلی نمبر بھی معلومات کا ذخیرہ ہیں۔ میں نے مندرجہ بالا ماہناموں کے مجلدات اور انجمن کے ان جوبلی نمبروں سے براہ راست فایدہ اٹھایا ہے۔

نمبر (۲) میں مندرج اکثر تذکروں میں ایک نقص مشترک نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ ان میں بالعموم مشرقی ہندوستان کے علماء کے حالات کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دی گئی ہے اور ان کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بہار اور بنگال میں (بلکہ حیدرآباد اور مدراس میں بھی) شیعہ دانشوروں کا وجود نہ تھا

---

[1] راقم الحروف نے علامہ محقق سید عبدالعزیز طباطبائی طاب ثراہ (قم) کی فرمائش پر الذریعہ پر تعلیقات لکھے تھے جنھیں ان مرحوم نے اپنی کتاب الاضواء علی الذریعہ میں میرے حوالے سے شامل کیا۔ نیز الذریعہ کا تکملہ بھی لکھا تھا جسے انھوں نے تکملۃ الذریعہ میں شامل کیا۔

اور اگر تھا بھی تو نا قابل اعتناء۔

آج سے چار سال قبل ۱۹۹۷ء میں اس نقص کا ذکر آیۃ اللہ شیخ محمد علی تسخیری (رئیس سازمان فرہنگ و ارتباطات اسلامی، تہران) کے سامنے آیا۔ (موصوف اس وقت مجمع جہانی اہل بیت (ع) تہران۔ کے رئیس تھے)۔ آیۃ اللہ موصوف نے اصرار فرمایا کہ میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کروں۔ موصوف کی ہمت افزائی سے میں دار السلام سے ہندوستان گیا اور اپنے وطن گوپال پور میں چار پانچ مہینہ تک مقیم رہا۔ دو جوانوں کو اس مدت کیلئے شہریہ دے کر اپنی مدد کے لئے آمادہ کیا جنہوں نے پٹنہ، بنارس، فیض آباد اور جونپور وغیرہ کا دورہ کر کے وہاں کے بزرگوں کے حالات فراہم کئے۔ دوسری جگہوں سے خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ قائم کیا گیا۔ اس طرح اس تذکرہ میں پونے چار سو علماء کے حالات اکٹھا ہو گئے ہیں جن میں سے تقریباً نوے (۹۰) نام مطلع انوار کے ساتھ مشترک ہیں۔ باقی سب وہ حضرات ہیں جن کا ذکر آج سے پہلے کسی تذکرہ میں نہیں آیا تھا۔ جو نام مشترک ہیں ان کی وجہ بالعموم یہ ہے کہ مطلع انوار میں ان حضرات کے حالات میں کچھ غلطیاں اور اشتباہات تھے یا اہم تفصیلیں چھوٹ گئی تھیں۔ میں نے ان کے حالات کو صحیح اور کامل طریقے سے لکھدیا ہے لیکن شیخ نجاشی علیہ الرحمہ (متوفی ۴۵۰ھ) کی پیروی کرتے ہوئے مطلع انوار کے نقص کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اس تذکرہ کا اصل مقصد پورب کے علماء کے حالات کی جمع آوری تھی اور اس لئے میں نے اس کا نام "خورشید خاور" رکھا ہے۔ لیکن اس میں آپ کو حیدرآباد دکن اور مدراس نیز مہاراشٹر اور گجرات کے علماء کا تذکرہ بھی ملے گا بلکہ پنجاب اور صوبہ سرحد تک اس کا دائرہ پھیل گیا ہے۔ ان کے علاوہ میں نے اس میں خوجہ برادری کے تین چار ان علماء کے حالات بھی شامل کر دیئے ہیں جن کی پوری زندگی زنجبار اور ممباسا میں گذری۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ حضرات اصلاً گجراتی یعنی

ہندوستانی تھے اور گجراتی زبان بولتے تھے۔ اور اگر خورشید خاور میں ان کا نام نہ آتا تو غیر گجراتی پبلک ان سے نا آشنا رہتی اور ان کے حالات آہستہ آہستہ طاق نسیاں کی نذر ہو جاتے۔

اب یہ کتاب مکمل ہے اور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس توفیق پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔

مطلع انوار فہرست وغیرہ کے ساتھ ۷۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں نو سو (۹۰۰) سے زیادہ علماء اور بزرگوں کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اتنی ضخیم کتاب میں اگر ڈیڑھ دو سو چھوٹے بڑے اشتباہات ہو جائیں تو تعجب کی بات نہیں رہا۔ البتہ دو تسامحات کی طرف توجہ دلانی ضروری ہے تا کہ دوسرے لکھنے والے مطلع انوار پر اعتماد کرتے ہوئے ان غلطیوں کا اعادہ نہ کریں۔

سب سے اہم اور تعجب خیز اشتباہ یہ ہے کہ صاحب مطلع نے ص ۱۳۳ پر "پیر محمد، احمد نگری" جیسے متشدد سنی کو شیعہ بنا دیا ہے۔ موصوف نے حوالہ میں "نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۱۰۰، بحوالہ فرشتہ" لکھا ہے۔ لیکن تاریخ فرشتہ میں اس کے بالکل برعکس لکھا ہے۔

تاریخ فرشتہ جلد دوم میں ص ۱۱۰ سے ص ۱۱۵ تک شاہ طاہر کی وساطت سے اور ایک ایمان پرور خواب کی بنیاد پر احمد نگر کے بادشاہ برہان نظام شاہ (۹۱۴-۹۶۱ / ۱۵۰۹-۱۵۵۳) کے شیعہ ہونے کا ماجرا درج کیا گیا ہے۔ اگر چہ تقریباً تین ہزار افراد اسی بزم میں حلقہ بگوش تشیع ہو گئے لیکن

۱۔ میں نے ان اشتباہات کو ایک نوٹ بک میں درج کیا تھا۔ محقق طباطبائی صاحب مرحوم نے اسے دیکھا تو فرمایا کہ جمہوری اسلامی آقای الٰہی خشہدی، بنیاد پژوہشہای اسلامی کی طرف سے مطلع انوار کا فارسی ترجمہ شائع کر رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے فوراً آقای الٰہی کو فون کیا اور بتایا کہ میں مشہد پہنچ رہا ہوں اور آقای موصوف مجھ سے مل کر ان ترمیمات کو مجھ سے لے کر مطلع کے فارسی ترجمہ میں شامل کر لیں۔ چنانچہ آقای الٰہی مشہد میں مجھ سے ملے اور بتایا کہ کتاب کی طباعت پوری ہو چکی ہے لیکن انھوں نے ان ترمیمات کو لے کر ان کے ترجمہ کو بطور ضمیمہ مطلع انوار (فارسی) (کے ترجمہ) میں "مستدرکات مطلع انوار" کے عنوان سے صفحہ ۷۳۳ سے صفحہ ۷۴۸ تک شائع کیا۔

بادشاہ کے استاد مولانا پیر محمد شیروانی اور کچھ دوسرے علماء اس سے سخت برہم ہو گئے اور احمد نگر میں ایک زبردست "غوغا و شور عظیم" اٹھ کھڑا ہوا۔ پیر محمد نے بارہ ہزار سوار اور پیادے اکٹھا کئے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ مختصر یہ کہ بادشاہ اور شاہ طاہر کے حسن تدبیر سے وہ جمعیت منتشر ہو گئی اور پیر محمد گرفتار کر لیا گیا۔ چار سال بعد شاہ طاہر ہی کی سفارش سے اسے آزاد کیا گیا اور مثل سابق مقرب بارگاہ بنایا گیا۔

اب صاحب مطلع کا بیان سنئے (یہ واضح رہے کہ وہ شاہ طاہر کو ملا طاہر اور ملا صاحب لکھتے ہیں): "ایک مرتبہ نظام شاہ نے (پیر محمد، احمد نگری کو) اپنے خواجہ جہاں (وزیر) کے پاس قلعہ پرینده بھیجا۔ وہاں ملا طاہر سے ملاقات ہوئی۔ ملا صاحب نے پیر محمد کو مجلسی پڑھائی۔ ایک سال کے بعد جب مولانا پیر محمد احمد نگر آئے تو بادشاہ نے استقبال کیا اور اعزاز میں اضافہ کیا۔ ملا صاحب نے تین ہزار آدمیوں کے ساتھ مذہب شیعہ قبول کر لیا۔ اور خطبہ میں ائمہ اثنا عشر کے ناموں کا اعلان کیا۔ اس سے مشتعل ہو کر بارہ سو سوار پیادوں نے نظام شاہ پر حملہ کر دیا۔ برہان نظام شاہ نے انہیں نظر بند کر دیا۔ اور ان کے ساتھ شیعہ ہونے والوں میں بہت سے لوگوں نے مذہب بدل دیا۔ چار سال بعد ملا صاحب رہا ہوئے۔ یہ واقعہ ۹۲۸ھ کا ہے۔"

ان سات آٹھ سطروں میں بہت سے اشتباہات ہیں: خواجہ جہاں برہان نظام شاہ کا وزیر نہیں بلکہ قلعہ دار تھا اور قلعہ پرنده (نہ کہ پرینده) میں مقیم تھا۔ پیر محمد کی واپسی پر اس کے اعزاز میں اضافہ کا تاریخ فرشتہ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ ملا صاحب (یعنی شاہ طاہر) تو پشتینی شیعہ تھے ان کے "مذہب شیعہ قبول کرنے" کا سوال کہاں سے آیا؟۔ یہاں "ملا صاحب" کے بجائے "برہان نظام شاہ" ہونا چاہئے تھا۔ بارہ سو نہیں بلکہ بارہ ہزار سوار پیادوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا تھا۔ یہ جملہ عجیب ہے کہ "برہان نظام شاہ نے انہیں (یعنی ملا طاہر کو) نظر بند کر دیا اور ان کے ساتھ شیعہ ہونے والوں میں بہت سے لوگوں نے مذہب بدل دیا۔" اس بیان کا حقیقت سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ نہ کہیں شیعہ

ہونے والوں کے مذہب بدلنے کا ذکر ملتا ہے۔ چار سال بعد مولانا پیر محمد رہا ہوئے تھے نہ کہ ملا طاہر۔ ع

تن ہمہ داغ داغ شد، پنبہ کجا کجا نہم۔

تفصیلات کے لئے دیکھئے: تاریخ فرشتہ مقالۂ سوم روضۂ سوم ص ۱۱۰ تا ص ۱۱۵، مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۲۸۱ھ، ۱۸۶۵ء۔

دوسری غلطی جو بہر حال اتنی اہم نہیں ہے وہ شیخ احمد دیوبندی کو "اسرار الہدی جواب انوار الہدی" کا مصنف ظاہر کرنا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی معاملہ برعکس ہے۔ شیخ احمد دیوبندی مرحوم جب شیعہ ہوئے تو اپنے تبدیل مذہب کے وجوہ بیان کرنے کے لئے انہوں نے انوار الہدی لکھی جو مطبع اثنا عشری دہلی میں ۱۳۰۹ھ میں چھپی تھی۔ اور جس پر مصنف کا نام شیخ احمد بن مولوی وجیہ الدین عثمانی لکھا ہے۔ دو تین سال بعد اس کے جواب میں ایک سنی جوہر علی نے اسرار الہدی لکھی۔

صاحب مطلع انوار لکھتے ہیں: "میرے پاس اسرار الہدی ہے۔" صاف ظاہر ہے کہ موصوف نے اس کتاب کو پڑھا نہیں تھا ورنہ شاید اسے شیعہ تصنیف نہ بتاتے۔ ایسے اشتباہات کے بعد ان کے ایسے بیانات کا وزن ختم ہو جاتا ہے کہ "فلاں کتاب میرے پاس ہے۔" یا "فلاں کتاب میں نے دیکھی ہے۔"

انوار الہدی کی اشاعت کے بعد جواب الجواب کا جو طویل سلسلہ شروع ہوا اسے میری اسی کتاب میں شیخ احمد دیوبندی مرحوم کے حالات میں ملاحظہ فرمائیں۔

میں نے کوشش کی ہے کہ ہجری سنوں کی تطبیق عیسوی سنوں سے کرتا چلوں۔ اس کے لئے میں نے ابو النصر محمد خالد صاحب۔ ایم۔ اے (عثمانیہ) کی "تقویم ہجری وعیسوی" (اشاعت دوم) شایع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دلی (۱۹۹۴ء) پر بھروسا کیا ہے۔ اپنی ان تطبیقات کو میں نے

قوسین کے اندر لکھا ہے۔ جہاں اصل ماخذ میں دونوں تاریخیں دی ہوئی تھیں ان کو میں نے صرف ایک ترچھا خط کھینچ کر ساتھ ساتھ لکھا ہے۔ مثلاً: ۶ / ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ / ۸ / جولائی ۲۰۰۰ء"۔

میرے شیخ المشائخ آقائی بزرگ تہرانی نے طبقات اعلام الشیعہ میں ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی لکھے ہیں جن کا صرف نام ان کو کسی کتاب میں ملا لیکن حالات معلوم نہ ہو سکے۔ موصوف نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ایسے ناموں کا عنوان قائم ہو جائے گا تو ممکن ہے کہ بعد کے آنے والے حالات کی تکمیل کر دیں۔ اُن مرحوم کی تاسی کرتے ہوئے میں نے بھی ایسے حضرات کے نام لکھ دئے ہیں اور تحریر کر دیا ہے کہ یہ نام کہاں سے لیا گیا ہے۔

جیسا کہ میں شروع میں لکھ چکا ہوں ایسے کاموں میں مختلف وجوہ سے بہت سے اشتباہات ہو سکتے ہیں۔ اور لازمی طور سے "خورشید خاور" میں بھی غلطیاں ہوں گی۔ قارئین میں سے جسے بھی کسی غلطی کی طرف توجہ ہو یا جو کسی نامکمل حال کو پورا کر سکتے ہوں ان سے گذارش ہے کہ از راہ عنایت مجھے فوراً مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح یا تکمیل کر دی جائے۔

اس منصوبہ کے سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے مخلص کرم فرما جناب آیۃ اللہ شیخ محمد علی تسخیری حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے جن کی تشجیع اور ہمت افزائی سے یہ کتاب لکھی گئی اور اب طبع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ بعدہ نور چشم سید مختار سعید رضوی سلمہ اللہ (المعروف بہ مرتضی رضوی) کے لئے دعا گذار ہوں کہ انھوں نے ان حالات کی فراہمی میں انتھک کوشش کی اور میرے پورے کتب خانہ (ریاض معارف) کو کھنگال ڈالا۔ اور اس طرح میرا کام بہت آسان ہو گیا۔ آخر میں عزیزم جناب عمران رسول صاحب سلمہ اللہ، سرپرست "ورلڈ اسلامک نیٹ ورک" (WIN) ممبئی (ہندوستان) کا شکرگذار ہوں کہ انھوں نے صرف خدمت دین کی خاطر اس کتاب کی کمپوزنگ اور طباعت کی نگرانی کا بوجھ اپنے سر پر لے لیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

جب سے اس کتاب کے لکھنے کا منصوبہ بنا اس وقت سے اب تک بے شمار افراد کا مخلصانہ تعاون مجھے حاصل رہا ہے جن کا نام بہ نام شکریہ ادا کرنا نہ آسان ہے نہ مناسب۔ (کیونکہ اگر سہواً کوئی نام چھوٹ گیا تو شکایت ہوگی!!) اس لئے میں ان سب معاونین کا یہاں یکجائی شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید ہے اسے قبول کیا جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

احقر سید سعید اختر رضوی

موسس وعمید، بلال مسلم مشن آف تانزانیا

پوسٹ بکس نمبر ۲۰۰۳۳

دار السلام، تانزانیا

۸ / ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ / ۱۰ / جولائی ۲۰۰۰ء

خورشید خاور

تذکرۃ علماء ہندوپاک

آغا مہدی، سید

ولادت: ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء

وفات: ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء

لسان العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب خاندان اجتہاد کے مایہ ناز رکن تھے ۱۹ رشوال ۱۳۱۶ھ/ ۲۰ر مارچ ۱۸۹۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ موصوف نے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں کو باضابطہ قید تحریر میں لاکر آئندہ کے ریسرچ اسکالرز کیلئے ایک نادر ماخذ مہیا کر دیا ہے جس سے ان کی تعلیم و تربیت، خاندانی حالات اور ذاتی سوانح کے علاوہ تبلیغی خدمات کا پورا نقشہ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔

آپ نے سات سال کی عمر سے ذاکری شروع کی اور ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ تک ۸۱۹۷ مجلسیں پڑھیں۔ یہ تفصیلات دو جلدوں میں محفوظ ہیں۔ مضمون نگاری بھی اوائل عمر سے شروع کر دی تھی۔ نامکمل فہرست مضامین میں ۱۱۶۳ مضامین کے نام درج ہیں۔ مجالس اور تبلیغ دین کے سلسلے میں شیعی دنیا کے ۱۶۶ شہروں اور بستیوں میں گئے۔ زیارت عتبات عالیات سے متعدد بار مشرف ہوئے۔

۲۲ سال تک لکھنؤ کی مسجد تحسین علی خاں میں فرائض امامت فی سبیل اللہ انجام دیئے اور ہر اتوار کو موعظہ فرماتے تھے۔

شیعہ کالج لکھنؤ کے قیام کے بعد اس کے آرگن "الصراط" کی مجلس ادارت میں شریک رہے۔ اودھ پنچ لکھنؤ میں بھی آپ کے مقالے چھپتے رہے۔ رسالہ الواعظ لکھنؤ کے ۱۹ سال مدیر رہے۔ جب ۲۲ رجولائی ۱۹۶۰ء کو آپ نے کراچی جانے کے لئے لکھنؤ چھوڑا تو یہ سلسلہ منقطع ہوا۔ جب موصوف الواعظ کے مدیر تھے اس وقت سے راقم الحروف کو آپ سے نیاز حاصل ہوا۔ ۱۹۳۹ء

سے میرے مضامین الواعظ میں پابندی سے چھپنے لگے۔ اس کے دو ایک سال کے بعد میں لکھنؤ گیا تو ایڈیٹر صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔ موصوف مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور میں ان کے اخلاق و انکسار اور سادگی سے بہت متاثر تھا۔ موصوف نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی۔ عالم باعمل تھے۔ اپنا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا پسند کرتے تھے۔

آپ کے تصنیفات کی فہرست ۲۲۷ کتابوں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے بعض کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ اس طرح مجموعی طور سے ۲۹۱ کتابیں ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے تقریباً ۱۲۰ غیر مطبوعہ ہیں۔ باقی (باستثنائے چند) آپ کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

پاکستان میں آٹھ دس مسجدیں بنوائیں۔

آخر عمر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۷۹ء میں آنکھوں کی بصارت نے ساتھ چھوڑ دیا۔ ۱۹۸۲ء میں دونوں آنکھوں کا ایک ساتھ آپریشن ہوا جو کامیاب رہا۔ لیکن چالیس دن بعد سجدہ کرنے کی وجہ سے ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ صرف ایک آنکھ سے ۱۲-۱۴ گھنٹہ کام کر کے اپنے تصنیفات کو مکمل کرنے کی دھن رہی۔ تاریخ لکھنؤ کا تیسرا حصہ کتابت کے مراحل سے گذر رہا تھا کہ آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۱۲ رجولائی ۱۹۸۶ء روز شنبہ ۹ بجے صبح ہارٹ اٹیک ہوا۔ ۱۳ رجولائی کو شام کو ۵ بج کر ۲۰ منٹ پر اس دار فنا سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔

آقا صاحب

مولوی آقا صاحب ابن زین العابدین الہ آبادی کی ایک کتاب اساس الایمان کا ذکر الذریعہ جلد یازدہم میں نمبر ۱۹۱۳ پر ملتا ہے۔

آقا علی مرزا، رئیس العلماء

رسالہ شیعہ (لکھنؤ) جلد ۸، نمبر ۵ (ماہ مئی ۱۹۱۱ء) میں ایک خط خواجہ پیار علی عبد اللہ کی طرف سے چھپا تھا۔ اس میں نامہ نگار نے حجۃ الاسلام مولانا و مقتدانا رئیس العلماء آقا علی مرزا صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ ممدوح نے بہ سبب ناسازیٔ مزاج و ناموافقت آب و ہوا شہر بھروچ و موندرا و بادا پور (گجرات) کے مومنین کو چھوڑ کر ہجرت کرنے کا قصد فرمایا ہے۔ اس خبر کو سن کر مومنین بہت ہی غم و اندوہ میں مبتلا ہیں، ہر شخص زن و مرد فریاد کر رہا ہے کہ مولانا تو ہمارے ماں باپ ہیں ان کے چلے جانے سے ہم لوگ یتیم ہو جائیں گے۔ مومنین کے علاوہ آغا خانی اسماعیلیوں اور اہل ہنود کو بھی کافی غم ہوا ہے۔

یہ پتہ نہ چل سکا کہ مولانائے ممدوح کہاں کے رہنے والے تھے۔ لیکن مذکورہ بالا خط سے ان کے کردار و سیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ممدوح حسن اخلاق میں کمال رکھتے تھے۔ بظاہر بالکل سیدھے سادے مگر اپنے وقت کے افلاطون تھے۔ اپنی عزت نفس اور خودداری کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ بڑے سخی تھے۔ ان کے پاس لوگ بہت زیادہ تحفے تحائف بھیجتے رہتے تھے لیکن ممدوح ان سب چیزوں کو دوسروں میں بانٹ دیتے تھے۔

(رسالہ شیعہ لکھنؤ جلد ۸، نمبر ۵، ماہ مئی ۱۹۱۱ء)

ابرار حسین، سید، امروہوی

۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء

۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

مولانا سید ابرار حسین صاحب ابن جناب سید مہدی علی صاحب امروہہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ بچپن ہی میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ والدہ نے پرورش کی۔ پہلے نور المدارس میں تعلیم حاصل کی جہاں مولانا سید مرتضی حسین صاحب اور مولانا سید یوسف حسین صاحب سے فیض حاصل کیا اور فقہ، اصول فقہ، منطق وفلسفہ اور ادب میں مہارت تامہ حاصل کی۔ مدرسہ عالیہ رام پور میں بھی درس لیا۔ تمام امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔

پھر مدرسہ منصبیہ میرٹھ میں بہ حیثیت مدرس مقرر ہوئے اور آگے چل کر اس کے پرنسپل ہوئے۔ پچپن سال اسی مدرسہ میں گذار دیے۔

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ کو رحلت فرمائی۔

(تذکرۃ الاتقیاء فی تاریخ العلماء)

ابرار حسین، سید، پاروی

—/—

۱۳۷۵/۱۹۵۵

مولانا سید ابرار حسین صاحب، پارہ ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے، وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ گئے۔ جہاں مدرسۃ الواعظین/مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کیا۔ زبردست عالم اور

اعلیٰ درجہ کے خطیب تھے۔ نہایت ہی خوش مزاج اور مرنجاں مرنج تھے۔ میرے قیام پٹنہ کے زمانہ میں (یعنی ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۱ء تک) آپ مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) میں مدرس تھے۔ آپ اربعین کا عشرہ مغل پورہ میں خان بہادر ڈپٹی سید احمد علی خاں مرحوم کے یہاں پڑھتے تھے۔ خان بہادر صاحب برادر مولانا سید محمد مصطفے صاحب جوہر اور والد ماجد مولانا حکیم سید ابوالحسن صاحب، کے لئے بھی بھیجتے تھے اور میں بھی ان بزرگوں کے ضمیمہ کے طور پر مجلس میں شریک ہو جاتا تھا۔ ایک سال والد مرحوم نے مجھے حکم دیا کہ مجلس سے واپس آکر اس دن کی پوری مجلس لکھ لیا کرو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اگر وہ کاپی کہیں مل جائے تو اس زمانہ کا انداز خطابت مولانا پاروی مرحوم کا کسی حد تک نگاہ کے سامنے آسکتا ہے۔

معلوم نہیں کس سنہ میں آپ نے پٹنہ چھوڑا اور مدرسہ ناظمیہ (لکھنؤ) سے منسلک ہو گئے۔

آپ نے کٹرہ ابوتراب خاں میں سکونت اختیار کی تھی۔ لکھنؤ کا وہ عشرہ جس میں خطیب اہل بیت مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم پڑھا کرتے تھے وہ مولانا ابرار حسین صاحب کو ملا۔ شہر اور ملک میں ہر جگہ عزت تھی اور ذاکری کے سلسلے میں دوسری جگہوں پر جاتے رہتے تھے۔

آپ نے ۲۷ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ/ ۱۳ نومبر ۱۹۵۵ء کو حیدرآباد دکن میں وفات پائی۔

آپ کے صاحبزادے مولانا سید مرتضی حسین صاحب ناظمیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ کچھ عرصہ تک موشی (تانزانیا) میں امام جماعت تھے۔ اب مدرسہ ناظمیہ میں مدرس ہیں۔

(مطلع انوار و ذاتی معلومات)

ابرار حسین، سید، گجرات

۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء

/

مولانا سید ابرار حسین رضوی ابن سید عابد حسین رضوی ۲۹ دسمبر ۱۹۱۲ء/ ۱۹ محرم ۱۳۳۱ھ کو ڈیرہ میر میراں، تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ (جواب مشرقی پنجاب کا حصہ ہے) میں پیدا ہوئے۔ یہاں سادات تقیہ کے سبب سنی مسلک اختیار کر چکے تھے۔ مولانا کی والدہ کے نانا سید انور علی شاہ نے پہلے تو خود شیعہ مذہب اختیار کیا اور اس کے بعد یہاں کے مومنین کو شیعیت سے روشناس کرایا۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموں حکیم سید منور حسین صاحب اور مولانا سید ثابت حسین صاحب زید پوری (ضلع بارہ بنکی) سے حاصل کی۔ پھر سلطان المدارس میں داخلہ لے کر مولانا سید محمد رضا صاحب سے کافیہ، شافیہ اور شرح جامی پڑھی۔ آخر جامعہ سلطانیہ سے صدر الافاضل اور جامعہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سندیں اعلیٰ نمبروں سے حاصل کیں۔ بعدہ عراق تشریف لے گئے جہاں آیۃ اللہ سید محسن الحکیم طباطبائی کے درس خارج میں شرکت کی۔

عراق سے واپس آکر سلطان المدارس میں بطور مدرس متعین ہوئے جہاں طلبہ کو شرائع الاسلام وغیرہ کا درس دیا۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے اور گجرات میں قیام کیا۔ دو سال تک جامعہ حسینیہ (جھنگ) میں صدر مدرس کی حیثیت سے رہے۔ ماہنامہ البرہان (لودھیانہ) کے نگراں بھی رہے تھے۔

(تذکرۃ الاتقیاء فی تاریخ العلماء)

ابرار حسین، خاں صاحب

مولانا محمد مصطفیٰ جوہر نے ۱۳۴۰ھ میں ان کو عربی میں ایک خط لکھا تھا جس میں مکتوب الیہ کا تعارف ان الفاظ میں کیا گیا تھا:

''جناب مولوی ابرار حسین خاں صاحب مدرس مدرسہ وثیقہ اسکول فیض آباد۔''

اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔

(مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کی ذاتی بیاض)

ابرار حسین، سید، انبالوی

مولوی سید ابرار حسین صاحب نے ابتدائی تعلیم اردو، فارسی اور عربی کی گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ میں داخل ہو گئے اور نمایاں طلبہ میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ پھر لکھنؤ گئے اور مدرسہ ناظمیہ سے منسلک ہوئے۔ ممتاز الافاضل وغیرہ کے امتحانات پاس کیے۔ وطن واپس آکر مسلم ہائی اسکول (انبالہ) میں شیعہ دینیات کے مدرس مقرر ہوئے۔

ابراہیم، لاہوری

بعد ۱۰۵۳/ بعد ۱۹۴۳ء

دبستان المذاہب کے مصنف نے ان کو لاہور میں ۱۰۵۳ھ میں دیکھا تھا اور یہ لکھا ہے کہ وہ سخت متعصب شیعہ تھے کیونکہ اسلام لانے سے قبل انہوں نے ائمہ معصومین علیہم السلام کو خواب میں

دیکھا تھا۔ مرزا محسن خان کشمیری ان سے ۱۰۵۰ھ میں ملے تھے۔ اس وقت لاہور میں دو عالم اور بھی تھے: ملا محمد معصوم اور ملا محمد تونی۔

ملا ابراہیم عالم وزاہد اور فقیہہ ومحدث تھے۔ وہ اہل سنت کی چیزوں کے کھانے سے احتیاط کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ چونکہ یہ حضرات ہندوؤں کو نجس نہیں مانتے اس لئے وہ ان سے نجس چیزیں خرید کر بیچتے ہیں۔

(طبقات اعلام الشیعہ جلد ۵، ص ۱۰، مطلع انوار ص ۴۱)

ابن حسن، سید، نانپاروی

۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء

آپ مکرم العلماء مولانا سید سجاد حسن صاحب جونپوری ثم نانپاروی کے فرزند تھے۔ آپ ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۲۴ھ/ ۱۱ر مارچ ۱۹۰۶ء روز شنبہ باورچی ٹولہ، نانپارہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام منظور حسین تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد لکھنؤ جا کر سلطان المدارس میں داخلہ لیا۔ صدر الافاضل کرنے کے بعد مختصر عرصہ کیلئے نجف اشرف بھی تشریف لے گئے۔ واپسی پر وطن میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ردولی ضلع بارہ بنکی میں چودھری ارشاد حسین صاحب مرحوم کی مسجد میں فرائض امامت انجام دیتے رہے اور تقریباً پوری زندگی وہیں رہے۔

ان کا خانوادہ شیراز ہند جونپور کے علمی گھرانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ مُلّا ٹولہ جونپور میں اس خاندان کا حسینیہ ابھی موجود ہے۔ مولانا سید سجاد حسن صاحب کے والد بزرگوار مولانا سید محمد حسن

صاحب اہل کرامت تھے۔ خود مولانا سید ابن حسن تقویٰ، عبادت اور قناعت میں فرد فرید تھے۔ مزاج انتہائی سادہ تھا اور غصہ سے پرہیز کرتے تھے۔ عبادت کے بہت شائق تھے۔ ہر نماز کے بعد گھنٹوں تعقیبات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ غذا انتہائی مختصر تھی۔ سخاوت میں آگے رہتے تھے۔

مولانا ابن حسن کی ذاکری میں استدلال اور نکتوں کی کثرت ہوتی تھی۔ مصائب میں خود گریاں رہتے۔ جس مجلس میں شریک ہوتے بہ آواز بلند گریہ کرتے تھے۔ شاعری سے بھی شغف تھا اور تاریخ گوئی پر بھی دسترس تھی۔

قیام ردولی کے زمانہ میں اوراد ووظائف کے دو مجموعے مرتب کئے جو کئی بار شائع ہوئے۔

مکرم العلماء کی اولاد میں سب سے بڑے تھے اور اپنے تمام بھائی بہنوں اور ان کے بچوں سے انتہائی شفقت کا برتاؤ رکھتے تھے۔ ذاتی زندگی میں بہت صدمے جھیلے۔ زوجۂ اولی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی لیکن وہ بھی راہیٔ جنت ہوئیں۔ زوجۂ اولی سے ایک بیٹی اور ایک بیٹا پیدا ہوا اور دونوں نے جوانی میں داغ مفارقت دیا۔

زندگی کے آخری ایام میں علالت کا زمانہ وطن میں گذارا اور وہیں ۱۶ر محرم الحرام ۱۴۱۲ھ/ ۲۹ر جولائی ۱۹۹۱ء روز شنبہ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور حسینیہ سجادیہ میں دفن ہوئے۔

(محمد جابر جوراسی)

ابن علی، سید

رسالۂ اصلاح (محرم ۱۳۲۲ھ) میں سکریٹری مدرسہ مشارع الشرائع (ناظمیہ) کی ایک تحریر چھپی ہے۔ نواب سید نصیر حسین خاں خیالؔ عظیم آبادی (کلکتہ) نے یہ سوال کیا تھا کہ قیام مدرسہ

(۱۳۰۷ھ) سے لے کر ۱۳۲۱ھ تک کتنے حضرات فارغ التحصیل ہوئے۔ سکریٹری مدرسہ نے اس کے جواب میں چند فارغ التحصیل حضرات کے نام شائع کیے تھے جن میں چوتھا نام مولوی سید ابن علی صاحب کا ہے۔

(اصلاح محرم ۱۳۲۲)

ابن علی، حسینی

(بعد از ۱۱۹۵ھ/ بعد از ۱۷۸۱ء)

انھوں نے سید غلام حسین طباطبائی کی تاریخ سیر المتاخرین کا انتخاب تین دفتروں میں ملخص التواریخ کے نام سے کیا:

دفتر اول

ہندوستان کے تیموری بادشاہوں کا حال تیمور سے محمد شاہ تک جو ۱۱۵۲ھ تک ہے۔

دفتر دوم

بنگال و عظیم آباد و اوڑیسہ کے واقعات میں ۱۱۹۵ھ تک۔

دفتر سوم

محمد شاہ کے سال جلوس بیست و دوم (۱۱۵۳ھ) سے شاہ عالم کے سال جلوس بیست و سوم (۱۱۹۵ھ) تک۔

اس کا ایک نسخہ ۱۲۰۷ھ کا لکھا ہوا خدا بخش لائبریری (پٹنہ) میں ہے۔ انھوں نے مونگیر میں وفات پائی۔

ابوالبقاء، مفتی، سید، جونپوری

و: ۱۰۴۳ھ/ ۱۶۳۳ء

مفتی سید ابوالبقاء ملا محمد درویش کے فرزند تھے۔ ابتدا میں علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد ماجد سے حاصل کیے۔ پھر ملا محمد ماہ دیوگامی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ نیز دوسرے کئی علماء سے اکتساب فیض کیا۔ آپ ذہن اور حافظہ کی بلندیوں پر فائز تھے اور تحصیل علم میں اتنی جد و جہد کی کہ بیس سال کی عمر میں تمام علوم کی تکمیل کر کے اپنے وقت کے مشہور علماء میں شمار ہونے لگے۔ طلباء آپ کی طرف رجوع ہونے لگے اور آپ کے حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ شیرینی بیان کی وجہ سے سب آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

آپ کے علم و فضل کا شہرہ جونپور سے دہلی تک پہنچا اور شاہ دہلی نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور جونپور کا مفتی مقرر کیا۔ اس دن سے آپ کا محلہ مفتی محلہ کہا جانے لگا۔

تصانیف

(۱) حاشیہ شرح ملا جامی (۲) حاشیہ قطبی

وفات

۲۳ ر جمادی الاولیٰ ۱۰۴۳ھ (جو تقویم کی رو سے ۱۸ ر دسمبر ۱۶۳۳ء کے مطابق ہے) بروز جمعہ بہ وقت نماز صبح آپ نے عالم آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ مصنف تجلی نور نے آپ کی پختہ قبر مفتی محلہ میں دیکھی تھی۔

(تکملہ نجوم السماء، ج ۱، ص ۹-۸)

سید ابوالحسن (میرن صاحب)

ج ۱۲۸۲/ ۶۶-۱۸۶۵ء

م ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء

سید الفقہاء سید ابوالحسن عرف میرن صاحب قبلہ مولانا سید نیاز حسن برقی حیدرآبادی کے دوسرے فرزند تھے۔ ذہانت وجودت طبع آپ کا حصہ تھی اور اشاعت مذہب کا حوصلہ میراث میں پایا تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ صرف ونحو اور منطق مولانا اکابر حسین زید پوری سے پڑھی۔ ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء میں اور بھائیوں کے ساتھ لکھنؤ گئے جہاں اپنے ماموں مولانا سید محمد عباس صاحب (مفتی صاحب؟) سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ لیکن آپ کے والد ماجد نے جلد بلا لیا۔ حیدرآباد آ کر اپنے والد اور مولانا سید نثار حسین صاحب "حسام الاسلام" کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا اور معقولات ومنقولات کی تکمیل کی۔

ختم تعلیم کے بعد آپ حکومت کے محکمہ رجسٹریشن میں سب رجسٹرار مقرر ہوئے۔ ۱۳۰۹ھ میں اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد ملازمت ترک کر دی اور اعلیٰ تعلیم کی غرض سے نجف تشریف لے گئے۔ وہاں چودہ سال مقیم رہے اور سید کاظم طباطبائی یزدی (صاحب العروۃ الوثقیٰ)، شیخ محمد حسن مامقانی اور آقائے شہرستانی کے درس خارج میں شرکت کی اور اجازات حاصل کئے۔ آپ آقائے سید ابوالحسن اصفہانی کے قریبی دوست، ہمدرس اور ہم شکل بھی تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کچھ بدوی عربوں نے آپ کو سرکار اصفہانی سمجھ کر دست بوسی شروع کر دی۔ بڑی مشکل سے ان لوگوں کو یقین دلایا جا سکا کہ آپ اصفہانی نہیں بلکہ دیار ہند کے رہنے والے مجتہد ہیں۔

عراق سے واپس آ کر آپ نے پورے دکن میں مرجعیت حاصل کر لی اور اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین قرار پائے۔ سلسلہ تدریس شروع کیا۔ جو مسجد آپ کے والد نے بنوائی تھی وہ منہدم

ہو گئی تھی۔ آپ نے اس کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اسی مسجد میں امام جمعہ وجماعت رہے۔ نماز مغربین کے بعد روزانہ درس فقہ دیتے اور بعد نماز جمعہ موعظہ بیان کرتے۔ یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا۔ درس میں کسی رکاوٹ کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ تقریر میں دل کشی اور تاثیر تھی۔ موعظہ نہایت مدلل بیان فرماتے۔ حق گوئی اور بیباکی آپ کا آئین تھا۔ آپ اسلامی اخلاق کا پیکر تھے۔ مصنف تذکرہ بے بہا سے آپ کے تعلقات تھے وہ لکھتے ہیں "اب سنا ہے چند سال سے افریقہ میں ہدایت فرما رہے ہیں۔" تذکرہ اپریل ۱۹۳۱ء میں پورا ہوا تھا۔ اسلئے یہ اسی دور کی بات ہوگی۔

تصانیف

مخزن الطہارۃ، قواعد المواریث، ورع الصالحین، کلمۂ طیبہ، تقریب الشرع مع اجازات۔

(مطبوعہ ۱۳۱۳ھ)

تلامذہ

نواب سید عبد اللہ، محمد علی فاضل حکیم، سید حسن کربلائی، آقا محسن، سید غیاث الدین شوشتری، سعادت علی، ڈاکٹر شجاعت علی بیگ، سید تقی حسن آقا وغیرہ۔

اسفار

چالیس مرتبہ عراق کا سفر کیا اور زیارات سے مشرف ہوئے۔ سات مرتبہ حج کیا اور چودہ مرتبہ مشہد مقدس کی زیارت کی۔

اولاد

آپ کے پانچ فرزندوں کے نام یہ ہیں:

سید سراج الحسن المعروف بہ محمد آقا۔ مجتہد، سید یوسف حسین عرف علی آقا۔ سید جعفر حسین

سید ابوالحسن (میرن صاحب)

ح ۱۳۸۲/۶۶-۱۸۶۵ء

۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء

سید الفقہاء سید ابوالحسن عرف میرن صاحب قبلہ مولانا سید نیاز حسن برقی حیدرآبادی کے دوسرے فرزند تھے۔ ذہانت و جودت طبع آپ کا حصہ تھی اور اشاعت مذہب کا حوصلہ میراث میں پایا تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ صرف ونحو اور منطق مولانا اکابر حسین زید پوری سے پڑھی۔ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں اور بھائیوں کے ساتھ لکھنؤ گئے جہاں اپنے ماموں مولانا سید محمد عباس صاحب (مفتی صاحب؟) سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ لیکن آپ کے والد ماجد نے جلد بلا لیا۔ حیدرآباد آ کر اپنے والد اور مولانا سید نثار حسین صاحب "حسام الاسلام" کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا اور معقولات ومنقولات کی تکمیل کی۔

ختم تعلیم کے بعد آپ حکومت کے محکمہ رجسٹریشن میں سب رجسٹرار مقرر ہوئے۔ ۱۳۰۹ھ میں اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد ملازمت ترک کر دی اور اعلیٰ تعلیم کی غرض سے نجف تشریف لے گئے۔ وہاں چودہ سال مقیم رہے اور سید کاظم طباطبائی یزدی (صاحب العروۃ الوثقیٰ)، شیخ محمد حسن مامقانی اور آقائے شہرستانی کے درس خارج میں شرکت کی اور اجازات حاصل کئے۔ آپ آقائے سید ابوالحسن اصفہانی کے قریبی دوست، ہمدرس اور ہم شکل بھی تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کچھ بدوی عربوں نے آپ کو سرکار اصفہانی سمجھ کر دست بوسی شروع کر دی۔ بڑی مشکل سے ان لوگوں کو یقین دلایا جا سکا کہ آپ اصفہانی نہیں بلکہ دیار ہند کے رہنے والے مجتہد ہیں۔

عراق سے واپس آ کر آپ نے پورے دکن میں مرجعیت حاصل کر لی اور اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین قرار پائے۔ سلسلۂ تدریس شروع کیا۔ جو مسجد آپ کے والد نے بنوائی تھی وہ منہدم

ہو گئی تھی۔ آپ نے اس کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اسی مسجد میں امام جمعہ و جماعت رہے۔ نماز مغربین کے بعد روزانہ درس فقہ دیتے اور بعد نماز جمعہ موعظہ بیان کرتے۔ یہ سلسلہ تا حیات جاری رہا۔ درس میں کسی رکاوٹ کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ تقریر میں دل کشی اور تاثیر تھی۔ موعظہ نہایت مدلّل بیان فرماتے۔ حق گوئی اور بیباکی آپ کا آئین تھا۔ آپ اسلامی اخلاق کا پیکر تھے۔ مصنف تذکرۂ بے بہا سے آپ کے تعلقات تھے وہ لکھتے ہیں "اب سنا ہے چند سال سے افریقہ میں ہدایت فرما رہے ہیں۔" تذکرہ اپریل ۱۹۳۱ء میں پورا ہوا تھا۔ اسلئے یا اسی دور کی بات ہوگی۔

تصانیف

مخزن الطہارۃ، قواعد المواریث، ورع الصالحین، کلمۂ طیبہ، تقریب الشرع مع اجازات۔ (مطبوعہ ۱۳۱۳ھ)

تلامذہ

نواب سید عبداللہ، محمد علی فاضل حکیم، سید حسن کربلائی، آقا محسن، سید غیاث الدین شوشتری، سعادت علی، ڈاکٹر شجاعت علی بیگ، سید آقی حسن وغیرہ۔

اسفار

چالیس مرتبہ عراق کا سفر کیا اور زیارات سے مشرف ہوئے۔ سات مرتبہ حج کیا اور چودہ مرتبہ مشہد مقدس کی زیارت کی۔

اولاد

آپ کے پانچ فرزندوں کے نام یہ ہیں:

سید سراج الحسن المعروف بہ محمد آقا۔ مجتہد، سید یوسف حسین عرف علی آقا۔ سید جعفر حسین

آگرہ سے ۱۳۴۱ھ کے قریب مولانا سید محمد شبّر صاحب (مدرس اعلی، مدرسہ ناصریہ، جون پور) کی دعوت پر آپ مدرسہ کے مدرس دوم کی حیثیت سے جون پور آگئے۔ اور یہیں اپنا مطب بھی قائم کیا۔

۱۳ ررجب المرجب ۱۳۴۴ھ کو مولانا محمد مصطفیٰ صاحب جوہر مدرسہ عباسیہ (پٹنہ) کے مدرس اعلی ہوئے تو آپ نے والد صاحب مرحوم کو نائب مدرس اعلی کی حیثیت سے پٹنہ بلا لیا۔ یہاں آپ نے پچھم دروازہ میں مطب شروع کیا۔ جب جنوری ۱۹۳۴ء کے زلزلہ میں مدرسہ کی دولی گھاٹ کی عمارت گر گئی تو نواب سید علی سجاد صاحب مرحوم نے گلزار باغ کی ایک وسیع عمارت میں مدرسہ کو منتقل کیا۔ تو والد صاحب کا مطب بھی گلزار باغ آگیا۔

۲۱ رمئی ۱۹۴۰ء کو مدرسہ تعطیلات گرما کے لئے بند ہونے والا تھا اور مدرسین کی تنخواہیں تقریباً چھ مہینے سے باقی چلی آرہی تھیں۔ لہٰذا تمام مدرسین نے اجتماعی طور پر استعفیٰ دیدیا۔ مدرسہ عباسیہ ختم ہو گیا۔

والد صاحب مرحوم نے اس کے بعد کچھ دنوں سیوان میں مطب کیا۔ ۱۹۴۲ء میں ہلور ضلع بستی (اب ضلع سدھارتھ نگر) میں بطور امام جمعہ و جماعت تشریف لے گئے۔ یہ اُس وقت پانچ ہزار سادات کی آبادی والا قصبہ تھا اور والد صاحب وہاں انتہائی عزت و احترام اور محبت و عقیدت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں اپنے بڑے بھائی سید لطیف حسین صاحب کے انتقال کے بعد آپ امور زمینداری سنبھالنے کی غرض سے وطن واپس آگئے۔ اور راقم الحروف کو اپنی جگہ ہلور بھیج دیا۔

۱۹۴۹ء میں آپ والدہ صاحبہ مرحومہ کے ساتھ عراق و ایران کی زیارتوں سے مشرف ہوئے۔ میں دسمبر ۱۹۵۹ء میں امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے تانزانیا آگیا تھا۔ میں نے دسمبر

۱۹۶۹ء میں اپنے والدین کو دار السلام بلایا اور ۱۹۷۱ء میں مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ حج کروں۔ حج کے کچھ عرصہ بعد دونوں حضرات وطن واپس گئے۔

والد صاحب مرحوم نے اپنے صرف خاص سے وطن میں ایک عیدگاہ تعمیر کرائی۔ (پچاس ساٹھ سال کے عرصہ میں وہ عمارت بالکل برباد ہو گئی تھی، اس لئے ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء میں میں نے اس کو پرانی بنیادوں پر دوبارہ بنوایا)۔ وطن ہی میں آپ نے ایک پل تعمیر کرایا تھا۔ ہلور کے قیام کے دوران آپ نے وہاں ایک پڑاوہ لگوایا اور اس سے وہاں کی جامع مسجد کی عمارت کی تکمیل کرائی۔ ابھی مینارے بننے باقی تھے کہ آپ وطن واپس آگئے اور یہ کام راقم الحروف کی سعی سے انجام پذیر ہوا۔

وفات

۶ رذی الحجہ ۱۳۹۴ھ/ ۲۱ ردسمبر ۱۹۷۴ء روز شنبہ سوا چار بجے شام کو آپ نے گوپال پور میں رحلت فرمائی۔ تجہیز و تکفین دوسرے روز گیارہ بجے دن میں ہوئی۔

ابوالقاسم الجرفادقانی (گلپائیگانی)

آپ کا حال الذریعہ ج ۲۲ ص ۳۴۸ پر آپ کی کتاب مناهج علیہ کے ذکر میں ملتا ہے، اگرچہ اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ ہندوستان آکر رہ گئے یا کچھ عرصے بعد واپس چلے گئے۔

الذریعہ کے مطابق اصفہان میں تحصیلات علمی ختم کر کے آپ شاہ جہاں کے دور میں (۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۷) ہندوستان گئے اور آصف خان کے دربار سے منسلک ہو گئے جہاں طرفین کے علماء جمع ہوتے تھے مثلاً ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، شیخ عبدالرحیم جونپوری اور ملا عبدالواسع ٹھٹھوی وغیرہم۔ اس دربار میں مخالفین کے ساتھ ان کے بہت سے مناظرے رہے جن میں آپ نے ان سب کو شکست

دی۔ پھران مناظروں کو تفصیل کے ساتھ مزید دلائل کا اضافہ کر کے آپ نے متذکرہ بالا منا ہج علیہ (فخر الدین رازی کی براہین الہیہ کے مقابلے میں) تحریر فرمائی اور اسے شیخ علی خاں (وزیر شاہ سلیمان صفوی) کے نام پر معنون کر کے ان کو ہدیہ کیا (اسی لئے کتاب کا نام مناہج علیہ رکھا)۔

ان کے والد آقا محمد جعفر فارقانی (یعنی گلپایگانی) کا ذکر اجازات بحار کے آخر میں اس اجازہ میں ملتا ہے جو ملا صبر علی کے نام ہے۔ لیکن روضات الجنات میں ان کے والد کا نام آقا محمد ربیع درج ہے۔

(الذریعہ ج ۲۲)

ابوالقاسم، سید

الذریعہ جلد دہم میں ص ۱۷۵ پر سید ابوالقاسم ابن محمود نزیل کشمیر کی کتاب الرد علی ابطال الرمل کا ذکر ملتا ہے۔ نیز الذریعہ ہی میں السید ابوالقاسم الموسوی الریاضی کا نام ملتا ہے جن کیلئے لکھا ہے کہ بلاد ہند میں تھے حدود ۱۳۵۸ھ میں۔

معلوم نہیں کہ یہ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں یا دو علیحدہ شخصیتوں کا ذکر ہے۔

(الذریعہ ج ۱۰ ص ۱۷۵)

ابوالقاسم، سمنانی، آخوند

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء

آپ کا پورا نام ولقب آخوند ابوالقاسم سمنانی تھا۔ کتاب جہاں نما میں آپ کے حالات میں آپ کی توصیف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"پٹنہ میں اس وقت عالی حضرت، مقدوہ مرتبت، حمیدہ خصلت، فضائل شعار، فرخندہ رفتار، آخوند ملا ابوالقاسم سمنانی صاحب طبع سلیم وذہن مستقیم تھے۔"

آپ کو علوم متداولہ میں اچھی مہارت تھی اور تاریخ مذاہب وملل مختلفہ کی بخوبی معرفت حاصل تھی۔

(تذکرۃ الاعتبار فی تاریخ الاطہار)

ابوالقاسم، سید، بجنوری

۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء

۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء

مولانا سید ابوالقاسم صاحب قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ کے ایک زمیندار خاندان میں ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والدین کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ تعلیم کے شوق نے سلطان المدارس تک پہنچایا جہاں سے ۱۹۳۶ء میں صدر الافاضل کی سند امتیازی نمبروں سے حاصل کی۔ ۱۹۵۲ء میں مہوا (گجرات) کی خوجہ شیعہ اثنا عشری جماعت سے منسلک ہوئے اور اس مسجد میں امامت جمعہ وجماعت

کی ذمہ داری سنبھالی۔ ۱۹۸۵ء میں اپنے فرزند اکبر کے ساتھ حج سے مشرف ہوئے اور شام اور مشہد مقدس کی زیارتیں کیں۔

۱۴ر فروری ۱۹۹۳ء (۲۱ر شعبان ۱۴۱۳ھ) کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(الجواد ج ۲۲ نمبر ۶، ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ)

ابوالہاشم، سید، نوگانوی

—/—

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

مولانا سید ابوالہاشم نوگانوی ابن سید ابوالقاسم صاحب مرحوم نے مدرسہ باب العلم نوگانواں سادات ضلع امروہہ میں داخلہ لیا۔ فارسی ادبیات، معقولات، عربی صرف ونحو وادبیات، فقہ واصول فقہ وتفسیر میں علی الترتیب مولانا عاشق صاحب، مولانا مظفر حسین صاحب اور مولانا سید آقا حیدر صاحب سے فیض حاصل کیا۔ الٰہ آباد بورڈ سے منشی، مولوی، عالم اور فاضل کی سندیں حاصل کیں۔ ساتھ ہی ساتھ سلطان المدارس سے صدر الافاضل کیا۔

شیعہ جعفری فیڈریشن کی تشویق پر رستم پورہ (گجرات) میں مجلس پڑھنے گئے۔ وہاں جاکر دیکھا کہ ان کے میزبان جعفری سادات ہیں جن کے آباواجداد کبھی تقیہ میں تھے اور اس کے اثر سے وہ حضرات ابھی تک اہل سنت ہی کے طریقے پر نماز، روزہ اور دیگر مذہبی امور انجام دیتے ہیں۔ البتہ محبت اہل بیت کا جذبہ ابھی تک ان میں بیدار ہے۔ اس جذبہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا نے انہیں مذہب اہل بیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش شروع کی۔ جب بستی کے دیگر سنیوں کو اس کی خبر

ہوئی تو وہ تبلیغ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے لگے۔ اب علمی اور کلامی مناظروں اور مباحثوں کا سلسلہ شروع ہوا جس کے نتیجہ میں ضلع آنند، ضلع کھیڑا اور احمد آباد کے بڑے بڑے ناصبی اور حنفی علماء نے اپنی شکست تسلیم کرلی اور پورے قصبے نے مذہب حق قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

۱۹۶۵ء میں آپ نجف اشرف تشریف لے گئے اور درس خارج میں شریک ہوئے۔ آخر عراقی حکومت کے مظالم سے مجبور ہوکر ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۷ء کو وطن واپس آگئے۔

آپ نے کئی کتابوں کے ترجمے کئے اور حواشی بھی لکھے۔

آپ احمد آباد کی خوجہ شیعہ اثنا عشری جماعت کی مسجد میں امام جمعہ وجماعت تھے۔ جنوری ۱۹۸۲ء میں آپ اہل وعیال کے ساتھ وطن واپس آنا چاہتے تھے کہ آپ کی طبیعت ناساز ہوئی اور دو دن اسپتال میں رہ کر ۱۹ر جنوری ۱۹۸۲ء / ۲۲ر ربیع الاول ۱۴۰۲ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

(تذکرۃ الاتقیاء فی تاریخ العلماء)

نوٹ: راقم الحروف سعید اختر رضوی نے ۱۹۶۹ء میں ان کو نجف میں دیکھا تھا۔

احسان علی، سید، بھیکپوری

۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶-۷ء

مولانا سید احسان علی ابن سید سلامت علی ۱۲۱۷ھ میں موضع بھیک پور ضلع سارن (اب سیوان) بہار میں پیدا ہوئے۔ تحفۃ الابرار میں آپ کے لئے یہ القاب لکھے ہیں: ”معدن جود وسخا، مصدر عبادات وطاعات، امام جمعہ وجماعت، ذوالشان الاعلی، جناب مولوی سید احسان علی صاحب

مرحوم"۔

قدوۃ الاصفیاء مولانا سید نظر حسن صاحب بھیک پوری نے (جو آپ کے حقیقی بھتیجے تھے) تذکرۃ العزاء میں آپ کا نام اس طرح لکھا ہے۔ "ذی جود و کرم، عمدۃ العلماء الاعلام، نخبۃ الفضلاء الکرام، جناب مولوی سید احسان علی صاحب مرحوم"۔

تحفۃ الابرار جناب مولانا سید محمد مہدی صاحب اعلی اللہ مقامہ صاحب لوح الاحزان نے اپنے والد بزرگوار زبدۃ العارفین سید علی صاحب بھیکپوری (جو بہار کے پہلے مجتہد تھے) کے حالات میں لکھی ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ جناب سید علی صاحب بارہ تیرہ سال تک جناب سید العلماء سید حسین علیین مکان سے کسب فیض کر کے مختصر عرصے کیلئے اپنے وطن مالوف بھیک پور واپس آئے تو ان کی روحانیت اور تقدس کا ایسا اثر ہوا کہ کئی حضرات ان کے ساتھ تحصیل علوم دینیہ کیلئے لکھنؤ جانے پر آمادہ ہو گئے۔ ان حضرات میں سید احسان علی طاب ثراہ بھی تھے۔

راقم الحروف نے اپنی کتاب شجرۂ طیبہ میں سید علی صاحب طاب ثراہ کے سوانح حیات کی جو تفصیل تحفۃ الابرار کے مندرجات پر بنا کر کے لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تقریباً ۱۲۵۲ھ کا ہے۔

سید احسان علی صاحب نے سید العلماء علیین مکان سے کسب فیض کیا اور جب آپ مراتب عالیہ پر فائز ہو گئے تو علیین مکان نے آپ کو اجازہ مرحمت فرمایا۔ آپ کے زہد و ورع کا تذکرہ زبان زد عوام و خواص تھا۔ چنانچہ جب امجد علی شاہ (۱۲۵۸ - ۱۲۶۳ / ۱۸۴۲-۱۸۴۸) سریر آرائے سلطنت ہوئے تو آپ کیلئے معتدبہ وظیفہ مقرر فرما کر اعزاز و اکرام اور احترام تام کے ساتھ عوام کی ہدایت کیلئے وطن کو روانہ فرمایا۔ آپ کے موعظہ نے یہ اثر کیا کہ بہت سے لوگ شاہ راہ ہدایت پر گامزن ہو گئے۔ آپ ہمیشہ عزیزوں کے ساتھ صلۂ رحم اور مدارات، یتیموں اور غریبوں کے ساتھ

مکافات اور مومنین کے ساتھ مواسات فرماتے تھے۔ اپنے والدین کی نمازیں قضائے عمری کے طور پر ادا کیں۔

ورثۃ الانبیاء میں غفرانمآب کے شاگردوں میں ایک نام "فاضل مدقق لوذعی، مولوی حکیم سید احسان علی" کا لکھا ہے۔ چونکہ سید احسان علی بھیک پوری تقریباً ۱۲۵۲ھ میں لکھنؤ پہنچے تھے اور غفران مآب کا انتقال اس سے سترہ سال قبل ۱۲۳۵ھ میں ہو چکا تھا اس لئے جن احسان علی صاحب کو ان کا شاگرد لکھا گیا ہے وہ احسان علی بھیکپوری نہیں ہو سکتے۔

صاحب تذکرۂ بے بہا کے پاس تحفۃ الابرار تھی۔ لیکن ان مرحوم نے واقعات کے فاصلوں کو سنین[1] پر منطبق کرنے کی طرف توجہ نہ دی (جس طرح راقم الحروف نے مولانا سید علی بھیک پوری کے سوانح حیات کو لکھتے ہوئے کیا ہے) ورنہ ان سے یہ تسامح نہ ہوتا کہ انھوں نے احسان علی بھیک پوری کو غفران مآب کا شاگرد سمجھ لیا۔ چنانچہ انہوں نے تذکرۂ بے بہا (صفحہ ۱۰) پر اس سلسلہ میں یہ لکھا ہے: "وقت انتقال جناب غفران مآب علیہ الرحمہ مولانا کی عمر تقریباً ۱۹ سال کی تھی۔ اگر آپ ابتدائے بلوغ میں لکھنؤ پہنچے ہوں تو غفران مآب سے بھی کچھ پڑھا ہو اور تکمیل جناب علیین مکان سے کی ہو۔"

تذکرۂ بے بہا کا یہ اشتباہ دوسروں پر بھی اثر انداز ہوا۔ چنانچہ آغائے بزرگ تہرانی علیہ الرحمہ نے الکرام البررۃ جلد اول ص ۷ پر اور مولانا سید سلمان حیدر صاحب نے تذکرۃ الاتقیاء جلد دوم ص ۱۵۱ پر احسان علی شاگرد غفران مآب کو احسان علی بھیک پوری پر منطبق کیا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔

اولاد

آپ کے ایک فرزند مولوی سید علی رضا صاحب تھے جن کا ذکر اپنے محل پر آئے گا۔

---

[1] یہ سنہ کی جمع ہے۔

وفات

۱۲۷۳ھ/۷-۱۸۵۶ء میں اپنے وطن میں ہوئی۔

(تحفۃ الابرار، شجرۂ طیبہ از سعید اختر رضوی، تذکرۂ بے بہا، الکرام البررۃ، جلد اول ص ۷۰، مطلع انوار، تذکرۃ الاتقیاء)

احمد، حافظ

....../......

۱۳۴۲ھ/۴-۱۹۲۳ء

رسالہ اصلاح کی تحریر کے مطابق جناب حافظ احمد صاحب کلھاڑا بڑے ہی قابل اور حافظ قرآن تھے۔ ہروقت مناظرہ میں سینہ سپر رہتے تھے۔

آپ کا انتقال ۱۳۴۲ھ (۴-۱۹۲۳ء) میں ہوا۔

(اصلاح ج ۲۷، نمبر ۱۱، ذیقعدہ، سنہ ۱۳۴۲ھ)

احمد، سید

....../......

۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

جناب سید احمد صاحب، جناب ہادی الملۃ طاب ثراہ کے خلف اکبر تھے۔

آپ سلطان المدارس کے ممتاز اساتذہ میں تھے۔ مرحوم نے ۴رذیقعدہ ۱۳۹۲ھ (=۱۰ر دسمبر ۱۹۷۲ء) کو رحلت فرمائی۔ پسماندگان میں صرف بیٹیاں چھوڑی ہیں۔

(الجواد جنوری ۱۹۷۳ء)

احمد، سید، واعظ

آپ کا نام مدرسۃ الواعظین کے نتائج امتحانات سالانہ ۱۹۲۵ء کے درجہ دوم کے کامیاب طلباء میں ملتا ہے۔

(الواعظ جنوری ۱۹۲۶ء)

احمد، شیخ، دیوبندی

....../......

حدود ۱۳۱۸ھ/حدود ۱۹۰۰ء

آپ دیوبند کے عثمانی شیخ تھے۔ یہ لوگ تفضیلی عقیدہ رکھتے تھے۔ لیکن شیخ احمد دیوبندی نے اپنی تحقیق سے شیعہ مذہب اختیار کیا۔ آپ نے اپنے عقیدہ کی تبدیلی کے اسباب کو ظاہر کرنے کیلئے 'انوار الھدیٰ' لکھی۔ جس کے بعد تحریری مناظرہ کا دروازہ کھل گیا۔ اور بہت سے لوگوں نے طرفین سے مختلف رسالے لکھے۔ جن کی تفصیل (حوالوں کے ساتھ) پیش کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

آقائے بزرگ تہرانیؒ نے الذریعہ جلد اول نمبر ۱۷۳۴ پر، نیز طبقات اعلام الشیعہ جلد دوم میں انوار الھدیٰ کو شیخ احمد دیوبندی کی تصنیف لکھا ہے۔ نیز مطبع تصویر عالم لکھنؤ سے ایک کتاب صراط مستقیم (مصنفہ الحاج غلام علی اسمعیل مرحوم) ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے آخری صفحہ پر ان شیعہ کتب کی فہرست چھپی ہے جو مطبع مذکور سے مل سکتی تھیں۔ اس فہرست میں یہ دو نام نظر آتے ہیں جن کو میں بلفظہ نقل کرتا ہوں:

''انوار الھدیٰ'' اردو تصنیف مولوی شیخ احمد صاحب مرحوم اثناعشری

''نجم الھدیٰ'' اردو بجواب اسرار الھدیٰ۔ ہر ایک فقرہ کا جواب کتب اہل سنت سے دیا ہے۔ مصنفہ مولوی سید نجم الدین حسین۔''

یہاں اس طرف توجہ دلانی ضروری ہے کہ مندرجہ بالا اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرار الہدیٰ کسی سنی کی تصنیف تھی جس کے جواب میں شیعوں نے نجم الہدیٰ لکھی۔

تعجب ہوتا ہے کہ صاحب مطلع انوار نے شیخ احمد دیوبندی مرحوم کی فہرست تصانیف میں اسرار الہدیٰ جواب انوار الہدیٰ کو سر فہرست لکھا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ''میرے پاس اسرار الہدیٰ ہے۔'' کتاب کی موجودگی کے باوجود موصوف نے یہ نہ دیکھا کہ یہ سنی کی تصنیف شیعہ کی کتاب انوار الہدیٰ کے جواب میں ہے۔ حالانکہ خود موصوف نے اسی مطلع انوار میں دو صفحے کے بعد علامہ ہندی سید احمد صاحب اعلی اللہ مقامہ کے تصانیف میں ازہار الہدیٰ رد بر اسرار الہدیٰ کا نام لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسرار الہدیٰ مخالفین کی کتاب ہے۔ (افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑتا ہے کہ ایسے تسامحات مطلع انوار میں بہت سے ہیں)۔ بہر حال اب ہم آگے بڑھتے ہیں:

الذریعہ جلد بست و یکم نمبر ۵۰۸۱ پر معیار الہدیٰ فی رد اظہار الہدیٰ مندرج ہے اور یہ لکھا ہے کہ ''ایک سنی نے انوار الہدیٰ کے جواب میں اظہار الہدیٰ لکھی تھی جس کے جواب میں افتخار علی نے معیار الہدیٰ لکھی۔'' نیز خود جناب شیخ احمد دیوبندی نے اس اظہار الہدیٰ کے جواب میں شمس الضحیٰ برد اظہار الہدیٰ لکھی جو مطبع یوسفی دہلی میں ۳۴۸ صفحات پر اگست ۱۹۰۰ء میں چھپی۔ اس میں مصنف کو ''مرحوم مغفور اعلی اللہ مقامہ'' لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ احمد دیوبندی مرحوم ۱۹۰۰ء میں یا اسکے پہلے رحلت فرما چکے تھے۔

نجم الہدیٰ (جس کا ذکر اوپر آیا ہے) میرے کتب خانہ ریاض معارف میں موجود ہے۔ اسکے مصنف خاں بہادر سید نجم الحسن نقوی الحائری ہیں جو راجپوتانہ میں محکمۂ انسداد جنگل میں انسپکٹر تھے۔

نجم الہدیٰ کی تصنیف ۱۵ دسمبر ۱۸۹۳ء کو اجمیر میں تمام ہوئی اور یہ اسی سال اواخر ۱۳۱۱ھ میں مطبع دبدبۂ حیدری آگرہ میں چھپی۔ کتاب ۲+۲+۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے شروع میں لکھا ہے کہ ''اسرار الہدیٰ'' سید جوہر علی نے شیعوں کی رد میں لکھی تھی یہ اس کا جواب ہے۔

(ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ نجم الہدیٰ کے مصنف کا نام صراط مستقیم کے اشتہار میں سید نجم الحسن کے بجائے اشتباہاً سید نجم الدین حسین لکھ دیا گیا ہے۔)

مختصر یہ کہ سید جوہر علی سنی نے شیخ احمد دیوبندی مرحوم کی انوار الہدیٰ کے جواب میں اسرار الہدیٰ لکھی جس کے جوابات سید نجم الحسن نقوی نے نجم الہدیٰ اور علامہ ہندی نے ازہار الہدیٰ لکھ کر دیئے۔

افتخار علی کی معیار الہدیٰ کے جواب میں سنی مولوی جہانگیر خاں شکوہ آبادی نے پہلے ایک رسالہ لکھا پھر دوسرا رسالہ تذکرۃ الخلفاء المعروف بہ اخبار الہدیٰ کے نام سے لکھا۔ اس کے جواب میں افتخار علی مرحوم نے تنویر الہدیٰ لکھی جس کی پہلی جلد ۶ رشعبان ۱۳۱۴ھ کو پوری ہوئی اور مطبع یوسفی دہلی میں ۹۸ صفحہ پر ۱۳۱۶ھ میں چھپی۔

الذریعہ جلد ہشتم میں شیخ احمد صاحب مرحوم کی ایک اور تصنیف کا ذکر ملتا ہے: دلیل الحسنات فی اختلاف الفریقین فی الوضوء والصلوٰۃ۔

(الذریعہ جلد نہم و ہشتم و بست و یکم۔ طبقات اعلام الشیعہ جلد دوم، الکرام البررہ جلد اول ص ۷۳-۷۱، صراط مستقیم، مطلع انوار، نجم الہدیٰ)

احمد حسین، کجھوئی

مولوی حکیم سید احمد حسین صاحب کجھوئی صاحب علم وصاحب قلم تھے۔ چودہویں صدی کے چوتھے عشرے میں اور اس کے کچھ قبل و بعد ان کے عالمانہ مضامین رسالۂ اصلاح (کجھوا) میں شائع ہوتے تھے۔

آپ شاعر بھی تھے اور طبیب تخلص کرتے تھے۔

احمد حسین، سید، حکیم

حکیم مولانا سید احمد حسین صاحب موضع میر پور (ضلع مئو) کے رہنے والے تھے۔ مدرسہ ایمانیہ (بنارس) اور مدرسہ ناصریہ (جونپور) میں درس لے کر عالم کی سند حاصل کی۔ جناب شیخ محمد حسن نجفی طاب ثراہ کے ابتدائی دور میں مولانا ممدوح خوجہ شیعہ اثناعشری مسجد (بمبئی) میں امام جماعت رہے۔ پھر کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں تبلیغ کے فرائض انجام دیئے۔ وہاں امام جماعت بھی تھے اور طبابت بھی کرتے تھے۔ کاٹھیاواڑ ہی میں رحلت فرمائی۔

مولانا ممدوح نے کئی کتابیں لکھی تھیں جن میں جبل العارفین قابل ذکر ہے۔

(مولانا سید کرار حسین واعظ، میرپوری)

احمد سلطان، مرزا

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء

مرزا احمد سلطان مصطفوی چشتی گورگانی المتخلص بہ خاور آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے پرپوتے تھے۔ ان کے والد مرزا محمد مظفر بخت ابن مرزا محمد شاہرخ ابن ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر تھے۔

مرزا احمد سلطان اپنی تحقیق سے شیعہ ہوئے تھے۔ وہ ایک منفرد اسلوب تحریر کے بانی تھے جو انھیں کے ساتھ ختم ہوگیا۔ انھوں نے پچیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ وہ اپنے تصنیفات میں چونکا دینے والا انداز اختیار کرتے تھے اور بہ ظاہر مخالفین کی تائید کرتے ہوئے انہیں کی کتابوں سے ان کی بیخ کنی کردیتے تھے۔ ان کی اکثر کتابیں طبع ہوئیں۔ کئی رسالے رسالۂ اصلاح (کجھوا) میں بالاقساط شائع ہوئے اور بعد میں کتابی شکل میں علیحدہ طبع ہوئے۔

جن تصانیف کا نام راقم الحروف کو معلوم ہوسکا وہ حسب ذیل ہیں:

۱- ابطال عامل بحدیث
۲- سجدہ گاہ رسولؐ
۳- سیرۃ الصدیقۃ الکبریٰ
۴- عریضۂ خاور
۵- عذاب الباری علی صحیح البخاری
۶- اغلاط المسلمین
۷- العطیات فی بیان اقتدار النبی وثروتہ

٨- بفوات المسلمین

٩- تادیب الجائین- ٢ حصے (پہلا حصہ ١٥٦ صفحہ پر تمام ہوا)۔
بفوات المسلمین کے جواب میں مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ دوم قادیان نے ''حق الیقین'' نام کا رسالہ لکھا۔ تادیب الجائین اسی کا جواب ہے۔

١٠- بفوات الصالحین

١١- صفات المامومین

١٢- مناظرہ رافضی بارافضی

١٣- مناظرہ حیدرآباد دکن

١٤- اہل حدیث پر لے دے۔

١٥- امامت

١٦- نظم گراں مایہ

١٧- تحریر الخیرہ

١٨- التحدیث

١٩- یادرسولؐ

٢٠- یادگار حسین

٢١- تضحیف الکاتبین

٢٢- تنزیہ الانساب- ٢ حصے۔

یہ بہت ہی اہم اور دلچسپ کتاب ہے جسے مرزا صاحب نے شائع کراتے وقت یہ لکھا تھا کہ یہ کتاب ان کے پیر بھائی مولوی محمد مادہ عالم چشتی حنفی کی تصنیف ہے جسے وہ بعد تنقیح شائع کر

رہے ہیں۔ لیکن راقم الحروف کو ظن قریب بہ یقین ہے کہ یہ خود انہیں کی تصنیف ہے۔ (اتنا لکھنے کے برسوں بعد اصلاح جلد ٣٥ نمبر ١ ص ٨ پر یہ الفاظ نظر آئے: ''جناب مولوی شاہزادہ مرزا احمد سلطان صاحب چشتی دہلوی مصنف تنزیہ الانساب وغیرہ۔'')

٢٣- مناظرہ دہلی۔ (یہ تنزیہ الانساب کا خلاصہ ہے۔)

٢٤- مناظرہ منیریہ۔

آخر الذکر دونوں کتابوں کا تذکرہ الذریعہ میں ملتا ہے۔

١٥-١٦-١٧-١٨ نمبر کی کتابوں کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا کہ وہ طبع ہوئی تھیں یا نہیں۔ باقی سب کتابیں مطبوعہ ہیں۔

ممدوح نے ٢٣ ذی الحجہ ١٣٥٠ھ کو رحلت فرمائی جیسا کہ اصلاح جلد ٦ ٣ نمبر ایک، ماہ محرم الحرام ١٣٥١ھ سے معلوم ہوا۔ تقویم کے لحاظ سے یہ تاریخ یکم مئی ١٩٣٢ء کے مطابق تھی۔

احمد علی، الہ آبادی

١٤١١ھ/١٩٩١ء

مولانا احمد علی صاحب موضع مصطفےٰ آباد ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ وطن میں ہندی اور انگریزی پڑھی پھر علم دین کی تحصیل کے شوق میں ١٩٣٣ء میں مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں داخل ہوئے۔ پھر جامع العلوم جوادیہ (بنارس) میں داخلہ لیا جہاں سے فخر الافاضل کی سند حاصل کی۔ جوادیہ

سے فارغ ہوتے ہی وہیں بطور مدرس کام کرنا شروع کیا اور آخر عمر تک وہیں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۳ء سے ماہنامہ الجواد (بنارس) کے مدیر بھی رہے۔ شعر و سخن کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔

مولانا احمد علی نے مختصری علالت میں ۱۱ رجون ۱۹۹۱ء (۲۴ رذی الحجہ ۱۴۱۱ھ) کو داعی اجل کو لبیک کہا۔
(الجواد جلد ۳۲ نمبر ۸ - اگست ۱۹۹۱ء)

احمد علی، ملا، کشمیری

یہ ملا محمد علی پادشاہ کشمیری فیض آبادی کے صاحبزادے تھے۔ نجوم السماء ص ۳۰۱ میں لکھا ہے کہ ملا احمد علی بھی علم و حلم کے زیور سے آراستہ تھے۔ نیز یہ کہ آپ کے دو فرزند تھے: (۱) ملا محسن جن کی قبر آغا ابو طالب خاں کے امام باڑے میں ہے اور (۲) ملا محمد تقی جن کی اولاد آج بھی (یعنی ۱۲۸۶ھ میں جو نجوم السماء کا سنہ تالیف ہے) موجود ہے۔

(نجوم السماء - اکرام البررة، ج اول ص ۱۳۰)

اختر حسین، سید، کجھوئی

حدود ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء
۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء

سید اختر حسین نقوی کجھوئی فخر الحکماء سید علی اظہر صاحب طاب ثراہ کے چھوٹے بیٹے تھے۔
عنفوان شباب ہی میں ۱۶ سال چند ماہ کی عمر میں ۷ رصفر ۱۳۴۷ھ (=۲۶ رجولائی ۱۹۲۸ء) میں اس

دار فنا سے عالم بقا کی طرف سدھارے۔

اس مختصری عمر میں چار کتابیں دفاع شیعیت میں لکھیں:

۱۔ الوصی۔ دو جلدوں میں۔ اس میں الوقاص مولفہ عبد الرزاق عارف جبل پوری کا جواب دیا گیا ہے۔ پہلی جلد رسالۂ اصلاح نمبر ۶ تا ۹ (جمادی الاخر تا رمضان ۱۳۳۹ میں)۔ جو یکجائی شائع ہوا تھا۔ کتابی شکل میں چھپی۔ دوسری جلد بہت بعد میں اسی رسالہ میں کتابی شکل میں چھپی۔

۲۔ الزلزال لصاحب الزلزال۔ عبد الشکور مدیر النجم لکھنؤ کے جواب میں مناظرۂ امروہہ سے متعلق۔ رسالۂ اصلاح ربیع الثانی و جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ میں کتابی شکل میں چھپی۔ یہ دونوں کتابیں مصنف ممدوح نے نو دس سال کی عمر میں لکھی تھیں۔

۳۔ فتنۂ شبلی۔ شبلی نعمانی نے امیر المومنین پر معاذ اللہ شرب خمر کا الزام لگایا تھا اس کا مفصل جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

۴۔ فتح الرحمان۔ بحث تقیہ میں۔

علاوہ بریں رسالۂ الکلام (کجھوہ) کے ایڈیٹر بھی رہے۔ نیز اصلاح ماہ جمادی الاولی ۱۳۴۱ھ کے سرورق پر ان کا نام بطور ایڈیٹر درج تھا۔

اختر علی، تلہری

۷-۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء

/

مولانا سید اختر علی تلہری ابن سید اکبر علی صاحب تلہر ضلع شاہ جہاں پور میں ۱۸۹۹ء (۷-۱۳۱۶ھ) میں پیدا ہوئے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ عالیہ رام پور میں داخل ہوئے جہاں آپ کا شمار ممتاز طلبہ میں رہا۔ وہاں سے ۱۹۱۶ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۷ء میں درس نظامی کے اعلیٰ درجہ کی سند حاصل کی۔ ۱۹۱۸ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۱۹ء میں سرکاری محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کی اور گورنمنٹ ہائی اسکول (ہمیر پور) میں پوسٹنگ ہوئی۔ ۱۹۳۱ء دوران ملازمت میں ہی انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کا تبادلہ جوبلی انٹر کالج لکھنؤ میں ہوگیا۔

تصانیف

آپ کے بلند پایہ علمی وادبی مضامین سرفراز (لکھنؤ)، ادب، نگار، زمانہ (کانپور) اور الحکیم وغیرہ میں برابر شائع ہوتے رہے۔ ان کے علاوہ آپ نے (۱) اثبات عظیم لکھی جس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ دوسرے تصانیف ہیں: (۲) رسول کی پاکدامنی (۳) شہادت عظمیٰ اور (۴) اسلامی جہاد وغیرہ۔

قومی امور سے کافی دلچسپی رکھتے تھے اور آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی مرکزی کمیٹی کے ممبر تھے۔ آپ شاعر بھی تھے اور اختر تخلص کرتے تھے۔

(انجمن وظیفہ سادات ومومنین سلور جوبلی نمبر
نیز اصلاح جلد ۲۰ نمبر ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ)

اختر عباس نجفی، شیخ الجامعہ

۱۳۴۱ / ۱۹۲۳ء

۱۴۲۰ / ۱۹۹۹ء

شیخ الجامعہ علامہ اختر عباس نجفی پنجاب کے علاقہ کوٹ ادو کے ایک نواحی گاؤں چاہ کوراتی والا (منہاس شریف) میں پیدا ہوئے تھے مشہور ہے کہ آپ ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن ان کے اہل خاندان کی روایت کے بموجب خود انھوں نے اپنا سنہ پیدائش ۱۹۲۳ء بتایا تھا اس لئے ہم نے اوپر ۱۹۲۳ء لکھا ہے۔

آپ بلوچ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد صدیق محمد خاں اپنی ذاتی تحقیق سے مذہب شیعہ اختیار کر چکے تھے۔ ان کے تینوں بیٹے علم دین حاصل کرنے کے لئے متوجہ ہوئے، بڑے فرزند تھے محمد بخش باقری جو قم میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے کر محرم ۱۴۰۹ھ میں راہی جنت ہوئے۔ دوسرے تھے عابد حسین جو نوجوانی میں دوران تعلیم نجف اشرف میں رحلت کر گئے۔ تیسرے تھے احمد بخش جنھوں نے ۱۹۳۹ء میں اختر عباس نام اختیار کیا۔

۱۹۳۸ء میں مڈل کا امتحان پاس کرکے علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے ملتان آئے اور مدرسہ باب العلوم میں داخلہ لیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد استاد العلماء مولانا سید محمد باقر چکڑالوی کے خاص شاگردوں میں شامل ہوئے۔

ان کے تحقیق پسند مزاج نے ان کو دوسرے مکاتب فکر کے نظریات کو سمجھنے پر آمادہ کیا چنانچہ ۱۹۴۰ء میں بریلوی مکتب فکر کی ایک درسگاہ میں پہنچے پھر دیوبندی مکتب فکر کے مولانا عبد الخالق کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں کے ہمراہ دیوبند بھی گئے جہاں مولانا اعزاز علی امروہی اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے کسب علم کیا پھر وہاں سے واپس آئے اور شیعہ مذہب کے

شخصیت

احباب میں بیٹھے ہوتے تو ہر موضوع پر گفتگو کرتے۔ تنہا ہوتے تو کبھی تلاوت قرآن مجید فرماتے کبھی علمی وادبی کتابوں کے مطالعہ میں غرق رہتے یا تحریر و ترجمہ میں مشغول رہتے آپ کو عربی، فارسی، اردو اور پنجابی زبانوں پر عبور حاصل تھا سرائیکی تو مادری زبان تھی۔ ساری زندگی علم و تدریس سے وابستہ رہے لیکن دین کو حصول معاش کا ذریعہ نہ بنایا ابتدائی تعلیم کے دوران لاہور میں ایک ٹین فیکٹری میں مزدوری کی بعد میں نجف، لاہور اور قم جہاں بھی گئے کتابوں کی دوکان کھول کر گذارہ کرتے رہے۔

تراجم

آپ نے خود کوئی کتاب لکھنے کے بجائے تراجم کی طرف زیادہ توجہ کی۔ آپ کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

مفاتیح الجنان (شیخ عباس قمی)، فضائل پنجتن پاک ۳ جلدوں میں (فضائل الخمسۃ از آیۃ اللہ مرتضی فیروز آبادی)، آموزش دین چار جلدوں میں (از آیۃ اللہ ابراہیم امینی) فاطمۃ الزہراؑ ۔ اسلام کی مثالی خاتون (از ابراہیم امینی) خودسازی (از ابراہیم امینی) قیام مختار (از آیۃ اللہ اردکانی) علم قضاوت پر آیۃ اللہ سید محمد مہدی شیرازی کی مندرجہ ذیل کتب کا اردو ترجمہ کیا۔ کتاب القضاء (دو جلدیں) الشہادات، کتاب الدیات، کتاب الحدود و التعزیرات وضعداری کا یہ عالم تھا کہ تقریباً چالیس سال قبل وزیر آباد اور سیالکوٹ میں عشرہ محرم کی مجلسیں پڑھنی شروع کیں اور انہیں شہروں میں عشرہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ ۱۹۹۴ء سے عارضہ قلب میں مبتلا تھے اور اب عشرہ پڑھنے سے خود کو معذور سمجھ رہے تھے لیکن وزیر آباد و سیالکوٹ کے مومنین کے انتہائی اصرار پر وہاں

تشریف لے گئے۔ ۸ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ کی شام سیالکوٹ میں مجلس پڑھنے کے بعد وزیر آباد تشریف لے گئے اور نویں محرم کی شب میں وہاں پر مجلس عزا سے خطاب کیا۔ وہیں نویں محرم الحرام مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۹۹ء بروز دوشنبہ نماز صبح کے لئے وضو کرتے ہوئے آخری مسح کے دوران حرکت قلب بند ہوگئی۔

وزیر آباد میں مولانا موسیٰ بیگ نے نماز جنازہ پڑھائی پھر سیالکوٹ میں مولانا فیض کرپالوی نے نماز جنازہ عین اسی وقت اور اسی مقام پر پڑھائی جہاں سالہا سال سے علامہ مرحوم خطاب فرمایا کرتے تھے۔ روز عاشوراء جامعۃ المنتظر لاہور میں آپ کی نماز جنازہ حافظ ریاض حسین صاحب نجفی نے پڑھائی اور آپ کو عین اذانِ ظہر عاشورا کے وقت جامعۃ المنتظر لاہور میں سپرد خاک کیا گیا۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے۔ چند مشہور نام حسب ذیل ہیں: آیۃ اللہ بشیر حسین نجفی (نجف اشرف) علامہ سید صفدر حسین نجفی، حافظ سید ریاض حسین نجفی (پرنسپل جامعۃ المنتظر لاہور) ملک اعجاز حسین نجفی (پرنسپل دار العلوم جعفریہ، خوشاب)، شیخ محمد شفیع نجفی (لاہور)، مولانا ظفر عباس (متحدہ عرب امارات) وغیرہم۔

(ماہنامہ المنتظر لاہور، جون ۱۹۹۹ء)

اسمٰعیل حسین

آپ گریجویٹ تھے۔ جب مدرسۃ الواعظین قائم ہوا تو آپ نے کمال تدین اور جوش ایمانی سے تمام دنیاوی منافع کو خیر باد کہہ کر مدرسۂ مذکور میں داخلہ لے لیا۔ الواعظ میں ۱۹۲۵ء کے نتائج امتحانات میں آپ کا نام نامی موجود ہے۔

اسماعیل، میرزا

مولانا حکیم میرزا اسماعیل (جن کا تعارف ورثۃ الانبیاء میں ''مبلغ دردکن'' کے طور پر کیا گیا ہے) غفران مآب سید دلدار علی (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے شاگرد تھے۔ سید مہدی ابن سید نجف علی عظیم آبادی رسول پوری نے تذکرۃ العلماء المحققین میں ان کے لئے ''ذکی جلیل'' کے القاب لکھے ہیں اور یہ تحریر کیا ہے کہ ایک عرصہ تک غفران مآب سے استفادہ کرنے کے بعد مشاہد مقدسہ کے زیارات سے مشرف ہوئے اور واپسی کے بعد حیدرآباد دکن میں مقیم ہو گئے۔

(ورثۃ الانبیاء۔ الکرام البررۃ ج ص ۷ ۱۳
تذکرۃ العلماء المحققین مخطوطہ)

اشفاق عباس، سید

مولوی سید اشفاق عباس صاحب کا نام رسالۂ اصلاح ماہ رمضان ۵۲ ۱۳ھ میں ملتا ہے جہاں آپ کو ممتاز الافاضل لکھا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کسی گورنمنٹ ہائی اسکول میں مدرس تھے۔

اصغر حسین، سید، حیدرآبادی

۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء
۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء

مولانا سید اصغر حسین صاحب (عرف اچھو میاں) مولانا سید زین العابدین صاحب کے بڑے فرزند تھے۔ ۱۳۳۳ھ میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ خود والد بزرگوار نے علم دین کے ابتدائی مراحل طے کرائے۔ پھر مولانا آقا محسن صاحب اور مولانا میرن صاحب کی شاگردی اختیار کی جہاں اعلیٰ مدارج طے کئے۔ اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مسجد جعفری کی امامت جمعہ و جماعات کی ذمہ داری آپ پر پڑی اور آخر وقت تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔

آپ نے عتبات عالیات کی زیارت کا بھی شرف حاصل کیا تھا۔

مولانا زندگی بھر نشر و اشاعت علوم دینیہ میں مصروف رہے۔ ہر طبقہ اور ہر مذہب و ملت میں ہر دلعزیز رہے۔ آپ کے جود و کرم کے انداز میں سیرت ائمہ کی پیروی بہت نمایاں تھی۔ ایک ہاتھ سے دیتے تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہوتی۔ امداد پانے والوں میں بیواؤں اور یتیموں کی تعداد زیادہ تھی۔ عوام کو اس داد و دہش کا پتہ اس وقت چلا جب وہ مستحقین روتے پیٹتے آ کر جنازے میں شریک ہوئے۔

مولانا دکنی تہذیب کے نمائندے تھے۔ لب و لہجہ بھی دکنی تھا۔ مجلس بھی اسی زبان میں سیدھے سادے طریقے سے پڑھتے تھے لیکن زبان میں بہت اثر تھا جو خلوص کا نتیجہ تھا۔ آپ کے دل اور زبان میں فرق نہ تھا۔ جو دل میں ہوتا وہی زبان پر آتا تھا۔

ستر سال کی عمر پا کر ۲۱/ جمادی الاولی ۱۴۰۳ھ (=۶/ مارچ ۱۹۸۳ء) کو دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کے انتقال کی خبر سن کر ہندو مسلمان، شیعہ اور سنی تاجروں نے اپنی دوکانیں بند کر دیں اور

اسمٰعیل حسین

آپ گریجویٹ تھے۔ جب مدرسۃ الواعظین قائم ہوا تو آپ نے کمال تدین اور جوش ایمانی سے تمام دنیاوی منافع کو خیر باد کہہ کر مدرسہ مذکور میں داخلہ لے لیا۔ الواعظ میں ۱۹۲۵ء کے نتائج امتحانات میں آپ کا نام نامی موجود ہے۔

اسماعیل، میرزا

مولانا حکیم میرزا اسماعیل (جن کا تعارف ورثۃ الانبیاء میں ''مبلغ دردکن'' کے طور پر کیا گیا ہے) غفران مآب سید دلدار علی (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے شاگرد تھے۔ سید مہدی ابن سید نجف علی عظیم آبادی رسول پوری نے تذکرۃ العلماء المحققین میں ان کے لئے ''ذکی جلیل'' کے القاب لکھے ہیں اور یہ تحریر کیا ہے کہ ایک عرصہ تک غفران مآب سے استفادہ کرنے کے بعد مشاہد مقدسہ کے زیارات سے مشرف ہوئے اور واپسی کے بعد حیدرآباد دکن میں مقیم ہوگئے۔

(ورثۃ الانبیاء - الکرام البررۃ ج ص ۱۳۷
تذکرۃ العلماء المحققین مخطوطہ)

اشفاق عباس، سید

مولوی سید اشفاق عباس صاحب کا نام رسالۂ اصلاح ماہ رمضان ۱۳۵۲ھ میں ملتا ہے جہاں آپ کو ممتاز الافاضل لکھا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کسی گورنمنٹ ہائی اسکول میں مدرس تھے۔

اصغر حسین، سید، حیدرآبادی

۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء
۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء

مولانا سید اصغر حسین صاحب (عرف اچھو میاں) مولانا سید زین العابدین صاحب کے بڑے فرزند تھے۔ ۱۳۳۳ھ میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ خود والد بزرگوار نے علم دین کے ابتدائی مراحل طے کرائے۔ پھر مولانا آقا محسن صاحب اور مولانا میرن صاحب کی شاگردی اختیار کی جہاں اعلیٰ مدارج طے کئے۔ اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مسجد جعفری کی امامت جمعہ و جماعات کی ذمہ داری آپ پر پڑی اور آخر وقت تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔

آپ نے عتبات عالیات کی زیارت کا بھی شرف حاصل کیا تھا۔

مولانا زندگی بھر نشر و اشاعت علوم دینیہ میں مصروف رہے۔ ہر طبقہ اور ہر مذہب و ملت میں ہردلعزیز رہے۔ آپ کے جود و کرم کے انداز میں سیرت ائمہ کی پیروی بہت نمایاں تھی۔ ایک ہاتھ سے دیتے تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہوتی۔ امداد پانے والوں میں بیواؤں اور یتیموں کی تعداد زیادہ تھی۔ عوام کو اس داد و دہش کا پتہ اس وقت چلا جب وہ مستحقین روتے پیٹتے آکر جنازے میں شریک ہوئے۔

مولانا دکنی تہذیب کے نمائندے تھے۔ لب و لہجہ بھی دکنی تھا۔ مجلس بھی اسی زبان میں سیدھے سادے طریقے سے پڑھتے تھے لیکن زبان میں بہت اثر تھا جو خلوص کا نتیجہ تھا۔ آپ کے دل اور زبان میں فرق نہ تھا۔ جو دل میں ہوتا وہی زبان پر آتا تھا۔

ستر سال کی عمر پا کر ۲۱ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ (=۶ / مارچ ۱۹۸۳ء) کو دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کے انتقال کی خبر سن کر ہندو مسلمان، شیعہ اور سنی تاجروں نے اپنی دوکانیں بند کردیں اور

شریک جنازہ ہوئے۔

(راحت عزمی و سید نعمۃ اللہ موسوی)

اصغر علی ملا، ایم ایم جعفر

ح ۱۳۵۵/۱۹۳۶

۱۴۲۰/۲۰۰۰

الحاج ملا اصغر علی ملا محمد جعفر کے فرزند اکبر اور مشہور صاحب قلم ملا محمد جعفر شریف دیوجی کے نواسے تھے۔ ان کے والد بھی صاحب علم اور ذاکر اہلبیت تھے۔ ملا اصغر علی حدود ۱۳۵۵/۱۹۳۶ میں ممباسا (کینیا) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے دینی تعلیم گھر پر حاصل کی اور سکنڈری ایجوکیشن میں ممتاز نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ ان کا ایک مضمون عربی تھا اور اس میں انھوں نے کافی مہارت حاصل کرلی۔ فارسی اور اردو فیض پنجتنی (ممباسا) کے مدرسہ میں حاصل کی مطالعہ بہت وسیع تھا اور حافظہ قوی، وہ انگریزی، سواحلی، اردو، عربی، فارسی اور گجراتی زبانوں میں اس طرح تقریر کرتے تھے کہ مجمع مسحور ہوجاتا تھا۔ ان کی اس خصوصیت کی وجہ سے ان کے بعض سوانح نگاروں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ انھوں نے ہندوستان کے دینی مدارس (ناظمیہ اور باب العلم نوگانواں) میں تعلیم حاصل کی تھی لیکن اس امر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ابتدائے جوانی سے قومی اور سماجی خدمات کا ذوق اور لگن تھی۔ ممباسا کی خوجہ شیعہ اثنا عشری جماعت کے رکن رہے پھر سکریٹری اور آخر میں صدر ہوئے جب الحاج محمد علی میگھجی افریقہ کی خوجہ شیعہ

اثنا عشری کاؤنسل کے صدر ہوئے تو انھوں نے ملا اصغر کو اس کا سکریٹری بنایا۔ تین سال بعد وہ نائب صدر ہوئے اور میگھجی مرحوم کے انتقال پر انھوں نے کرسیٔ صدارت سنبھالی۔ سپریم کاؤنسل کے ذریعہ انھوں نے نہ صرف پورے افریقہ کی خوجہ جماعتوں کی سرپرستی کی بلکہ ہندو پاکستان نیز عراق وایران کے مومنین وسادات کی بھی دستگیری کی۔

۱۹۸۳ میں وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ عراق وایران کی زیارتوں کیلئے گئے۔ عراق سے روانگی کے وقت بغداد کے ایرپورٹ پر دونوں کو گرفتار کرلیا گیا اور تقریباً ساڑھے چار مہینے تک دونوں کو علیحدہ قید خانوں میں رکھا گیا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ قید خانہ کی روداد انھوں نے ایک انگریزی کتابچہ "I was Saddam's Prisoner" میں ابو جمیلہ کے نام سے لکھی ہے اور اکثر زبانی تفصیلات بھی بتایا کرتے تھے۔ ساڑھے چار مہینے کے بعد دونوں کو برٹش ایرویز کے ہوائی جہاز میں بٹھا کر لندن بھیجدیا گیا۔

اب وہ لندن ہی میں مقیم ہوگئے۔ اور یہاں ان کی تنظیمی صلاحیتوں کا پوری طرح مظاہرہ ہوا۔

ورلڈ فیڈریشن: انھوں نے تمام دنیا کی خوجہ جماعتوں کو متحد کرنے کیلئے ورلڈ فیڈریشن آف خوجہ شیعہ اثنا عشری مسلم کمیونیٹیز قائم کی۔ اس کی تاسیس سے لے کر اپنی زندگی کے آخر تک (درمیان کے تین برسوں کو چھوڑ کر) وہ اس کے صدر رہے۔ ورلڈ فیڈریشن کی جانب سے انھوں نے بہت اہم خدمات انجام دیئے۔

مدرسۃ الامام الخوئی کی تاسیس کی۔ سہم امام و سہم سادات اور دوسرے حقوق شرعیہ اور تبرعات کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوشش کی اور اس کے ذریعہ غریب سادات اور دوسرے غریب مومنین کی امداد و اعانت کی۔ خاص طور سے ہندوستان و پاکستان میں ان کے لئے مکانات بنوائے، لڑکیوں کی شادیوں میں اعانت کی، اجتماعی شادیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ زینبیہ چائلڈ اسپانسرشپ اسکیم کے

ذریعہ ایسے بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا جو ناداری کی وجہ سے اسکولوں میں جانے سے معذور تھے اور ان کو اعلیٰ درجات تک پہنچایا۔ مدارس دینیہ کی بھرپور کمک کی ان کے اساتذہ اور طلبہ کو معقول وظائف دیئے۔ مدارس اور لائبریوں کی عمارتوں کی تجدید یا تعمیر میں پوری طرح حصہ لیا۔ مساجد اور امام باڑوں کی تعمیر و تجدید کی۔ سہم امام کا جو حصہ مراجع تک پہونچاتا تھا۔ وہ ان تک پہونچایا یا انکی ہدایت پر دوسرے ملکوں کے دینی و رفاہی مراکز پر صرف کیا۔

ان سب وجوہ سے پوری شیعہ دنیا ان کو محبت اور عقیدت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ عوام مومنین کے علاوہ علمائے کرام ان کی بہت عزت کرتے تھے خواہ وہ عراق و ایران کے ہوں یا ہندو پاک کے رہنے والے ہوں یا یوروپ اور امریکا میں مقیم ہوں۔

ان کی تحریک اور ہمت افزائی سے افریقہ کی سپریم کاؤنسل کے نہج پر گجرات فیڈریشن اور کچھ کاؤنسل قائم ہوئی اسی طرح یوروپ کے تمام اداروں کی یونین بنی۔

ان پر ایک مرتبہ دل کا دورہ پڑ چکا تھا۔ ان سے کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے اوپر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں لیکن انھوں نے کبھی اس پر توجہ نہ کی۔ ۱۴ر ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ/۲۱ر مارچ ۲۰۰۰ء کو ورلڈ فیڈریشن کے دفتر میں بیٹھے تھے کہ دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا۔ فوراً اسپتال پہنچایا گیا لیکن قبل اس کے کہ کوئی طبی امداد دی جائے وہ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

عالمی پیمانے پر ہر جگہ مقامی زبانوں میں یا انگریزی میں قرآن مجید اور ضروری دینی لٹریچر فراہم کرنا اور ان مقامات پر مدرسین اور علماء کو معین کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

ان کی زیر سرپرستی بوسنیا کی زبان میں بھی چند کتابچے ترجمہ کئے گئے (جو ابھی غالبًا غیر مطبوعہ ہیں۔)

قید خانہ کی روداد والے کتابچے کے علاوہ انھوں نے تین کتابچے اور لکھے تھے۔

(1) Outline of Shi'a Ithna-ashari History in East Africa

(2) To Thee I bequeeth

(3) Marriage : A step towards Fulfilment of life (with Dr. A. G. N. Lakha)

(ذاتی معلومات)

(ریحان کے دادا)

اظہار الحسنین، سید، عشروی

۸-۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء
۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء

مولانا سید اظہار الحسنین ابن سید غلام حسنین صاحب مرحوم عشری خرد ضلع سارن (اب سیوان) کے رہنے والے تھے اور وہیں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے (جو تقویم کے حساب سے رمضان ۱۳۱۷ سے شوال ۱۳۱۸ھ کے مطابق تھا)۔ آپ جناب حکیم سید محمد بشیر صاحب مرحوم اور جناب مولوی سید حامد حسین صاحب عشروی کے چھوٹے بھائی تھے۔ بچپن ہی میں والدین کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ چچا نے مثل اولاد کے پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کر کے مدرسۂ اسلامیہ (کجھوہ) میں داخل ہوئے۔ پھر سلطان المدارس پہنچے جہاں سے صدر الافاضل کی سند فرسٹ ڈویژن میں حاصل کی۔ مولانا کے اساتذہ میں آقائی ناصر الملۃ، آقائی نجم العلماء، آقائی باقر العلوم اور آقائی محمد رضا فلسفی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ آپ کے شرکاء درس میں مولانا محمد مصطفےٰ جوہر، مولانا شیخ جواد حسین، مولانا الطاف حسین، مولانا محمد عادل، مولانا ممتاز حسین اور مفتی خادم حسین اعلی اللہ مقامہم شامل تھے۔

مدرسۃ الواعظین

سلطان المدارس کے بعد آپ مدرسۃ الواعظین میں داخل ہوئے جہاں سے ۱۹۲۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس مدرسہ میں آپ کے معاصرین تھے: علامہ حافظ کفایت حسین، مولانا انیس الحسن رضوی اور مرزا یوسف حسین صاحب طاب ثراہم۔

مدرسۃ الواعظین کی طرف سے پہلے بہار اور اوڑیسہ میں تبلیغ کیلئے مقرر کئے گئے۔ پھر ۱۹۳۰ء میں مڈاگاسکر اور مشرقی افریقہ بھیجے گئے۔ ۱۹۳۵ء میں وہاں سے واپس آکر مدرسہ اسلامیہ کھجوہ میں پرنسپل ہوئے۔ جہاں مولانا سید مجتبیٰ حسن کاموں پوری آپ کے نائب پرنسپل رہے۔ قیام کھجوہ کے دوران آپ نے مولانا سید علی حیدر صاحب (مدیر اصلاح) کے ساتھ کتابوں کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ اور ماہنامہ الشمس کو دوبارہ جاری کیا۔ یہ رسالہ فخر الحکماء سید علی اظہر صاحب طاب ثراہ کے دوسرے فرزند مولوی سید محمد حیدر صاحب مرحوم نے عبد الشکور کاکوروی کے رسالہ النجم کے جواب میں نکالنا شروع کیا تھا۔ (النجم کے مقابلے میں الشمس کی لطافت قابل توجہ ہے) اور بعد میں آریوں کے اخبار مسافر کے جوابات بھی اس میں شائع ہوتے رہے۔ سید محمد حیدر صاحب کے انتقال کے بعد الشمس تقریباً بند ہو چکا تھا جسے مولانا سید اظہار الحسنین صاحب نے حیات نو عطا کی۔

آپ اس میں صدر المفسرین مولانا سید راحت حسین صاحب، گوپال پوری طاب ثراہ کی تفسیر انوار القرآن ہر ماہ بالاقساط شائع کرتے رہے۔ مقدمہ انوار القرآن اور تفسیر سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ کی تفسیر (قریب بہ آخر تک) اس میں چھپی (پھر ۱۹۳۱ء سے صدر المفسرین نے اسے اپنے دستی پریس میں طبع کرا کے گوپال پور سے شائع کرنا شروع کیا)۔

مولانا اظہار الحسنین صاحب تقسیم ہند کے قبل کراچی چلے گئے۔ ۱۹۴۸ء میں مفتی خادم حسین

صاحب مرحوم کے تعاون سے (جو مدرسۃ الواعظین کے ساتھی اور خیر پور میرس میں مقیم تھے) خیر پور میں سلطان المدارس قائم کیا اور وہیں پر نسیم امروہوی کے ساتھ مل کر ایک پریس قائم کیا۔

کچھ عرصہ تک آپ مدرسۃ الواعظین (کراچی) کے پرنسپل رہے جسے ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن امروہوی نے قائم کیا تھا۔ علامہ رشید ترابی نے حسینیہ سجادیہ کراچی میں قائم کیا تو اس کی امامت جماعت آپ کے سپرد ہوئی۔

آپ نے تبلیغ دین کو اپنا شعار اور درس و تدریس کو اپنا مشغلہ قرار دیا تھا اور خدمت مذہب کو اپنا نصب العین بنایا تھا۔

تلامذہ

مولانا سید جواد الاصغر صاحب، مولانا یٰسین صاحب مرحوم، مولانا سید ضمیر الحسن صاحب مرحوم، مولانا سید سبط احمد صاحب مرحوم، مولانا شیخ عارف حسین صاحب مرحوم آپ کے تلامذہ میں شامل تھے۔

آخر میں حیدرآباد (سندھ) میں سکونت اختیار کی اور مختلف مساجد میں خدمات انجام دیتے رہے۔

مختصری علالت کے بعد ۵ صفر المظفر ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو خالق حقیقی کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔

اولاد

آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی حیات ہیں۔ بیٹوں کے نام ہیں: سید تمیز حسنین، سید ناظر الحسنین اور سید مرغوب حسن۔ مولوی سید تمیز حسنین صاحب گورنمنٹ کالج (حیدرآباد، سندھ) میں

لیکچر رہیں۔ فی الحال لمبی چھٹی لے کر نیوجرسی (امریکہ) میں تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا اظہار الحسنین صاحب کی اہلیہ راقم الحروف کے والد ماجد کی حقیقی ماموں زاد بہن تھیں۔

(الواعظ، انجمن وظیفہ سادات و مومنین سلور جوبلی نمبر، مولانا تمیز حسنین، ذاتی معلومات)

اعجاز حسین، سید، ڈاکٹر

۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء
۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

خان بہادر ڈاکٹر سید اعجاز حسین صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی مولانا سید محمد حسین صاحب (متوفی ۱۹۳۲ء) کے فرزند تھے۔ آپ وطن مالوف مظفر پور (بہار) میں اپریل ۱۸۸۴ء (=۱۳۰۱ھ) میں پیدا ہوئے۔ آپ مشرقی اور مغربی دونوں شعبہ ہائے علم میں درجۂ کمال پر فائز تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) میں تحصیل کی۔ اسکے بعد وثیقہ عربی اسکول (فیض آباد) میں داخل ہوئے اور تعلیم عربی و فارسی کے آخری مراحل سلطان المدارس میں طے کئے۔ وہیں سے ۱۹۱۵ء میں ملا فاضل کا امتحان دیا۔ ۱۹۱۹ء میں محکمہ تعلیم (بہار) میں ملازم ہوئے اور گورنمنٹ اسکول مظفر پور میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ دوران ملازمت انگریزی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۲۰ء میں میٹرک، ۱۹۲۵ء میں ایف۔ اے اور ۱۹۲۸ء میں بی۔ اے کے امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۳۰ء میں ڈاکٹریٹ کیلئے لندن گئے اور ۱۹۳۲ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند لے کر واپس آئے۔ ۱۹۳۳ء میں حکومت نے آپ کو امام بارگاہ ہوگلی (بنگال) کے وقف محسنیہ کا متولی مقرر کیا۔ ۱۹۳۷ء میں آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا۔

تقسیم ہند کے بعد آپ مشرقی پاکستان تشریف لے گئے اور ڈھاکہ میں مقیم ہوئے۔ جہاں آپ ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے صدر تھے۔

جب مشرقی پاکستان بنگلا دیش ہوگیا تو آپ کراچی تشریف لے گئے اور عمر کے آخری حصہ تک قومی فعالیتوں میں حصہ لیتے رہے۔ آپ ایک عرصہ تک اسلامک لاء کمیشن کے ممبر رہے۔ آپ نے ۱۹۷۶ء میں وفات پائی اور کراچی میں دفن ہوئے۔

(انجمن وظیفہ سادات و مومنین سلور جوبلی نمبر، ذاتی معلومات)

اعجاز حسین، سید، فیض آبادی

....../......
۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

مولانا حکیم سید اعجاز حسین صاحب مرحوم انتہائی منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ آپ کے علمی و دینی فیوض سے فیض آباد اور اس کے اطراف کے مومنین ہمیشہ مستفید ہوتے رہے۔ دینی خدمات کے ساتھ آپ اپنی حکمت کا چراغ روشن کئے ہوئے تھے۔ مجلسوں میں بغیر کسی عذر کے ذاکری فرماتے تھے۔ ایک عرصہ تک وثیقہ عربی اسکول میں وائس پرنسپل کے عہدہ پر مامور رہے۔

آپ کے تلامذہ میں مولانا وصی محمد صاحب مرحوم اور مولانا محمد حسین نجفی مرحوم کے اسمائے گرامی تابندہ ہیں۔

آپ نے ۱۸ر جون ۱۹۷۵ء (= ۸ر جمادی الثانیہ ۱۳۹۵ھ) کو دس بجے رات میں رحلت فرمائی۔

(الجواد اگست ۱۹۷۵ء)

اعظم علی، سید

مولانا سید اعظم علی غفران مآب سید دلدار علی صاحب طاب ثراہ کے شاگرد تھے۔ ورثۃ الانبیاء میں ان کے نام کے ساتھ "فاضل مدقق، ذکی، مولوی" کے القاب استعمال کئے گئے ہیں۔

(ورثۃ الانبیاء، الکرام البررۃ جلد اول ص ۱۵۰)

افضل علی، سید، پالوی

....../......

۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء

مولانا حکیم سید افضل علی صاحب قبلہ علی نگر پالی (بہار) کے مقدس، جلیل، ورع و تقدس والے بزرگ تھے۔ علم ابدان و علم ادیان دونوں میں ممتاز حیثیت تھی۔

یکم ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ/ ۱۹/اپریل ۱۹۳۱ء میں اپنے وطن پالی میں انتقال فرمایا۔

(اصلاح جلد ۳۵، ۱/محرم الحرام ۱۳۵۰ھ)

افضل علی، سید

سید افضل علی خاں اپنے وقت کے فلسفی اور محققین میں تھے۔ آپ نے سید العلماء علیین مکان (متوفی ۱۲۷۳ھ) ابن غفرانمآب سے کسب فیض کیا تھا۔ ورثۃ الانبیاء میں آپ کے اوصاف میں لکھا ہے: "الحکیم المدقق، شفاء الدولہ و ذکاء الملک"۔ ان القاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اعلی

درجہ کے حکیم و طبیب بھی تھے۔ یہ نہیں معلوم کہ شفاء الدولہ و ذکاء الملک کا لقب شاہی دربار سے ملا تھا یا صاحب ورثۃ الانبیاء نے خود لکھا ہے۔

(ورثۃ الانبیاء، الکرام البررۃ جلد اول ص ۱۵۴)

اقبال حسین، شیخ، ولید پوری

حدود ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء

۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء

مولانا اقبال حسین ابن عبد الحکیم صاحب حدود ۱۹۰۶ء (= ۱۳۲۴ھ) میں اپنے وطن ولید پور ضلع اعظم گڈھ (اب مئوناتھ بھنجن) میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا شیخ فیاض حسین صاحب ولید پوری (دیکھئے احوال) کے چچا زاد بھائی تھے۔ راقم الحروف جب جولائی ۱۹۴۱ء میں جامع العلوم جوادیہ بنارس میں شرائع الاسلام کے درجہ میں داخل ہوا اس وقت مولانا فیاض حسین صاحب، فخر الافاضل میں تھے اور مولانا اقبال حسین صاحب۔ ان سے دو ایک درجہ نیچے تھے۔

مولانا اقبال حسین صاحب نے ابتدائی تعلیم ولید پور کے سنی مدرسہ نور الاسلام اور اس کے بعد مبارک پور کے مدرسہ باب العلم میں حاصل کی۔ پھر جامع العلوم جوادیہ پہنچے جہاں سے فخر الافاضل کی سند حاصل کی۔ آپ کتابت بہت عمدہ کرتے تھے۔

ایک عرصہ تک شکار پور (ضلع بلند شہر) میں امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دیتے رہے اور تبلیغ دین بھی کرتے تھے۔ شکار پور ہی میں عمر کے آخری حصے میں بیمار ہوئے اور اسی عالم میں وطن واپس آئے۔ ۳۰/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۲/اگست ۱۹۹۰ء بروز چہار شنبہ

اعظم علی، سید

مولانا سید اعظم علی غفران مآب سید دلدار علی صاحب طاب ثراہ کے شاگرد تھے۔ ورثۃ الانبیاء میں ان کے نام کے ساتھ "فاضل مدقق، ذکی، مولوی" کے القاب استعمال کیے گئے ہیں۔

(ورثۃ الانبیاء، الکرام البررۃ جلد اول ص ۱۵۰)

افضل علی، سید، پالوی

......../........

۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء

مولانا حکیم سید افضل علی صاحب قبلہ علی نگر پالی (بہار) کے مقدس، جلیل، ورع و تقدس والے بزرگ تھے۔ علم ابدان و علم ادیان دونوں میں ممتاز حیثیت تھی۔

یکم ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ/ ۱۹ر اپریل ۱۹۳۱ء میں اپنے وطن پالی میں انتقال فرمایا۔

(اصلاح جلد ۳۵، ۱ر محرم الحرام ۱۳۵۰ھ)

افضل علی، سید

سید افضل علی خاں اپنے وقت کے فلسفی اور محققین میں تھے۔ آپ نے سید العلماء علیین مکان (متوفی ۱۲۷۳ھ) ابن غفرانمآب سے کسب فیض کیا تھا۔ ورثۃ الانبیاء میں آپ کے اوصاف میں لکھا ہے: "الحکیم المدقق، شفاء الدولہ وذکاء الملک"۔ ان القاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اعلی

درجہ کے حکیم و طبیب بھی تھے۔ یہ نہیں معلوم کہ شفاء الدولہ وذکاء الملک کا لقب شاہی دربار سے ملا تھا یا صاحب ورثۃ الانبیاء نے خود لکھا ہے۔

(ورثۃ الانبیاء، الکرام البررۃ جلد اول ص ۱۵۴)

اقبال حسین، شیخ، ولید پوری

حدود ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء

۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء

مولانا اقبال حسین ابن عبد الحکیم صاحب حدود ۱۹۰۶ء (= ۱۳۲۴ھ) میں اپنے وطن ولید پور ضلع اعظم گڈھ (اب مئوناتھ بھنجن) میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا شیخ فیاض حسین صاحب ولید پوری (دیکھئے احوال) کے چچازاد بھائی تھے۔ راقم الحروف جب جولائی ۱۹۴۱ء میں جامع العلوم جوادیہ بنارس میں شرائع الاسلام کے درجہ میں داخل ہوا اس وقت مولانا فیاض حسین صاحب، فخر الافاضل میں تھے اور مولانا اقبال حسین صاحب۔ ان سے دو ایک درجہ نیچے تھے۔

مولانا اقبال حسین صاحب نے ابتدائی تعلیم ولید پور کے سنی مدرسہ نور الاسلام اور اس کے بعد مبارک پور کے مدرسہ باب العلم میں حاصل کی۔ پھر جامع العلوم جوادیہ پہنچے جہاں سے فخر الافاضل کی سند حاصل کی۔ آپ کتابت بہت عمدہ کرتے تھے۔

ایک عرصہ تک شکار پور (ضلع بلند شہر) میں امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دیتے رہے اور تبلیغ دین بھی کرتے تھے۔ شکار پور ہی میں عمر کے آخری حصے میں بیمار ہوئے اور اسی عالم میں وطن واپس آئے۔ ۳۰ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۲ر اگست ۱۹۹۰ء بہ روز چہار شنبہ

وطن میں رحلت فرمائی اور وہیں دفن ہوئے۔

یہ حالات جناب ابرار حسین صاحب ولید پوری سے معلوم ہوئے جو رشتہ میں مولانا مرحوم کے داماد ہوتے ہیں۔

اکبر حسین، سید

....../......

بعد ۱۲۸۳ / بعد ۱۸۶۷

نواب سید اکبر حسین ذوالریاستین۔ آپ کے حالات میں صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ نے "مجمع الحسنات ومزیل السیئات" نامی کتاب بارہ ابواب میں ۱۲۸۳ھ میں تالیف کی تھی جو ۱۳۰۵ھ میں "علماء کبار" کی تقریظوں کے ساتھ طبع ہوئی۔

اکرم علی، سید

....../......

بعد ۱۲۳۷ / بعد ۱۸۱۹

ان کی ایک کتاب کا ذکر الذریعہ میں ملا ہے جس کا نام تھا "الشواہد الفدکیہ" اور جس کی تالیف سے ۱۲۳۷ھ میں فراغت ہوئی تھی۔

الطاف حسین، مرزا، سراج العلماء

۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء

۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۴ء

سراج العلماء مولانا مرزا الطاف حسین صاحب مفتی الحائری ابن مولانا مرزا محمد تقی صاحب مرحوم کی پیدائش ۸ر محرم الحرام ۱۳۰۴ھ مطابق ۹ر جون ۱۸۸۶ء کو مٹیا برج کلکتہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مٹیا برج کے قیصریہ اسکول میں حاصل کی۔ آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا اور والدہ نے پرورش کی۔ سترہ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ کربلائے معلی گئے جہاں چند دنوں کے اندر والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اور وہ وادی السلام میں سپرد خاک ہوئیں۔

نجف اشرف میں آیۃ اللہ سید کاظم طباطبائی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸ سال تک عراق میں تحصیل علم کرتے رہے۔ واپسی کے وقت گیارہ مجتہدین کرام نے آپ کو اجازے دیئے۔

۱۹۱۹ء میں عراق سے واپس مٹیا برج تشریف لائے۔ چند سال وہاں قیام کر کے پھر عراق گئے اور پانچ سال وہاں مقیم رہے۔ پھر مٹیا برج آ کر دینی خدمات میں منہمک رہے۔

۲۴ر جنوری ۱۹۷۴ء مطابق ۲۹ر ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ کو انتقال فرمایا اور مٹیا برج کی مسجد جامع کے آہنی پھاٹک کے سامنے دفن ہوئے۔

(مرزا مجتبیٰ حسین عالم۔ فرزند سراج العلماء۔ بذریعہ مولانا غلام السیدین نجفی)

الطاف حیدر، سید

۹-۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء
۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء

مولانا سید الطاف حیدر صاحب ابن سید مظاہر عباس مرحوم ۱۹۰۱ء میں محمد آباد گہنہ ضلع اعظم گڑھ (اب مئوناتھ بھنجن) میں پیدا ہوئے۔ سادات محمد آباد گہنہ امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند جناب حسین الاصغر کے ایک بیٹے عبد اللہ الاعرج کی نسل سے ہیں اور اسی وجہ سے الحسینی الاعرجی کہلاتے ہیں۔ اسی نسل میں سید حمید الدین غفراں پناہ ۸۰۳ھ/۱۲۹۸ء میں لاہور سے جونپور تشریف لائے جو شرقی سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ اس وقت کے حکمراں سلطان ابراہیم شاہ نے بڑی تعظیم کی اور پرگنہ گہنہ آپ کو نذر کیا۔ آپ نے وہاں کے سرکشوں کو زیر کیا اور دریائے ٹونس کے علاقہ کو اپنا مسکن بنایا۔ انھوں نے اپنے بڑے فرزند سید محمد کے نام پر قصبہ محمد آباد آباد کیا۔ ان کے دوسرے فرزند سید حسن تھے جن کی نسل میں آگے چل کر مولانا سید الطاف حیدر صاحب پیدا ہوئے۔

مولانا وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسۂ ایمانیہ (بنارس) میں داخل ہوئے جہاں مولانا سید علی جواد صاحب اعلی اللہ مقامہ کے درس سے فیضیاب ہوئے۔ پھر سلطان المدارس گئے جہاں سے ۱۹۲۸ء میں صدر الافاضل کیا۔ نومبر ۱۹۲۹ء میں سلطان المدارس میں بطور مدرس معین ہوئے جس کا سلسلہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا یہاں آپ تدریس کے علاوہ دار الاقامہ کی نگرانی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ مولانا سید محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ (پرنسپل سلطان المدارس) مدرسہ کے اہم امور میں آپ سے مشورے لیتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں بے شمار علماء، ذاکرین اور یونیورسٹی وغیرہ کے اساتذہ شامل تھے۔

درس و تدریس کی مشغولیت کی وجہ سے آپ کو تصنیف و تالیف کا موقع نہ ملا۔ البتہ مشہور

ادیب سید علی جواد زیدی کے اصرار پر "خاندانی منصوبہ بندی" کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ حدود شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے محتاط انداز میں تحریر کیا تھا جسے حکومت نے ایک کتابچہ کی صورت میں شائع کیا تھا۔

۱۹۶۷ء میں بحری جہاز سے سفر کر کے زیارات عتبات عالیات سے مشرف ہوئے۔

وفات

مدرسہ سے سبکدوش ہوئے ہی تھے کہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ/ ۲۹ دسمبر ۱۹۸۵ء کو وقت موعود آپہنچا۔ وطن میں رحلت کی اور محمد آباد گہنہ کے صدر حسینیہ میں آرام گاہ ملی۔

مولانا کے شاگرد مولوی ساجد رضا زید پوری کا کہا ہوا قطعۂ تاریخ سنگ مزار پر کندہ ہے

رفت جنت از جہاں الطافِ عالی مرتبت عالمِ دین نبی وسید عالی نسب
شد شکستہ قلبِ ساجد بہرِ سالِ فوتِ او فخرِ سلطان المدارس زینتِ علم و ادب

(سید علی امام فرزند مولانا موصوف)

امام بخش

۱۲۳۷ھ/ ۲-۱۸۲۱ء
/

مولانا امام بخش (عرف بھگو) صاحب مرحوم ۱۲۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا وطن جونپور تھا۔ فارسی علوم امیر خاں جونپوری سے حاصل کیے۔ مختصرات عربیہ مولوی الٰہی بخش صاحب (ساکن گھوسی) سے پڑھے اور مطولات مولانا سخاوت علی جونپوری سے۔ دینیات کی تحصیل مولوی علی حسین

صاحب نصیر آبادی سے کی اور ان کے بعد مولانا سید علی محمد صاحب مجتہد لکھنوی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ مولانا سخاوت علی جونپوری سے طب پڑھی اور طبابت شروع کی۔ (مگر بطور پیشہ نہیں) مولانا بڑے سادہ طبع اور منکسر المزاج تھے۔ عمر درس و تدریس میں بسر کی۔ بہت مدت تک عربی اسکول جونپور میں مدرس رہے۔ جہاں آپ کو بہ حیثیت مولوی بہت شہرت ملی۔

ایک رسالہ خمس اردو میں آپ کے آثار قلم سے ہے۔

آپ کا انتقال محلہ بلوا گھاٹ۔ جونپور میں ہوا اور اپنے خاص امام باڑہ کے صحن میں دفن ہوئے۔ بعد کو یہ امام باڑہ پختہ تعمیر ہو گیا۔

آپ نے حج و زیارات کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔

(تاریخ سلاطین شرقی وصوفیائے جونپور، ص ۱۷۵۳۔ مصنف: سید اقبال احمد جونپوری)

امانت علی، عبداللہ پوری

مولانا امانت علی عبداللہ پوری غفران مآب طاب ثراہ کے شاگردوں میں تھے۔ ان کے ہم عصر مولانا محمد علی محمد آبادی نے ان سے کچھ سوالات پوچھے تھے۔ اس کے جواب میں انھوں نے ایک فارسی رسالہ "جوابات مسائل المولوی احمد علی المحمد آبادی" لکھا۔ اس رسالہ کا ذکر الذریعہ جلد پنجم میں ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس کا مخطوطہ راجہ سید محمد مہدی ضلع فیض آباد کے مکتبہ میں ہے۔ اس سوال و جواب سے ان کے علمی پایہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اس رسالہ کے علاوہ، الذریعہ کی مختلف جلدوں میں ان کے حسب ذیل تصنیفات کا پتہ چلتا ہے:

(۱) تحفۂ باقریہ (فارسی) استخارہ کے بیان میں۔

(۲) تنزیہہ الصفی۔ علم کلام میں۔

(۳) حمایت الایمان۔ علم کلام وعقائد میں۔

(۴) فصوص المومنین۔ نگینوں کے بیان میں۔

(۵) خواتیم الصالحین۔ انگوٹھیوں کے بیان میں۔

(۶) الفصلین فی امامۃ امیر الثقلین۔ امامت کے بیان میں۔

الذریعہ کے مطابق یہ سب مخطوطات راجہ سید محمد مہدی صاحب (فیض آباد) کے مکتبہ میں تھے۔ (اب معلوم نہیں کیا حال ہے؟)

مولانا کے ان ساتوں مخطوطات کے اس خاص مکتبہ میں موجود رہنے سے یہ گمان ہوتا ہے کہ مصنف کا تعلق اس ریاست سے رہا ہوگا۔

(الذریعہ مجلدات ۳، ۴، ۵، ۷۔ الکرام البررۃ جلد اول ص ۱۵۵)

امجد حسین، سید، الہ آبادی

۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء

جناب مولانا سید امجد حسین صاحب ابن مولانا سید منور علی صاحب الہ آبادی جناب باقر العلوم اور قدوۃ العلماء کے ہمعصروں میں مسلم الثبوت مجتہد تھے۔ آپ قصبہ رسول پور سونی ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے جو اترسوئیا اور کراری کے درمیان واقع ہے۔ آپ کی ولادت ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیمات اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ پھر لکھنؤ تشریف لے گئے جہاں مولانا محمد حسین صاحب قبلہ، مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ، مولانا سید احمد علی صاحب قبلہ، محمد آبادی اور

تاج العلماء مولانا محمد علی صاحب قبلہ طاب ثراہم سے کسب فیض کر کے اجازات اجتہاد و روایت حاصل کیے۔

۱۳۰۹ھ میں آپ نے تصنیف و تالیف اور تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور الہ آباد بحیثیت امام جمعہ و جماعت تشریف لائے۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ عراق گئے اور وہاں تقریباً دس سال قیام کرنے کے بعد ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ کو ہندوستان واپس تشریف لائے۔ عراق میں آپ نے آیات عظام شیخ محمد طہٰ نجف، محمد علی رشتی اور سید محمد کاظم یزدی طباطبائی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور ان سے اجازات اجتہاد و روایت حاصل کئے۔ شیخ محمد طہٰ نجف نے اپنے اجازہ میں لکھا تھا کہ:

حصلت له ملكة الاجتهاد و قوة الاستنباط فهو فی المجتهدين الاعلام الذی يجب علی اهل تلک الاطراف اتباع قوله و ارشاده و راد عليه راد علی اللّٰه۔

آپ کا زہد و تقویٰ ضرب المثل تھا۔ کسی غیر شیعہ کا تیار کیا ہوا کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ اپنے کھانے کا سامان ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

آپ نے ۱۳۲۷ھ میں چک الہ آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ آپ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس نہم کے صدر منتخب ہوئے تھے اور آپ نے اپنی طرف سے جناب راجہ سید ابو جعفر صاحب بالقابہ کو اپنا نائب بنا دیا تھا جنھوں نے فرائض صدارت انجام دیے۔

ایک روز ایک بندۂ مومن کراری جاتے ہوئے سوئی میں آپ کی دست بوسی کو حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ایک کفن پر کچھ لکھ رہے ہیں۔ اس مومن نے پوچھا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو فرمایا کہ کل اسی وقت میری تجہیز و تکفین ہوگی اس کا انتظام کر رہا ہوں۔ اور وہی ہوا۔ آپ کی تاریخ وفات ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ (= ۸ اگست ۱۹۳۱ء) ہے۔

اولاد

صرف ایک بیٹی تھیں جن کی شادی مولانا امتیاز حسین صاحب صدر الافاضل سے ہوئی تھی۔

تصانیف

(۱) صفائح الابریز فی شرح الوجیز۔ یہ وجیزۂ شیخ بہائی کی مختصر شرح عربی میں ہے جو لکھنؤ میں ۱۳۰۵ھ میں چھپی تھی۔

(۲) وجیزہ ہی کی ایک مطول شرح لکھی تھی جو تلف ہوگئی۔

(۳) تعلیقہ علی شرح اللمعۃ (غیر مطبوعہ): سنا ہے کہ یہ مخطوطہ سلطان المدارس کے کتب خانہ میں ہے۔ اصلاح (کجھوا) جلد ۳۰، نمبر ۱ کے مطابق یہ تعلیقہ کتاب الطہارۃ سے کتاب الدیات تک مکمل ہے اور اس کے آخر میں مجتہدین عراق کے وہ اجازات بھی نقل کئے ہیں جو ان حضرات نے مولانا ممدوح کو عطا فرمائے تھے۔

(۴) زبدۃ المعارف (اصول دین کے بیان میں)

(۵) وسیلۃ النجاۃ فی احکام الصلوۃ۔ (اردو، مطبوعہ)

(۶) خلاصۃ الطاعۃ در احکام جمعہ و جماعت (اردو)

(۱۔ سید منتظر مہدی، نزیل قم۔ ۲۔ رسالہ اصلاح، جلد ۳۰ نمبر ۱، ۳۔ سہ ماہی رسالہ عشاق اہل بیت، قم جلد دوم شمارہ ۵ بابت رجب شعبان، رمضان ۱۴۲۰ھ)

امداد علی، سید، کیرانوی

..../....

۱۲۹۰/۱۸۷۳

مطلع انوار ص ۱۱۰ پر مولانا سید امداد علی صاحب کے والد بزرگوار کا نام سید علی احمد لکھا ہے۔ ختم حالات پر بریکٹ میں یہ لکھا ہے کہ مولانا سید آغا مہدی صاحب نے مولانا کے والد کا نام قلندر علی لکھا ہے۔ لیکن راقم الحروف سعید اختر رضوی نے الکرام البررۃ جلد اول ص ۱۵۵ پر آپ کا نام اس طرح لکھا دیکھا ہے: "المولوی امداد علی ابن احمد علی بن قلندر علی الکیرانوی اللکھنوی"

آپ امجد علی شاہ کے معاصر تھے۔ آپ کی ایک تصنیف بحار المصایب (۲ جلدوں میں) کا ذکر مستدرک الذریعہ میں ہے۔ آپ نے ۱۲۹۰ میں وفات پائی۔

(مطلع انوار، الکرام البررۃ، جلد اول ص ۱۵۵، تذکرہ بے بہا ص ۱۲)

امیر محمد قریشی تونسوی

پیر امیر محمد شاہ قریشی تونسوی تونسہ (پنجاب) کے رہنے والے متشدد سنی تھے۔ مولوی علی گوہر صاحب، مفتی دربار شریف، کی درسگاہ سے فارغ ہو کر سنیت کی تبلیغ میں مشغول تھے۔ اور تحفۂ اثنا عشریہ اور رسالۂ النجم کے مضامین کو ہر جگہ بیان کرتے پھرتے تھے۔ انہوں نے اپنا حال رسالۂ اصلاح جلد ۳۶ نمبر ۱۰ (شوال ۱۳۵۱ھ) میں مفصل چھپوایا ہے جس میں لکھا ہے کہ وہ مجسم دشمن اہل بیت بن گئے تھے۔ ہر تقریر میں شیعوں کو کافر کہتے تھے اسلئے ان کے حلقہ بگوشوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ آخر میں "تبلیغ اقربین" کی غرض سے سجادہ نشین شیخ حسُو بلبل شاہ صاحب اور حضرت شیخ نذر حسین شاہ

صاحب رئیس اعظم حویلی جائیواں ضلع جھنگ کی خدمت میں حاضر ہو کر مطاعن تشیع کو بیان کیا۔ موصوف نے ان کو جناب ملک العلماء ملک فیض محمد خاں ممتاز الافاضل کھیانوی کے ایک ہفتہ بعد تشریف لانے کی اطلاع دے کر ان سے گفتگو کرنے کو کہا۔ (۲۷ رجب تا ۲ شعبان، ۱۳۵۱ھ جناب ملک العلماء کے مواعظ وہاں ہونے والے تھے۔) بہر حال بعد تصفیہ شرائط، پہلے دن توحید اور تحریف قرآن پر، دوسرے روز ایمان خلفاء ثلثہ پر اور تیسرے روز قضیہ فدک پر بحث ہوئی، اس دوران میں روزانہ ملک العلماء کے مواعظ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آخر تیسرے روز پیر امیر محمد صاحب قریشی مناظر نے حلقہ بگوش تشیع ہونے کا اعلان کر دیا۔ اگرچہ موصوف "فارغ التحصیل عالم فاضل" تھے مگر ملک العلماء کی شاگردی اختیار کی اور دین حق کے علوم حاصل کرتے رہے۔

انتظار حسین، سید، امروہوی

۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء

..../....

مولانا سید انتظار حسین صاحب نقوی امروہوی ۱۹۳۶ء میں عثمان پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے مورث اعلیٰ سید نظام احمد گنج رواں کے پوتے سید چاند نے اپنے فرزند سید عثمان کے نام پر موضع عثمان پور آباد کیا تھا۔

آپ نے مدرسہ باب العلم نوگانواں سادات میں مولانا سید آقا حیدر صاحب قبلہ مرحوم سے علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۴ء تک کیرا (کچھ) کی خوجہ شیعہ اثنا عشری جماعت میں مذہبی خدمات انجام دیئے۔ اس کے بعد آپ تانزانیا تشریف لے گئے جہاں سونگیا اور سنگیڈا کی

جماعتوں میں دینی خدمتیں انجام دیں۔ تانزانیا کے بعد آپ ماڈاگاسکر گئے جہاں ۱۹۷۸ء تک مذہبی خدمات انجام دیتے رہے۔

افریقہ سے وطن واپسی کے بعد آپ نے اپنے نوتعمیر کشادہ مکان کے بیرونی حصہ میں آٹا پیسنے اور دھان کوٹنے کی مشینیں لگائیں جن سے آپ کو اچھی اور حلال روزی بے منّتِ احدے ملتی تھی۔

تصانیف

(۱) ستونِ صداقت (مطبوعہ)

(۲) اظہارِ حق

(انجمن وظیفہ سادات ومومنین، ڈائمنڈ جوبلی نمبر وذاتی معلومات)

اولاد حسین، سید، شاعرؔ لکھنوی

۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء

........./.........

مولانا سید اولاد حسین شاعرؔ لکھنوی، خاندان اجتہاد کے ایک نامور رکن، بہترین شاعر اور کامیاب ذاکر تھے۔ آپ جناب سید فرزند حسین ذاخرؔ لکھنوی کے فرزند اور عماد العلماء سید مصطفےٰ (میر آغا) جیسے مرجع تقلید کے نواسے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۴ر ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ (=۲۱ر جولائی ۱۸۹۱ء) کو ننھیال میں ہوئی۔

آپ کے اساتذہ میں آپ کے حقیقی چچا شمس العلماء سید سبط حسن صاحب، مجتہد، قدوۃ العلماء سید آقا حسن صاحب مجتہد اور ممتاز العلماء سید ابوالحسن صاحب مجتہد، طاب ثراہم قابل ذکر

ہیں۔

آپ نے مدرسۂ ناظمیہ اور سلطان المدارس میں تعلیم پائی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملازمت کی تلاش ہوئی۔ سیارہؔ اخبار میں دس روپیہ ماہوار پر ملازم ہو گئے۔ بعد میں اس کے ایک حصہ کے مالک بھی ہو گئے۔ سیارہؔ کے بعد سفینہؔ اخبار نکالا۔ پھر خیرپور اسٹیٹ میں واعظ، پھر آڈیٹر پھر معلم الاطفال مقرر ہوئے۔ پھر آفیسر اوقاف اور افسر امور خیر ہو گئے۔

اوپر کی تحریر سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مولانا کو صحافت سے خاص لگاؤ تھا۔ چنانچہ جب راقم الحروف ہلّور میں ان سے متعارف ہوا (۱۹۵۰ء کے لگ بھگ) اس وقت وہ لکھنؤ سے ہفتہ وار سحابؔ نکال رہے تھے۔ میرا ایک رسالہ (گانے بجانے کی حرمت کے بیان میں) انہوں نے سحابؔ میں "غنا کی حرمت" کے عنوان سے بالاقساط شائع کیا تھا۔

انھوں نے مختار نامہ مثنوی کے طور پر نظم کیا تھا۔ اشعار کی سلاست اور روانی عدیم النظیر تھی۔

موصوف کے دوسرے قلمی کارناموں کی مجھے اطلاع نہیں ہے۔

(انجمن وظیفہ سادات ومومنین، جوبلی نمبر وذاتی معلومات)

باقر، شاہ نقوی

سید حمید الدین باقر شاہ نقوی "عالم کبیر" تھے۔ سلطان العلماء سید محمد ابن غفران مآب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ استاد نے ضربت حیدریہ لکھی تو اس کو اس شاگرد کی طرف منسوب کیا۔ (مطبوعہ ۱۲۹۶ھ)

سلطان العلماء نے اسی طرح اپنی ایک دوسری تصنیف سم الفار کو اپنے ایک دوسرے شاگرد میرزا محمد فیض آبادی کے نام سے منسوب کر دیا تھا۔

اس سے یہ اندازہ تو ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات علم کے اس مرتبہ پر فائز تھے کہ سلطان العلماء کی تصنیفیں ان کی طرف منسوب کی جا سکتی تھیں۔

سید باقر شاہ نقوی کے صاحبزادے سید محمد بھی بڑے علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ وہ سید العلماء سید حسین علیین مکان کے شاگرد تھے۔

(الکرام البررۃ، ج اول ص ۱۹۷)

باقر علی، حکیم، خان

"عالم محقق، فاضل مدقق" حکیم باقر علی خاں اواخر عمر میں دہلی میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ آپ شہید رابع علامہ میرزا محمد کامل (مصنف نزہۂ اثنا عشریہ) کے ہم عصر تھے۔

جب نزہۂ اثنا عشریہ کی ایک جلد حکیم شریف خاں کے توسط سے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کو ملی تو شاہ صاحب موصوف نے اس کا جواب الجواب لکھنے سے گریز کیا۔ لیکن ان کے شاگرد، "فاضل رشید" نے طہارت خمر اور جمع بین الصلوٰتین کے مباحث سے چند سطریں لے کر ان پر

اعتراضات لکھے اور میرزا محمد کامل کے پاس بھیجا۔ میرزا صاحب موصوف نے اس کے جواب میں ایک مفصل خط لکھا۔ اس خط کے جواب میں "فاضل رشید" نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام نجوم السماء میں غرۃ الراشدین اور الکرام البررۃ جلد اول میں شوکت عمریہ لکھا ہے۔ علامہ میرزا محمد کامل نے اس کا جواب لکھنے میں وقت ضایع کرنا پسند نہ کیا لیکن حکیم باقر علی خاں نے اس کا پوری طرح جواب دیا۔

نیز "فاضل رشید" نے غفران مآبؒ کی دو کتابوں "الصوارم الالٰہیہ" اور "حسام الاسلام" پر کچھ اعتراضات لکھے تھے تو ان کے جوابات بھی حکیم باقر علی خاں نے لکھے۔

(الکرام البررۃ جلد اول ص ۱۹۷ و نجوم السماء ص ۳۵۹)

باقر علی، شاہ

مولوی باقر علی شاہ کو رسالۂ شیعہ جلد ہشتم نمبر ۱۲ میں "فاتح مناظرۂ فنڈر" لکھا ہے۔ اس مناظرہ کا حال رسالہ اصلاح جلد ۱۳، نمبر ۳ (ربیع الاول ۱۳۲۸ھ) میں چھپا ہے۔ افسوس کہ موصوف کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

رسالہ شیعہ جلد ہشتم نمبر ۲ میں کسی "مولوی سید باقر علی صاحب، بٹالوی" کا تذکرہ ہے۔ معلوم نہیں یہ دونوں شخصیتیں ایک تھیں یا علیحدہ۔

(رسالہ شیعہ کھجوہ جلد ۸، رسالہ اصلاح کھجوہ، جلد ۱۳)

بختاور علی، خاں

افتخار العلماء مولانا سعادت حسین خاں صاحب نے (جو آپ کے بھتیجے تھے) اپنی خودنوشت سوانح عمری میں جو لکھا ہے اس کا ضروری حصہ بالاختصار یہاں درج کیا جاتا ہے:

"ہمارے جد اعلی بریار سنگھ مسلمان ہو گئے تھے اور بریار خاں نام رکھ لیا تھا۔ ان کی اولاد سلطان پور اور پرتاب گڈھ میں آباد ہے۔" "لیکن سوائے حسن پور، موضع منیار پور اور امہٹ کے سب سنی ہیں۔" مولانا بختاور علی خاں کے دادا بخشی خاں نے ایک خواب کے سبب شیعہ مذہب اختیار کیا۔

"ہمارے جد اعلی بختاور خاں بڑے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور انسٹھ (۵۹) قریوں کے مالک تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ کی اور جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو پورا سلطان پور اور ہمارا گاؤں توپ سے اڑا دیا گیا اور ہمارے پردادا کے علاقے کو ضبط کر لیا گیا۔"

مولانا بختاور علی خاں نے ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء میں اپنی ریلوے کی ملازمت ترک کر کے بغرض تحصیل علم عراق چلے گئے۔ وہاں جنگ عظیم میں ترکوں کی حمایت کرنے کی وجہ سے قید ہوئے۔ بعد جنگ وطن پہنچائے گئے۔ پھر امروہہ، نوگانواں اور لکھنؤ کے مدارس میں تحصیل کے بعد جب عراق گئے تو آقائی سید ابوالحسن اصفہانی، آقائی مرزا محمد حسین نائینی اور آقائی ضیاء الدین عراقی سے درسیات کی تکمیل کی۔

(افتخار العلماء، مرتبہ ادیب الہندی)

برکت حسین، خاں

آغا برکت حسین خاں امروہہ ضلع مراد آباد کے باشندے اور صاحب علم و فضل بزرگ تھے ان کی تحریریں ان کے وسعت مطالعہ پر شاہد ہیں۔ راقم الحروف کو ان کی چار کتابوں کے نام معلوم ہو

سکے:

(۱) اسلامی خدا: جو اصلاح جلد ۲۶، نمبر ۱۰ (شوال ۱۳۴۱ھ) سے رسالۂ اصلاح کے ساتھ کتابی شکل میں شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ اس میں اسلامی عقیدۂ الوہیت و توحید کو دوسرے مذاہب و ادیان کی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔ اور دوسرے ادیان کے مقابلے میں اسلامی توحید کی برتری ثابت کی ہے۔

(۲) اخلاق المعصومینؑ

(۳) بشارت مثیل موسیٰ

(۴) تاریخ القرآن (اصلاح شعبان ۱۳۴۷ھ کے ساتھ شائع ہونا شروع ہوا)۔

یہ سب باتیں رسالۂ اصلاح کے مختلف مجلدات کی ورق گردانی سے معلوم ہوئی ہیں۔

برکت علی، سید، مجتہد

حدود ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء
۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء

مولانا سید برکت علی صاحب قبلہ، مجتہد، مچھلی بندر کے رہنے والے تھے۔

آپ کی وفات سے آپ کے اطراف و جوانب کے لوگوں میں ایک خلاء سا پیدا ہو گیا۔ آپ ۳۵ سال سے نگرم آتے جاتے تھے۔

آپ کا انتقال ۲۹/اگست ۱۹۶۱ء (= ۱۷/ربیع الاول ۱۳۸۱ھ) کو ۹۳ سال کی عمر میں ہو گیا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ اس بیان کے مطابق ان کی ولادت حدود ۱۸۶۸ء میں ہوئی ہو گی۔

(الجواد، بنارس، جلد ۱۲، نمبر ۱۰، ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ)

برکت علی، شاہ

جناب مولوی سید برکت علی شاہ گوشہ نشین، وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ (جواب پاکستان کا حصہ ہے)

مولانا کی کتاب "کلید مناظرہ" بہت مشہور ہوئی۔ ۴۸۰ صفحات کا یہ علمی ذخیرہ شیعہ مناظرین کیلئے زبردست اسلحہ فراہم کرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو الواعظ، نومبر ۱۹۲۵ء)

اسی طرح The False Prophet of Qadian قادیانیوں کی رد میں اہم مواد فراہم کرتی ہے۔ یہ کتاب میرے کتب خانہ ریاض معارف میں موجود ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ان کی کسی اردو کتاب کا ترجمہ ہے یا براہ راست انگریزی میں لکھی گئی ہے۔

تیسری کتاب کنز المطاعن کا ذکر اصلاح ماہ صفر ۱۳۵۲ھ میں ملتا ہے۔

دو اور کتابوں کا ذکر رسالوں میں ملتا ہے:

کلید عملیات فی التعویذات والدعوات

صدائے درا (نظم فضائل و مناقب)

افسوس کہ مولانا کے حالات کہیں نہ مل سکے۔

بشارت علی، شیخ

.../...

بعد ۱۲۸۶/۱۸۷۰

آقائی بزرگ تہرانی نے آپ کو "من فضلاء الہند و اعلامہا" لکھا ہے۔

شیخ بشارت علی خاں صاحب تصانیف تھے۔ ایک کتاب "دعوۃ اہل الکتاب" فارسی زبان میں تھی جس میں اہل کتاب کے ذبیحے کی حرمت ثابت کی گئی تھی۔ یہ کتاب ۱۲۸۶ھ میں لکھی گئی اور اسی سال مطبع حسینی میں طبع ہوئی۔

(الکرام البررۃ جلد اول ص ۱۹۸، الذریعہ جلد ہشتم)

سید بندہ حسن حسینی

ح ۱۲۸۰/ ۱۸۶۳

.../...

آپ مولانا سید نیاز حسن صاحب طاب ثراہ کے بڑے فرزند تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۴۳ویں پشت میں امام زین العابدین علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ راحت عزمی نے لکھا ہے کہ مولانا نیاز حسن کے ماموں "نواب محتشم جنگ دانش الملک وزیر بہادر شاہ ثانی کے بہنوی تھے۔"

سید بندہ حسن صاحب حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ولادت و وفات کے سال معلوم نہ ہو سکے لیکن آپ سے چھوٹے بھائی حدود ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے آپ ۱۲۷۹ھ یا ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ مولانا کے والد کے علاوہ تین چچا بھی مجتہد تھے۔ گھر مجتہدین کا مرکز تھا۔ سید

بندہ حسن کی تعلیم گھر سے شروع ہوئی پھر حیدرآباد کے دوسرے علماء سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ گئے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر حیدرآباد آئے تو آپ کے منجھلے بھائی مولانا سید ابوالحسن عرف میرن صاحب نے (جو پہلے سے درجہ اجتہاد پر فائز تھے) امراء و روسا اور معتقدین کی موجودگی میں آپ کے سر پر عمامہ باندھا اور مسجد اثنا عشری میں امامت جماعت کیلئے اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ ہر جمعہ کو موعظہ فرماتے اور ایام عزا میں مجلسیں پڑھتے تھے۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں نواب سر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس نے اپنی سلور جوبلی کے موقع پر آپ کو خلعت عطا کی۔

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء سے ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء تک آپ ہوم آفس کی نصاب کمیٹی کے رکن رہے اور شیعہ دینیات کا نصاب مرتب کیا۔ اس کے علاوہ قوانین تعزیرات کی مجلس قوانین کے رکن رہے اور فرقۂ شیعہ کی نمائندگی کی۔ آپ مجلس اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے۔

آپ نے حسینیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی تھی۔

مولانا نے مختلف ممالک کے سفر کئے۔ عتبات عالیات کی زیارت سے پانچ بار مشرف ہوئے۔ ان میں سے ایک سفر ۱۳۳۳ھ میں کیا تھا۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور صاحب تصانیف بھی تھے۔ ایک کتاب نتیجۃ الحیوۃ فی احکام الاموات بہت مشہور ہوئی۔ علم الانساب پر ایک کتاب اشجار الانساب تین جلدوں میں لکھی اور ہر جلد کا نام مستقل رکھا۔ پہلی جلد معدن الانساب، دوسری نخز الانساب اور تیسری مخزن الانساب تھی۔

خلق خدا کی خدمت میں ہمیشہ منہمک رہے۔ بلا لحاظ مذہب و ملت ہر ایک کی حاجت تا حد امکان پوری کر دیتے تھے۔ ہر قوم و مذہب کے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے اور اکثر اپنے نزاعی مسائل کے حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

سنہ انتقال معلوم نہ ہو سکا۔ دایرہ میر مومن میں دفن ہوئے۔

صاحب تذکرۂ بے بہا نے آپ کے والد ماجد کے حالات کے ذیل آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ "نہایت متقی و زاہد و اورع ہیں۔" ۱۹۱۰ء میں آپ نوگانواں بھی تشریف لے گئے تھے جہاں آپ کے ہاتھوں سے ایک عزاخانہ کی بنیاد رکھوائی گئی۔ صاحب تذکرہ نے آپ کے ایک فرزند سید افضل حسن صاحب کا ذکر کیا ہے جو نجف اشرف میں تحصیل علم کرتے تھے اور ربیع الاول ۱۳۲۴ھ میں نوگانواں بھی تشریف لے گئے تھے۔

(راحت عزمی، رحمۃ اللہ موسوی، تذکرۂ بے بہا)

بندہ کاظم، سید

...../.....

۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

مولوی سید بندہ کاظم صاحب المتخلص بہ جاویدؔ صاحب علم ہونے کے علاوہ مرثیہ گوئی کے استاد تھے۔ "صدہا مرثیہ تصنیف کیا۔"

۱۴ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ (= ۱۳ نومبر ۱۹۲۱ء) کو رحلت کی۔

اصلاح جلد ۲۴ نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲ (شوال تا ذی الحجہ ۱۳۳۹ء) میں جو کم از کم تین ماہ تاخیر سے شائع ہوا تھا) خبر انتقال یوں چھپی ہے:

"جناب مولوی بندہ کاظم صاحب جاویدؔ ایسے مسلم الثبوت شاعر تھے جنہوں نے صدہا مرثیہ تصنیف کیا۔ اور ایسا بے مثل پڑھتے تھے کہ اس زمانہ میں یادگار سلف تھے۔ افسوس کہ مرحوم نے ۱۴ ربیع الاول (۱۳۴۰ھ) کو بمقام لکھنؤ انتقال کیا اور امام باڑہ غفران مآب میں دفن ہوئے اور اپنے فن کا خاتمہ کر گئے۔"

بنیاد حسین، سید

سید بنیاد حسین صاحب غالبًا کانپور کے رہنے والے تھے۔ اچھے ادیب و شاعر اور ماہر علوم عربیہ وفارسیہ تھے۔ ان کی ایک تالیف "کشکول" میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔

بنیاد علی، واعظ

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء

مولانا بنیاد علی واعظ کی ولادت ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ (یہ غالبًا شکار پور کے رہنے والے اور سید تھے)۔ ابتدائی تعلیم احسن المدارس (شکار پور) میں حاصل کی، پھر مصبیہ کالج (میرٹھ) سے الہ آباد بورڈ کے امتحانات، مولوی، عالم اور فاضل ادب پاس کئے۔ پھر مدرسہ ناظمیہ میں داخل ہوئے جہاں سے فاضل فقہ (الہ آباد بورڈ) اور ادیب فاضل (لکھنؤ) کے امتحانات پاس کئے۔ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کرنے کے بعد مدرسۃ الواعظین (لکھنؤ) میں داخل ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد مدرسۃ الواعظین نے آپ کو تبلیغ کیلئے پنجاب بھیجا۔ ۱۹۴۴ء میں وہاں سے بنگلور بھیجے گئے۔ بنگلور میں آپ کی جدوجہد سے دو ہائی اسکول قائم ہوئے۔

آپ نے دو رسالے بھی لکھے جو شائع ہو چکے ہیں:

(۱) ثبوت عزاداری

(۲) اجتماعی زندگی۔

راقم الحروف نے ان کے ایک صاحبزادے جناب محمد جعفر صاحب کو مدرسۃ الواعظین میں دیکھا تھا۔ پھر وہ تحصیل علم کے لئے قم تشریف لے گئے۔ اب (۲۰۰۱ء میں) میامی

(فلوریڈا-امریکہ) میں تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی ۲۰۰۱ء میں وہ مجلسوں کے سلسلے میں ٹورونٹو (کناڈا) آئے تھے جہاں مجھ سے ملاقات ہوئی۔

(انجمن وظیفہ سادات و مومنین گولڈن جوبلی نمبر، ذاتی معلومات)

مرزا بہادر علی

۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء

۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء

مولانا مرزا بہادر علی حیدرآباد میں ۲/ ذیقعدہ ۱۳۰۱ھ/ ۲۴/ اگست ۱۸۸۴ء روز یکشنبہ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مرزا رضا بیگ نے آپ کی تعلیم و تربیت دینی بنیادوں پر استوار کی۔ ان کے خاندان کا سلسلہ چنگیز خاں سے ملتا ہے اور مولانا کے عزم و ارادہ کی پختگی اسی وراثت کی نشانی تھی۔

مولانا نے ابتدائی دینی تعلیم مولانا میر کاظم علی صاحب سے حاصل کی اور ان کے طلبہ میں سب سے ممتاز رہے۔ مولانا عباس علی خاں بحر العلوم سے ادب اور معقولات کی تکمیل کی۔ صدر العلماء مولانا سید غلام حسین صاحب سے علم حدیث اور اصول فقہ میں کمال حاصل کیا۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر تک علم دین کے یہ سارے مراحل طے کر ڈالے۔

فارغ التحصیل ہوتے ہی اسی عنفوان شباب میں ایک دینی درسگاہ "باب العلوم" قائم کی۔ چھ سات سال تک چلنے کے بعد مالی دشواریوں کی بنا پر مدرسہ کو بند کرنا پڑا۔ لیکن درس و تدریس کا سلسلہ نہیں رکا۔ مولانا اپنے گھر پر درس دیتے رہے۔

۱۳۲۳ھ میں مولانا کو مدرسہ تعلیم المعلمین میں سرکاری ملازمت مل گئی۔ جہاں آپ نے دس

گیارہ سال تک تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۳۴ھ میں جب حیدرآباد میں جاگیردار کالج قائم ہوا تو نواب سر مسعود جنگ بہادر نے نواب عماد الملک کی سفارش پر اس کالج میں دینیات کے پروفیسر کی حیثیت سے مولانا کی خدمات حاصل کیں اور مولانا تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔

مولانا عبادت خانہ حسینی میں امام جمعہ و جماعت بھی رہے اور اٹھارہ سال کی عمر سے آخر زندگی تک یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ پہلے وہاں آپ کے استاد مولانا میر کاظم علی صاحب امام جماعت تھے لیکن جب بوجہ کبر سنی معذور ہوگئے تو اپنے اس عزیز شاگرد کو اپنا جانشین بنایا۔

حیدرآباد میں آپ کے بہت سے شاگرد ہیں۔ آپ کی تدریسی مشغولیت کالج تک محدود نہیں تھی۔ عبادت خانہ حسینی میں بعد نماز مغربین مختار المسائل کا درس دیتے تھے۔ یہ ایک طرح سے تعلیم بالغاں کا کلاس تھا جو آخر عمر تک جاری رہا۔

آپ نے تین بار عتبات عالیات کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

تصانیف

آپ صاحب تصنیف بھی تھے اور خوش فکر شاعر بھی تھے۔ صفی تخلص فرماتے تھے۔ تصنیفات کے نام ہیں: طریق الشریعت، وصال آخرت، چراغ ہدایت (یہ کتاب آج بھی مومنین میں مقبول ہے)۔ مسدس تعلیم، رباعیات صفی، جامع التواریخ۔

۲۰ رذی الحجہ ۱۳۵۴ھ/ ۱۴ر مارچ ۱۹۳۶ء کو حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرمایا اور دائرہ میر مومن میں دفن ہوئے۔

(راحت عزمی و نعمۃ اللہ موسوی)

پناہ علی، سید

مولانا سید پناہ علی صاحب غفران مآب سید دلدار علیؒ کے شاگردوں میں تھے۔

ورثۃ الانبیاء میں ان کے لئے "عالم عامل و فاضل کامل" کے القاب لکھے ہیں۔

(ورثۃ الانبیاء، الکرام البررۃ جلد اول، ص ۱۹۹)

تاثیر حسین، سید

مولانا تاثیر حسین صاحب نے مدرسۂ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی۔ اسکے بعد مدرسۂ عالیہ رام پور میں بطور مدرس مقرر ہوئے۔

تراب علی، سید

ہندوستان کے علماء وفضلاء میں سید تراب علی صاحب تھے۔ ان کی ایک تصنیف تحفۃ القابلین (فارسی) کا ذکر الذریعہ جلد سوم میں ملتا ہے۔ اس کا مخطوطہ راجہ سید محمد مہدی (فیض آباد) کے مکتبہ میں تھا۔

آقائی بزرگ تہرانی کا خیال یہ ہے کہ سید تراب علی تیرہویں صدی کے علماء میں تھے۔

(الکرام البررۃ جلد اول ص ۴۵۷، الذریعہ جلد ۳)

تفضل مہدی، شیخ

۱۳۶۹ھ/۱۹۴۸ء

۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

مولانا شیخ تفضل مہدی صاحب اپنے وطن پورہ معروف (ضلع مئو، یوپی) میں ۱۳۶۹ھ/ ۵/مئی ۱۹۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ موصوف نے جامع العلوم جوادیہ (بنارس) سے نجم الافاضل کی سند حاصل کرنے کے بعد سلطان المدارس (لکھنؤ) میں داخلہ لیا جہاں سے صدر الافاضل کیا۔ پھر مدرسۃ الواعظین میں تحصیل کی۔ اس کے بعد مالی گاؤں (ناسک) میں امامت جمعہ و جماعت کی ذمہ داری سنبھالی۔ مالی گاؤں سے آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے قم تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد سازمان تبلیغات اسلامی نے انھیں بہ حیثیت مبلغ ہندوستان بھیجا۔

ہندوستان آکر آپ نے بنارس میں قیام کیا۔ یہاں آپ جامع العلوم جوادیہ کے مدرس بھی رہے اور ماہنامہ الجواد کی ادارت بھی سنبھالی۔ اسی عرصہ میں شہر اعظم گڑھ میں نماز جمعہ کی امامت کرتے رہے۔

''مولانا بہ یک وقت اعظم گڈھ کے امام جمعہ، جامع العلوم جوادیہ کے استاد، اور اس کے دار الاقامہ کے ناظر نیز اکرام حسین پریس (جوادیہ) کے نگراں اور عمید جامع العلوم جناب شمیم الملۃ کے موثق و معتمد رفیق کار و مددگار تھے۔''

آپ عارضۂ شکم میں مبتلا تھے۔ مرنے سے دو برس قبل قلبی دورے میں مبتلا ہوئے۔ ۱۱/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ/ ۲۲/اگست ۱۹۹۳ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے وطن مالوف میں دفن ہوئے۔

(الجواد ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ جلد ۴۴ نمبر ۱۰، و حسینی جنتری ۱۹۹۴ء)

ثمر حسن، سید، زیدی

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء

۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

سید العلماء سید ثمر حسن زیدی ۱۳۲۹ء میں امروہہ ضلع مرادآباد کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا سید قمر حسن زیدی ایک عالم باعمل اور مبلغ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم امروہہ میں حاصل کی۔ پھر اپنے والد ماجد کے ساتھ حیدرآباد دکن گئے جہاں پانچویں درجہ تک انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسۂ نور المدارس (امروہہ) میں داخل ہوئے۔ اسی دوران آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اور اپنے ماموں مولانا سید انیس الحسنین صاحب کے مشورہ پر آپ نے مدرسۂ ناظمیہ (لکھنؤ) کا رخ کیا۔ ممتاز الافاضل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے الہ آباد بورڈ سے قابل اور فاضل ادب کے امتحانات پاس کئے۔ پھر مدرسۃ الواعظین میں تین سال کی تعلیم مکمل کر کے مہوا (کاٹھیاواڑ) میں تبلیغ دین کیلئے تشریف لے گئے۔ ۱۹۴۰ء میں مدرسۃ الواعظین نے آپ کو حیدرآباد (سندھ) بھیجا یہاں آپ انجمن امامیہ سندھ (حیدرآباد) میں اقامت پذیر ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد مومنین کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ اب ایک مرکزی جامع مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس زمانے میں نماز جمعہ ٹنڈو ٹھوڑو کی مسجد میں ہوا کرتی تھی۔ ایک تو وہ مسجد چھوٹی تھی دوسرے شہر سے دور بھی تھی۔ لہٰذا سید العلماء نے مومنین کے تعاون سے قدم گاہ مولی علی سے متصل جامع ابو الفضل کی تعمیر شروع کی جو ۱۹۵۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

۱۹۵۵ء ہی میں آپ نے ادارۂ نظام الشریعہ قائم کیا۔ جس کے زیر نگرانی ۱۹۵۶ء میں جامعہ علویہ مشارع العلوم کی تاسیس عمل میں آئی۔ اور جامع ابو الفضل کے زیریں طبقے میں جامعہ کی تعلیم شروع ہوئی۔ ۱۹۷۰ء میں آپ نے جامعہ کیلئے لطیف آباد ۹ میں ایک پلاٹ حاصل کیا۔ تھوڑے ہی

عرصے میں اس قطعۂ اراضی پر جامعہ علویہ مشارع العلوم اور مسجد امام زین العابدینؑ کی تعمیر شروع ہوگئی۔ اسی عمارت میں بورڈنگ ہاؤس اور لائبریری ہے۔ ابھی مزید کمرے بن رہے ہیں۔ ادارۂ نظام الشریعہ کے زیر انتظام زین العابدینؑ ماڈل اسکول بھی قائم ہو چکا ہے۔ جامعہ علویہ کے سیکڑوں فارغ التحصیل علماء ملک بھر میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۹۶۳ء میں سانحہ ٹھیڑی خیر پور نے پورے عالم تشیع کو مضطرب کر دیا۔ سید العلماء نے دو ممتاز عالموں کے ساتھ خطیب اعظم سید محمد دہلوی سے ملاقات کر کے کل پاکستان شیعہ کنونشن بلانے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ خطیب اعظم نے اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے کنونشن بلایا۔ شیعہ مطالبات کمیٹی قائم ہوئی، اور خطیب اعظم کو قائد ملت جعفریہ تسلیم کیا گیا۔ سید العلماء کی کاوش سے ۱۹۶۷ء میں حیدر آباد میں شیعہ مطالبات کنونشن کا یادگار اجلاس ہوا۔

۱۹۶۹ء میں عراق کی بعث پارٹی کی حکومت نے علماء کو پھانسی دینا شروع کیا اور آیۃ اللہ العظمیٰ سید محسن الحکیم اور ان کے خاندان پر سختیاں شروع کیں تو سید العلماء نے صدائے احتجاج بلند کی۔ آپ کی سعی سے تمام مکاتب فکر کے علماء نے ایک محاذ پر جمع ہو کر زبردست احتجاجات کئے اور حکومت پاکستان کے توسط سے احتجاجی مراسلے حکومت عراق کو بھجوائے۔

سید العلماء ۱۹۸۲ء میں ٹنڈو جام زرعی یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔

آپ اتحاد بین المسلمین کے حامی تھے اور فرماتے تھے: اپنے عقیدے کو چھوڑو نہیں اور دوسرے کے عقیدے کو چھیڑو نہیں۔

آپ نے ۲۱/مارچ ۱۹۹۰ء (= ۲۳/شعبان ۱۴۱۰ھ) کو رحلت فرمائی۔

(مجلہ بیاد "سید العلماء")

جابر حسین، سید

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء

۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

مولانا سید جابر حسین کا وطن حسین آباد (ضلع مونگیر۔بہار) میں تھا جہاں آپ ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ/ ۲۲/دسمبر ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا حافظ سید فرمان علی صاحب طاب ثراہ کی نواسی سے شادی کے بعد آپ اپنی سسرال، چندن پٹی (ضلع دربھنگہ، بہار) میں رہنے لگے۔

آپ نے سلطان المدارس میں تعلیم حاصل کی جہاں ہادی الملۃ مولانا سید محمد ہادی صاحب، مولانا سید ابن حسن صاحب نونہروی اور مولانا عبد الحسن صاحب طاب ثراہم سے فیض حاصل کیا۔ طالب العلمی کے آخری دور میں ہی آپ سلطان المدارس میں مدرس مقرر ہو گئے۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا سید غلام عسکری صاحب مرحوم، مولانا مرزا محمد عالم صاحب مرحوم، مولانا سید شبیہ الحسن صاحب نونہروی مرحوم اور مرزا محمد اطہر صاحب شامل ہیں۔

۱۹۵۰ء میں آپ زنجبار کی خوجہ شیعہ اثنا عشری قوت الاسلام جماعت میں بطور امام جمعہ و جماعت تشریف لے گئے جہاں آپ ۱۹۵۹ء کے اواخر تک رہے۔ وہاں سے واپس آ کر آپ چندن پٹی ہی میں مقیم رہے۔ ایک طویل علالت کے بعد ۲۳/شعبان ۱۴۰۱ھ/ ۲۶/جون ۱۹۸۱ء کو رحلت فرمائی۔

ایک بیٹی اور دو بیٹے یادگار ہیں۔

مولانا سید منظور الحسن صاحب جو کچھ عرصہ تک ٹانگانیکا (اب تانزانیا) کی ٹانگا جماعت میں بطور امام جمعہ و جماعت رہے، آپ کے بڑے بھائی ہیں۔

(الجواد جلد ۳۲، نمبر ۸، اگست ۱۹۸۱ء/شوال ۱۴۰۱ھ۔ نیز دیکھئے الجواد جلد ۴۵، نمبر ۱، رجب و شعبان ۱۴۱۴ھ)

جعفر حسین، مفتی

۱۳۳۴ھ/۱۹۱۴ء

۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

گوجران والا (پنجاب) کے حکیم چراغ دین ابن حکیم غلام حیدر کے تین فرزندوں میں سے علامہ مفتی جعفر حسین دوسرے فرزند تھے۔ جو وطن مالوف میں ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں آپ نے اپنے بڑے چچا حکیم شہاب الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور عربی ادب اور صرف ونحو سیکھنے کیلئے دیگر مقامی علماء سے کسب فیض کیا۔ چودہ برس کی عمر تک قطبی، ہدیہ سعیدیہ، سبعہ معلقہ اور مقامات حریری، کے علاوہ اخلاق محسنی، حلیۃ المتقین، طب اکبر وغیرہ پر عبور حاصل کرلیا۔

چودہ سال کی عمر میں ۱۹۲۸ء میں آپ اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے اور مدرسہ ناظمیہ میں داخلہ لیا۔ آٹھ سال میں آپ نے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی اور اسی دوران لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب اور فاضل حدیث کے اسناد بھی حاصل کئے۔ آپ کے اساتذہ میں سرکار نجم الملۃ، مولانا ظہور حسن صاحب، مولانا سبط حسن صاحب جونپوری، مفتی سید احمد علی صاحب اور سید العلماء سید علی نقی صاحب کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک سال تک مدرسہ ناظمیہ میں آپ درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور جب اسباب فراہم ہو گئے تو ۱۹۳۶ء میں نجف اشرف کیلئے روانہ ہوئے جہاں آپ نے پانچ سال تک قیام کر کے اس وقت کے اساطین حوزۂ نجف سے فیض اٹھایا۔ نجف میں آپ کے اساتذہ میں آقائے سید ابوالحسن اصفہانی، آقائے شیخ عبدالحسین رشتی، آقائے سید جواد تبریزی وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۰ء میں آپ نجف اشرف سے مراجعت فرما کر سرکار نجم الملۃ کی خدمت میں حاضر ہو

گئے...... جنہوں نے آپ کو نوگانواں سادات (ضلع مرآداباد) کے مدرسہ باب العلم میں بحیثیت مدرس بھیج دیا...... نوگانواں میں دو سال قیام کے بعد آپ اپنے آبائی شہر گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔

مدرسہ جعفریہ کا قیام

آپ کی کوششوں سے گوجرانوالہ کے ماسٹر اللہ دتہ مرحوم نے اپنا مکان مدرسہ کے لئے دیدیا۔ دوسرے مدرسین کے علاوہ مفتی صاحب خود بھی طلباء کو پڑھاتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وسائل کی کمی کے سبب مدرسہ کو بند کر دینا پڑا۔ یہ تقریباً ۱۹۴۳ء کی بات ہے جب تحریک پاکستان زور پکڑ رہی تھی۔ آپ نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد آپ نے نہج البلاغہ کا اردو ترجمہ شروع کیا۔

تنظیمی زندگی کا آغاز

قیام پاکستان کے فوراً بعد حکومت پاکستان کو دستور سازی کا مسئلہ درپیش تھا...... کچھ شیعوں نے یہ اعلان کیا کہ ”ہم شیعیان حیدر کرار کے پاکستان میں وہی حقوق ہیں جو برادران اہلسنت کے اور دیگر مسلمانوں سے الگ ہمارے کوئی حقوق نہیں ہیں۔“ دوسرے ہمدردان قوم کے علاوہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب اور علامہ حافظ کفایت حسین صاحب نے اس اعلان پر انتہائی سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ ان نازک حالات میں چند ہی دنوں بعد لاہور میں ”ادارہ تحفظ حقوق شیعہ، پاکستان“ کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے صدر مفتی جعفر حسین صاحب۔ سینیئر نائب صدر حافظ کفایت حسین صاحب اور جونیئر نائب صدر خطیب آل محمد سید اظہر حسن زیدی منتخب ہوئے۔ اور پروفیسر محمد صادق قریشی سکریٹری جنرل ہوئے۔ مفتی صاحب نے شہر، شہر، قریہ، قریہ جا کر تقریریں کیں اور ملت کو بتایا کہ ہمارے کچھ جداگانہ حقوق بھی ہیں جنکو کوئی نیلام نہیں کرسکتا۔

دستور ساز کمیٹی میں حکومت نے مفتی جعفر حسین صاحب کو ایک رکن نامزد کیا۔ اس کمیٹی نے ایک قرارداد مقاصد مقرر کی جو ملک کے آئین کی اصل و اساس قرار پائی۔ مفتی جعفر حسین اس کمیٹی کے روح رواں تھے۔

۱۹۴۹ء میں نوب زادہ لیاقت علی خان نے مفتی صاحب کو تعلیمات اسلامیہ بورڈ کا رکن نامزد کیا۔ اس بورڈ کا کام مختلف امور میں حکومت کو اسلامی نقطۂ نظر سے آگاہ کرنا اور آئین سازی میں ہاتھ بٹانا تھا اس بورڈ کے چیرمین ڈاکٹر حمید اللہ تھے۔ اور دوسرے اراکین میں مفتی محمد شفیع کراچی۔ سید سلیمان ندوی اور مولانا ظفر احمد انصاری تھے۔

بائیس ۲۲ نکات

قائد اعظم محمد علی جناح کی رحلت کے بعد اسلام دشمنوں نے یہ پروپگنڈا شروع کیا کہ پاکستان میں نظام اسلام نافذ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام کے تہتر فرقے میں سے ہر فرقہ اپنے ہی نظریات کو اصل اسلام سمجھتا ہے تو کون سا اسلام نافذ کیا جائیگا۔ اس چیلنج کے جواب میں ملک بھر کے مختلف مکاتب فکر کے اکتیس مقتدر علماء نے اکیس سے چوبیس جنوری ۱۹۵۱ء تک کراچی میں اجلاس کر کے بائیس نکاتی دستاویز مرتب کی جسکی روشنی میں نافذ ہونے والا نظام تمام فرقوں سے سند قبولیت حاصل کر سکتا تھا۔ مفتی جعفر حسین اور حافظ کفایت حسین اس اجلاس کے روح رواں تھے۔ نکتہ نمبر بائیس میں کہا گیا ہے۔ ”دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو“۔ اس نکتے کے نیچے ایک تشریحی نوٹ مفتی جعفر حسین کی خصوصی کاوشوں کے نتیجہ میں لکھا گیا۔“

نوٹ: ”قرآن و سنت کے الفاظ جہاں جہاں آئے ہیں ان کا کسی فرقہ پر اطلاق کے وقت وہی مفہوم مراد لیا جائیگا جو اس فرقہ کے نزدیک صحیح اور مسلم ہو۔“

ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں اس تشریحی نوٹ کو اس دستاویز سے حذف کر دیا گیا۔

قادیانیت کے خلاف اقدام

۱۸ رمئی ۱۹۵۲ء کو کراچی میں مرزائی وزیر خارجہ۔ چودھری ظفر اللہ خاں نے ایک تقریر کی جس سے مسلمانان پاکستان کے جذبات مجروح ہوئے۔ اس کے رد عمل میں ایک کانفرنس طلب کیگئی جس کے داعیان میں مفتی صاحب بھی تھے اور آپ نے کانفرنس میں ایک بصیرت افروز تقریر بھی کی اسکے علاوہ ”تحریک تحفظ ختم نبوت“ میں حافظ کفایت حسین صاحب کے دوش بدوش بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہر محاذ پر جا کر ختم نبوت سے متعلق شیعہ نقطہ نظر واضح کیا۔

اسلامی مشاورتی کونسل اور اسلامی نظریاتی کونسل

فیلڈ مارشل صدر جنرل محمد ایوب خان نے اپنے عہد اقتدار میں اسلامی امور سے متعلق اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی جس میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب کو شیعہ نمائندہ کی حیثیت سے نامزد کیا۔ ایوب خان اور یحییٰ خان کے دور میں آپ نے اس کونسل میں مذہب و ملت کی نمائندگی کی۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان پیپلز پارٹی نے آپ کی جگہ پر خطیب آل محمد سید اظہر حسن زیدی کو نامزد کیا۔ جب جنرل ضیاء الحق کی مارشل لا حکومت نے اسلامی مشاورتی کونسل کا نام بدل کر اسلامی نظریاتی کونسل رکھا اور اسکی از سر نو تشکیل کی تو پھر مفتی جعفر حسین صاحب کو بطور شیعہ نمائندہ نامزد کیا گیا۔

قومی قیادت

۱۹۷۹ء میں جنرل ضیاء الحق نے نفاذ اسلام کے چند جزوی اقدامات کا اعلان کیا جن میں ایک زکات کی وصولی کا بھی تھا۔ مگر اس اعلان میں فقہ جعفریہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا اور صدر مملکت نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ان اقدامات کی سفارش اسلامی نظریاتی کونسل نے متفقہ طور پر کی

ہے۔ مفتی جعفر حسین صاحب نے ایک پریس کانفرنس بلا کر حکومت کو الٹی میٹم دیدیا کہ اگر فقہ جعفریہ کے پیروکاروں کے لئے باقاعدہ طور پر فقہ جعفریہ کے نفاذ کا اعلان نہ کیا گیا تو وہ ۳۰/اپریل ۱۹۷۹ء کو اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت سے احتجاجاً مستعفی ہو جائینگے۔ (جب فوجی حکمرانوں نے اپنا رویہ نہ بدلا تو مفتی جعفر حسین صاحب نے ۳۰/اپریل کو استعفادے دیا) مفتی صاحب کے مذکورہ بالا پریس کانفرنس کے بعد کچھ مخلص رہبران ملت نے یہ طے کیا کہ ایک آل پاکستان شیعہ کنونشن منعقد کیا جائے جس میں ایک متحدہ قومی پلیٹ فارم کی تشکیل کر کے اپنے حقوق کے حصول کے لئے منظم تحریک چلائی جائے۔ چنانچہ ۱۲-۱۳ اپریل ۱۹۷۹ء کو بھکر میں کنونشن منعقد ہوا جو تاریخ پاکستان میں شیعیان حیدر کرار کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ اس اجلاس میں پہلی بار شیعہ عوام نے براہ راست متفقہ طور پر اپنی مرکزی قیادت کا انتخاب کیا۔ ایک اندازہ کے مطابق شرکاء کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ تھی۔ اس کنونشن کا اہتمام مجلس نظام فقہ جعفریہ نے کیا تھا۔ امامیہ اسٹوڈنس آرگنائزشن (I.S.O.) اور شیعہ اسکاوٹس نے انتظام میں معاونت کی۔

اس کنونشن میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کو شیعیان پاکستان کا متفقہ طور پر قائد تسلیم کیا گیا۔ اور پوری فضا ایک ہی قائد ایک ہی رہبر مفتی جعفر، مفتی جعفر کے نعرے سے گونج اٹھی۔ بقول بی۔ بی۔ سی۔ آیۃ اللہ خمینی کے بعد مفتی جعفر حسین جنوبی ایشیا کے دوسرے بڑے روحانی پیشوا تھے کہ جنہیں عوام کی اتنی بڑی تعداد نے ووٹ دیا۔

مفتی صاحب نے اپنے خطاب میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ ۳۰/اپریل سے پہلے حکومت شیعیان پاکستان کے مذہبی مطالبات تسلیم کرنے کا اعلان کرے۔ عدم قبولیت کی صورت میں ۳۰/اپریل کے بعد شیعہ اپنے مطالبات کے حق میں ملک گیر تحریک شروع کر دینگے۔

مزید یہ کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کہلائیگی۔ انجمن کا صدر دفتر اسلام آباد میں ہوگا۔ صوبہ،

ڈویژن، ضلع، تحصیل اور موضع کی سطح پر بھی تحریک کے دفاتر قائم کئے جائینگے۔

اسلام آباد کنونشن

جنزل ضیاء الحق نے اس کے جواب میں کراچی میں یہ بیان جاری کر دیا کہ ایک ملک میں دو قانون نافذ نہیں کئے جاسکتے۔ پاکستانی عوام کی اکثریت حنفی المذہب ہے اسلئے یہاں فقہ حنفی ہی نافذ ہوگی..... ۴-۵ جولائی ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں آل پاکستان تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کنونشن طلب کر لیا گیا..... حکومت نے کنونشن کو ممنوع قرار دیدیا اسلام آباد کی چاروں طرف سے ناکابندی کر دی گئی پھر بھی اسلام آباد کے لال کوارٹرس کے قریب ہاکی گراونڈ اور اسکے آس پاس کے علاقوں میں اتنے جاں فروش جمع ہو گئے تھے کہ بڑے بڑوں کا زہرہ آب ہونے لگا۔ ۲/جولائی کو صدر مملکت کی دعوت پر مفتی صاحب نے ان سے رات کے وقت ۲ گھنٹے ملاقات بھی کی جسکا کوئی نتیجہ نہیں نکلا ۴ اور ۵ جولائی کو حکومت نے بہت سے پینترے بدلے لیکن شیعوں کا جوش و جذبہ کم نہ ہوا اور ۵/جولائی کی شام کو عوام نے صدارتی سکریٹریٹ کا گھیراؤ کر لیا اور دھرنا دیکر وہیں بیٹھ گئے۔ ۶/جولائی کو قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب صدر مملکت کی دعوت پر ایک پانچ رکنی وفد کے ساتھ سکریٹریٹ میں تشریف لے گئے اور کم و بیش بارہ گھنٹے تک صدر مملکت سے مذاکرات ہوتے رہے۔ معاہدۂ اسلام آباد میں صدر نے یہ یقین دلایا کہ کسی ایک فرقہ کی فقہ دوسرے فرقہ پر مسلط نہیں کی جائے گی۔ شام کو قائد ملت نے باہر آکر مجمع کے سامنے یہ اعلان کیا کہ صدر مملکت نے ہمارا مطالبہ منظور کر لیا ہے اور یہ یقین دلایا ہے کہ نہ صرف عشر و زکوٰۃ بلکہ ہر نئے قانون میں فقہ جعفریہ کو ملحوظ رکھا جائیگا۔ اس طرح قائد ملت کی ہدایت کے مطابق دور دراز سے آئے ہوئے عوام اپنے گھروں کو واپس جانے لگے۔

تصانیف

(۱) ترجمۂ نہج البلاغہ (اردو)، (۲) ترجمہ صحیفۂ کاملہ (اردو)، (۳) سیرت امیر المومنین (جلد اول)، (۴) دیوان امیر المومنین کا منظوم ترجمہ (اردو)

جامعہ جعفریہ کا قیام

۱۹۷۹ء میں گوجرانوالہ میں آپ نے ایک عظیم الشان درسگاہ، جامعہ جعفریہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ تقریباً ایک تہائی عمارت تعمیر ہو چکی ہے جس پر اٹھارہ لاکھ روپیہ کی لاگت آئی ہے۔ آپ خود بھی اس میں درس دیتے تھے یہاں تک کہ مرض الموت میں بھی اگر ذرا بھی طاقت محسوس کرتے تو لرزتے لڑکھڑاتے مدرسہ پہونچ جاتے۔ ایک طرف خون تے کرتے دوسری طرف شرح لمعہ کا درس پڑھاتے۔

بیماری اور وفات

بھکر کنونشن کے بعد شب و روز کے طوفانی دوروں نے آپ کی صحت کو برباد کر دیا۔ ۲۹ ردسمبر ۱۹۸۲ء کو لاہور کے ڈاکٹروں نے تشخیص کیا کہ آپ کینسر میں مبتلا ہیں۔

۲۵ رجولائی ۱۹۸۳ء کو آپ کو لندن لے جایا گیا جہاں یہ رپورٹ ملی کہ کینسر کا اثر پھیپھڑوں سے بڑھ کر دماغ تک پہونچ چکا ہے۔ اور جو علاج پاکستان میں ہو رہا ہے وہی مناسب ہے۔ ۳ر اگست کو لندن سے وطن واپس ہوئے اور ۲۹ راگست کو طلوع آفتاب کے وقت آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ جامعہ امامیہ کربلائے گامے شاہ میں غسل و کفن کے بعد جنازہ آخری دیدار کے لئے گوجرانوالہ روانہ ہوا چونکہ آپ کربلا گامے شاہ میں دفن کرنے کی وصیت فرما چکے تھے اس لئے میت کو لاہور واپس لایا گیا جہاں دوسری نماز جنازہ ہوئی اور مغرب سے چند لمحہ قبل آپ کو سپرد لحد کر دیا گیا۔

(بحوالہ سنہری حروف، مرتبہ امیر مختار فائزی)

جعفر علی، میرزا، فصیح لکھنوی

قبل ۱۲۹۵ھ/ق ۱۸۷۸ء

میرزا جعفر علی فصیح لکھنوی ادیب کامل اور شاعری میں استاد تھے، آخر عمر میں مکہ معظمہ کی مجاورت اختیار کی اور وہیں ۱۲۹۵ھ کے پہلے وفات پائی۔ انھوں نے قصیدے، مرثیے، غزلیں اور مثنویاں لکھیں جن میں نان و نمک عرفانی مثنوی ہے جو لکھنؤ میں ۱۲۷۹ء میں چھپی۔ ایک مثنوی برق لامع ہے جو کسی سنی کی مثنوی کے جواب میں ہے۔ یہ بھی مطبوعہ ہے اور میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس میں وہ پہلے اس سنی مثنوی کا ایک ٹکڑا نقل کرتے ہیں پھر اس کا جواب لکھتے ہیں۔ مخالف کی مثنوی کے ٹکڑوں کی سرخی ہوتی ہے ع ''یہ قول سنئی بے آبرو ہے۔'' اور جواب کی سرخی ہوتی ہے ع ''جوابِ شیعیان نیک خو ہے۔'' ان کے علاوہ نخل ماتم (مطبوعہ) اور آب و نمک ہے۔

ان کے صاحبزادے میرزا محمد علی اہل علم و فضل میں تھے۔ آقائی بزرگ تہرانیؒ نے مولوی ذاکر حسین لکھنوی کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ میرزا محمد علی نے حدود ۱۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ انہیں میرزا محمد علی نے ۱۲۹۵ھ میں اپنے والد کے نام کے ساتھ مرحوم لکھا ہے۔

(الکرام البررۃ جلد اول ۲۷-۲۷۱، الذریعہ)

جواد، ملا، کشمیری

...../......

بعداز ۱۲۳۳ھ/بعد ۱۸۱۸ء

ملا جواد کشمیری ملا محمد علی پادشاہ کشمیری کے صاحبزادے تھے اور صاحب فضیلت عالم تھے۔ نجوم السماء میں ان کو ملا محمد علی پادشاہ کے ان فرزندوں میں شمار کیا ہے جو زیور علم و حلم سے آراستہ تھے۔ ان کی دو اولادیں تھیں ایک ظہیر الدین جن کی اولاد وقت تالیف نجوم السماء یعنی ۱۲۸۶ھ تک موجود تھی۔ ایک بیٹی رقیہ تھیں جو مولوی حسن یوسف کشمیری کی دادی تھیں۔ صاحب الکرام البررۃ نے مولوی حسن یوسف کشمیری اخباری کے پاس کچھ مخطوطات دیکھے تھے جو ملا جواد نے تحریر فرمائے تھے جن سے وہ ۱۲۳۳ھ میں فارغ ہوئے تھے۔ اس سے یہ اندازہ ہوا کہ ان کی وفات اس سنہ کے بعد ہوئی ہوگی۔

(الکرام البررۃ جلد اول ص ۲۸۵-۲۸۴، نجوم السماء)

جواد حسین، شیخ

۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء

۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

مولانا شیخ جواد حسین صاحب مرحوم ابن عبد المجید صاحب مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے سلطان المدارس سے صدر الافاضل کرنے کے بعد مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لیا اور بعد فراغت ہنگو ضلع کوہاٹ (سرحد) میں تبلیغ کے لئے بھیجے گئے اور وہاں قاضی شریعت

کے عہدہ پر رہے۔ آپ نے وہاں بہت ہی گراں قدر خدمات انجام دیئے اور بہت سے مناظروں میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اور وہیں پوری زندگی گذار دی۔ ۹۶ سال کی عمر میں طویل علالت کے بعد وہیں پر ۹ر دسمبر ۱۹۹۸ کو رحلت فرمائی اور جامعۃ العسکریہ کے احاطہ میں دفن ہوئے۔

آپ کے چھوٹے بھائی مولانا شیخ علی حسین صاحب، صدر الافاضل تھے۔ آپ حدود ۱۹۶۱ء میں افریقہ پہونچے اور تانزانیا، کینیا اور یوگانڈا کی بہت سی جماعتوں میں تقریباً چوتھائی صدی تک دینی خدمات انجام دینے کے بعد وطن واپس گئے۔ راقم الحروف سے اچھے تعلقات تھے۔ مبارک پور پہونچ کر مدرسہ باب العلم کے پرنسپل ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔

(اصلاح صدی نمبر ۱۹۹۹، ذاتی معلومات)

جواد علی، میرزا

میرزا جواد علی غفران مآب سید دلدار علی کے شاگردوں میں تھے۔ سید مہدی ابن سید نجف علی نے تذکرۃ العلماء المحققین میں ان کے لئے یہ القاب لکھے ہیں: "الفاضل المدقق، الحریر المحقق، العلامۃ الفہامۃ۔"

(الکرام البررۃ جلد اول ص ۲۹۱، تذکرۃ العلماء المحققین)

حامد حسین، سید، عشروی

۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء

۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

مولانا سید حامد حسین عشروی ابن سید غلام حسنین صاحب موضع عشری خرد (ضلع سیوان، بہار) کے رہنے والے تھے۔ اور اگرچہ بعد میں انہوں نے گونڈہ اور بہرائچ کو اپنا وطن بنالیا تھا لیکن اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ ''عشروی'' لکھتے رہے۔

والدین کے سایہ سے کمسنی ہی میں محروم ہوگئے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی حکیم سید محمد بشیر صاحب (صدرالافاضل) اور چھوٹے بھائی مولانا سید اظہار الحسنین صاحب (صدرالافاضل) تھے۔ والدین کی وفات کے بعد چچا اور چچی نے ان تینوں بھائیوں کی اس شفقت اور محبت سے پرورش کی جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

مولانا ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی سے حاصل کرنے کے بعد کھجوہ گئے جہاں مولانا سید محمد نقی صاحب سے عربی صرف ونحو اور منطق کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۴ء تک سلطان المدارس میں رہے۔ حالات نے ساتھ نہ دیا تو ۱۹۱۵ء میں مدرسۂ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا۔ وہیں سے ۱۹۱۹ء میں درس نظامی کی اعلی سند لی۔ ۱۹۲۰ء میں وہیں رہ کر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ۱۹۲۱ء میں منشی فاضل کی سندیں حاصل کیں۔

۱۹۲۲ء میں یوپی گورنمنٹ کے شعبہ تعلیم میں ملازمت شروع کی اور ایٹہ کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں عربی وفارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ پانچ سال بعد گونڈہ پہنچے جہاں تقریباً بیس سال قیام رہا۔ اس عرصہ میں گونڈہ میں اپنی جدوجہد سے ایک نہایت خوبصورت امام باڑہ بنوایا جس کا نام حسینیہ اتحاد المومنین رکھا۔

گونڈہ سے دیوریا ٹرانسفر ہوا جہاں چھ سال رہے اور پھر بہرائچ بھیجے گئے بہرائچ میں محلہ سید واڑہ کے حسینیہ قزلباش کو کسٹوڈین کے قبضے سے واگذار کرایا۔ اور کربلا اور اس کی بیش قیمت اراضی جو غاصبوں کے قبضے میں تھی اور عمارت تباہ ہوچکی تھی اُس کو اُن لوگوں کے قبضے سے نکال کر ازسرنو تعمیر کرایا اور مومنین کے حوالے کردیا۔ بہرائچ میں تیرہ سال فرائض منصبی انجام دینے کے بعد ۲ر اپریل ۱۹۶۲ء کو ریٹائرڈ ہوئے دوران تعلیم خصوصیت سے سرکار باقر العلوم اور سرکار ظہیر الملۃ کی سرپرستی حاصل رہی اور سرکار ناصر الملۃ اور سرکار نجم العلماء بھی بہت محبت فرماتے تھے۔

حج وزیارات

۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۳ء میں اور اس کے بعد تیسری بار عتبات عالیات کی زیارتیں کیں۔ اور دو بار حج سے بھی مشرف ہوئے۔ ۱۹۳۳ء والے سفر میں راقم الحروف سعید اختر رضوی کی نانی صاحبہ مرحومہ بھی ان کے ساتھ گئی تھیں۔

قومی خدمات

مولانا حامد حسین عشروی کی پوری زندگی قومی خدمات کا ایک مرقع ہے۔

انجمن وظیفہ سادات ومومنین

۱۹۱۹ء میں انہوں نے انجمن سے وظیفہ طلب کیا جو نہیں ملا۔ آپ نے اسی طالب العلمی کے دور میں ۱۹۲۰ء میں انجمن کی ممبری قبول کی اور پوری زندگی انجمن کی ترقی کی کوششوں میں لگے رہے۔ راقم الحروف کو انہیں نے مئی ۱۹۵۰ء میں انجمن کا ممبر بنا کر ہلور (ضلع بستی) کا لوکل سکریٹری بنایا تھا۔ میری طرح نہ جانے کتنے لوکل سکریٹری مولانا کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ مولانا انجمن کی کمیٹی کے ممبر اور بعد میں منصبی ممبر تھے۔ بیس سال کے بعد انجمن کے دوامی ممبر بھی ہوگئے۔ واپسی قرضہ حسنہ کے

شعبہ کے سکریٹری تھے اور لوکل سکریٹریوں کے نگراں بھی رہے۔ آخر میں انجمن کے نایب صدر منتخب ہوئے تھے۔

آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ

یتیم خانہ کے سنہ آغاز یعنی ۱۹۱۲ء سے ہمیشہ اس کے معین و مددگار رہے۔ ۱۹۵۵ء تک اسکی جنرل کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ جہاں بھی جاتے انجمن وظیفہ سادات و مومنین کی رسید بک اور ممبری فارم نیز یتیم خانہ کی رسید بک ضرور ساتھ رکھتے اور ہر وقت ان دونوں اداروں کیلئے امداد حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے۔

ان دونوں اداروں کے علاوہ آپ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے سرگرم کارکن تھے۔ مدرسۃ الواعظین کی دو کمیٹیوں کے ممبر تھے۔ امامیہ مشن کے رفیق کار اور تنظیم المکاتب کے دوامی ممبر تھے۔ جوگی پورہ، آگرہ اور دیگر تمام مشہور قومی اداروں سے وابستہ تھے۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۲ء تک انجمن عقد بیوگان کے سکریٹری رہے۔

آپ کے مضامین اخبار اثنا عشری (دہلی) ذو الفقار (لاہور) اخبار قرطاس، اخبار اتحاد (امروہہ) اور زمانہ (کانپور) میں نکلتے رہے تھے۔ اور اد و اعمال کا ایک مجموعہ "وظایف محمدیہ" بھی ترتیب دیا تھا جو دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔

شادیاں

آپ نے دو شادیاں کیں۔ آپ کی زوجہ اولی کی نانی صاحبہ راقم الحروف کے دادا سید مقبول حسین صاحب مرحوم کی بہن تھیں۔ اس طرح وہ رشتہ میں میری بہن ہوتی تھیں۔

اولاد

آپ نے آٹھ لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔

وفات

۹ مارچ ۱۹۹۰ء (=۱۱ شعبان ۱۴۱۰ھ) کو رحلت فرمائی اور حسینیہ اتحاد المسلمین گونڈہ میں دفن ہوئے۔

(ڈاکٹر سید منظور نقی فرزند مولانا حامد حسین عشروی و ذاتی معلومات)

حسن، سید، حائری

حاجی مولوی سید حسن حائری بمبئی کے مدرسۂ امین التجار میں مدرس اول تھے۔ ان کے ایک رسالہ "قمع المغالط" کا ذکر اصلاح جلد ۱۸ نمبر ۶ میں ہے جو اثبات معصومیت حضرت آدمؑ میں "نہایت مدلل اور مفصل لکھا گیا ہے۔"

حسن، سید، ابن مفتی صاحب

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء

منشی غلام علی خاں صاحب نے شیخ بہائی کے حالات میں مولانا سید حسن مرحوم یادگار جناب مفتی محمد عباس صاحب کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"مولانا مرحوم بڑے مقدس، زاہد اور مفتی تھے، بہ مقام بسواں ضلع سیتاپور ریاست عالیہ محمود آباد کی طرف سے امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے مقیم تھے۔ راقم الحروف کے حال پر از حد شفقت فرماتے تھے۔ جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے چند رسائل اور کلام منظوم کے قلمی مسودات کی نقل مرحمت فرمائی۔"

۱۲ جون ۱۹۱۲ء (=۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۳۰ھ) کو رحلت فرمائی۔

(اصلاح جلد ۳۲ نمبر ۵، جمادی الاول)

حسن، سید، نقوی، ملاذ العلماء

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء

۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء

مولانا سید محمد عرف میرن صاحب ابن مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ نے تین اولادیں یادگار چھوڑیں: مولانا سید علی نقوی، مولانا سید حسن نقوی اور مولانا سید حسین نقوی۔

مولانا سید حسن نقوی ۸ر دسمبر ۱۹۳۴ء (= یکم رمضان ۱۳۵۳ھ) کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسۂ ناظمیہ میں داخل ہوئے جہاں سے متوسط درجات کی تعلیم کے بعد سلطان المدارس میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۶ء میں صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ ۷ر نومبر ۱۹۵۷ء کو نجف اشرف پہنچے جہاں تحصیل علوم میں مشغول ہوگئے۔

آپ نے الہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم، فاضل، منشی، کامل کی سندیں حاصل کیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کیا اور شیعہ عربی کالج سے عماد الادب اور عماد التفسیر کی سندیں حاصل کیں۔

نجف اشرف سے واپسی کے بعد آپ ۱۹۶۱ء میں کینیا اور ۱۹۶۲ء میں پاکستان گئے۔ ۱۹۶۸ء میں کینیا اور تانزانیا کی جماعتوں میں مذہبی خدمات انجام دیئے۔ ۱۹۶۹ء میں ممباسا میں رہے۔ ۱۹۷۰ء میں انگلینڈ کا تبلیغی سفر کیا ۱۹۸۲ء میں وطن واپس آئے اور تیرہ چودہ سال کا زمانہ درس وتدریس، ذاکری اور تبلیغی خدمات میں گذارا۔

حج

آپ نے ۱۹۸۸ء، ۱۹۹۱ء اور ۱۹۹۴ء میں تین حج کیے۔

تصانیف

شرح رسائل (۲ جلدیں)، شرح کفایۃ الاصول، حاشیہ سیوطی، ایمانی نصاب، تشدد کا مقابلہ عدم تشدد سے، کون ہوں؟ کیا چاہتا ہوں؟ اور خطبات صدیقہ طاہرہ۔

وفات

مولانا ہمیشہ بیماری کا شکار رہے۔ مگر ۱۶ر اکتوبر کو ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی اور انہیں سنجے گاندھی میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخل کیا گیا۔ جہاں آپ نے ۱۸ر اکتوبر ۱۹۹۶ء مطابق ۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ بروز جمعہ صبح آٹھ بجے انتقال فرمایا۔

(ملاذ العلماء: ایک تعارف، مرتبہ عابد حسین حیدری و سید حسین اختر نقوی)

حسن، شیخ

..../....

بعد از ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء

شیخ حسن صاحب جناب سلطان العلماء سید محمد ابن غفران مآب کے شاگردوں میں ایک جید عالم تھے۔ آقائی بزرگ تہرانی نے سلطان العلماء کی تجوید کی کتاب "السبع المثانی" کا ایک مخطوطہ دیکھا تھا جو شیخ حسن ہندی نے ۱۲۳۹ھ میں لکھا تھا اور آخر میں یہ بھی ذکر کیا تھا کہ وہ مصنف کے شاگرد تھے۔

(الکرام البررۃ جلد اول ص ۳۰۲)

حسن، سید، نقوی، ملاذ العلماء

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء
۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء

مولانا سید محمد عرف میرن صاحب ابن مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ نے تین اولادیں یادگار چھوڑیں: مولانا سید علی نقوی، مولانا سید حسن نقوی اور مولانا سید حسین نقوی۔

مولانا سید حسن نقوی ۸ر دسمبر ۱۹۳۴ء (= یکم رمضان ۱۳۵۳ھ) کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسۂ ناظمیہ میں داخل ہوئے جہاں سے متوسط درجات کی تعلیم کے بعد سلطان المدارس میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۶ء میں صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ ۷ر نومبر ۱۹۵۷ء کو نجف اشرف پہنچے جہاں تحصیل علوم میں مشغول ہوگئے۔

آپ نے الہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم، فاضل، منشی، کامل کی سندیں حاصل کیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کیا اور شیعہ عربی کالج سے عماد الادب اور عماد التفسیر کی سندیں حاصل کیں۔

نجف اشرف سے واپسی کے بعد آپ ۱۹۶۱ء میں کینیا اور ۱۹۶۳ء میں پاکستان گئے۔ ۱۹۶۹ء میں کینیا اور تانزانیا کی جماعتوں میں مذہبی خدمات انجام دیے۔ ۱۹۶۹ء میں ممباسا میں رہے۔ ۱۹۷۵ء میں انگلینڈ کا تبلیغی سفر کیا ۱۹۸۲ء میں وطن واپس آئے اور تیرہ چودہ سال کا زمانہ درس و تدریس، ذاکری اور تبلیغی خدمات میں گذارا۔

حج

آپ نے ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۱ء اور ۱۹۹۳ء میں تین حج کئے۔

تصانیف

شرح رسائل (۲ جلدیں)، شرح کفایۃ الاصول، حاشیہ سیوطی، ایمانی نصاب، تشدد کا مقابلہ عدم تشدد سے، کون ہوں؟ کیا چاہتا ہوں؟ اور خطبات صدیقہ طاہرہ۔

وفات

مولانا ہمیشہ بیماری کا شکار رہے۔ مگر ۱۶ر اکتوبر کو ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی اور انہیں سنجے گاندھی میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخل کیا گیا۔ جہاں آپ نے ۱۸ر اکتوبر ۱۹۹۶ء مطابق ۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ بروز جمعہ صبح آٹھ بجے انتقال فرمایا۔

(ملاذ العلماء: ایک تعارف، مرتبہ عابد حسین حیدری، سید حسین اختر نقوی)

حسن، شیخ

بعد از ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء

شیخ حسن صاحب جناب سلطان العلماء سید محمد ابن غفران مآب کے شاگردوں میں ایک جید عالم تھے۔ آقائی بزرگ تہرانی نے سلطان العلماء کی تجوید کی کتاب "السبع الثانی" کا ایک مخطوطہ دیکھا تھا جو شیخ حسن ہندی نے ۱۲۳۹ھ میں لکھا تھا اور آخر میں یہ بھی ذکر کیا تھا کہ وہ مصنف کے شاگرد تھے۔

(الکرام البررۃ جلد اول ص ۳۰۲)

حسن رضا، سید

م ۱۳۵۳ھ [illegible] ۱۹۳۵ء

مولانا سید حسن رضا عرف مولوی رحمٰن صاحب جناب سید عبدالرضا صاحب ساکن محلہ بھدوں (بنارس) کے فرزند تھے۔ آپ نے مدرسۂ ایمانیہ (بنارس) میں تعلیم حاصل کی اور وہیں مدرس ہوگئے۔ ۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء میں حج سے مشرف ہوئے۔ اور وہاں سے واپس آکر پھر مدرسۂ مذکورہ میں درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ آپ بنارس میں امامت جمعہ و جماعت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ آپ نہایت ہی متقی اور پاکیزہ کردار کے حامل تھے جس کی وجہ سے شہر کے شیعہ اور سنی دونوں ہی آپ کے بہت ہی معتقد تھے۔

آپ جواد العلماء مولانا سید علی جواد صاحب کے شاگرد اور معتقد خاص تھے۔ مولانا آپکو "اعلیحضرت" کہکر مخاطب کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ ۱۹۲۷ء میں ہجرت کرکے کربلائے معلی چلے گئے تو جواد العلماء نے آپ کو کئی خطوط لکھے کہ واپس آجائیں۔ آخرکار خود جاکر آپ کو اپنے ساتھ واپس لائے۔

۱۹۳۰ء میں مولانا محمد سجاد صاحب نے انتقال فرمایا۔ ۱۹۳۲ء میں مولانا رحمٰن صاحب اپنی والدہ اور عیال کے ساتھ دوبارہ ہجرت کرکے کربلائے معلی چلے گئے جہاں" غالباً ۵-۳-۱۹۳۲ء میں انتقال فرمایا۔"

مولانا کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد ان کی والدہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ چونکہ وصیت نامہ میں مولانا نے اپنی اہلیہ کو وطن واپس جانے کی ہدایت کی تھی اسلئے وہ واپس آگئیں۔ "وصیت نامہ میں ایک خصوصیت یہ دیکھنے کو ملی کہ موصوف نے اپنی اور اپنی والدہ کی تاریخ وفات جو تحریر فرمائی تھی انہیں

تاریخوں میں انتقال فرمایا تھا۔"

تلامذہ

یوں تو آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت لمبی ہے مگر حسب ذیل تلامذہ کے اسمائے گرامی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں:

مولانا محمد سجاد صاحب، علامہ مجتبیٰ حسن کاموںپوری، مولوی سید فرحت حسین بنارسی، اور ظفر الملۃ مولانا سید ظفر الحسن صاحب۔ ظفر الملۃ کو اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ جملہ علوم کے ساتھ ساتھ علم جفر کی خصوصی تعلیم دی۔ نیز دوبارہ ہجرت سے قبل ظفر الملۃ سے ملاقات کیلئے لکھنؤ تشریف لے گئے جہاں وہ زیر تعلیم تھے۔

(سید مظاہر صاحب بنارسی، مولانا کے بھانجے)

حسن سعید، سید، قاضی

م ۱۰۱۵ھ [illegible]

قاضی سید حسن سعید خاں، مفتی سید مبارک کے نبیرہ اور سید محمد سعید خاں کے فرزند تھے۔ ان کا خاندان جونپور کے علمی دائرہ کا مرکز تھا۔ انھوں نے اپنے خاندان کے علماء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور جلد ہی نامور افاضل میں شمار ہونے لگے۔ ہر علم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

پہلے جونپور کے مفتی مقرر ہوئے۔ پھر وہیں قاضی مقرر کئے گئے۔ جب ان کے والد دہلی میں امرائے دربار سلطانی میں داخل ہوئے تو قاضی حسن سعید کو بھی اسی ذریعے سے مرتبہ اور منصب مل

ترقی حاصل ہوئی۔ خان کا خطاب ملا اور دہلی میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور آخر عمر تک اسی عہدہ پر رہے۔

۱۱۵۷ھ (= ۱۷۴۴ء) میں دہلی میں رحلت فرمائی، کچھ عرصہ بعد ان کی لاش کو جونپور لا کر سپرد خاک کیا گیا۔

(تکملہ نجوم السماء، جلد اول، ص ۱۷)

حسن نواب، سید، نونہردی

..../....

۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

مولانا سید حسن نواب صاحب نونہردی مرحوم علماء میں ایک نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ ہندوستان کے بعد نجف اشرف میں تعلیم حاصل کی۔ نجف سے واپس آکر قوم کی خدمت میں منہمک ہو گئے اور مختلف مقامات پر اپنے فریضۂ دینی کو ادا کرتے رہے۔ آپ نے گجرات کے دور قیام میں بہت سے گم گشتگان راہ حق کو اپنے حسن عمل اور حسن تبلیغ سے راہ ہدایت دکھائی۔ آخر کار ۴؍ جون ۱۹۹۰ء (= ۱۰؍ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ) کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

(الجواد، جلد ۲۴، نمبر ۲، فروری ۱۹۹۰ء)

حسین، سید، گریاںؔ

حکیم سید حسین المتخلص بہ گریاںؔ زیدی لکھنوی ابن سید محمد صاحب۔ آپ کے دو تصانیف سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے:

(۱) مصائب الابرار۔ یہ بحار الانوار کی دسویں جلد کا اردو ترجمہ ہے اور چھپ چکا ہے۔

(۲) مجالس حسینیہ۔ جس پر سید ذاکر حسین کی تقریظ ہے۔ اس کا ذکر الذریعہ اور اصلاح جلد ۱۶ میں ہے۔

حسین احمد، سید، بارہوی

..../....

۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

مولانا سید حسین احمد صاحب بارہوی مذہب حقہ جعفریہ کے بے لوث مبلغ تھے اور مومنین کو پابند نماز بنانے کیلئے مدت العمر نہایت دل سوزی کے ساتھ کوشاں رہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے "اصلاح المصلین" اور "معراج الصلوٰۃ" دو کتابیں بھی تصنیف کیں جو بعد اشاعت علماء و مومنین میں بہت مقبول ہوئیں۔ آپ نے ان دونوں کتابوں کو اشاعت کیلئے امامیہ مشن، لاہور کو دیدیا اور اس کے لئے ایک خطیر رقم بھی عنایت کی۔

اواخر اکتوبر ۱۹۷۶ء (= ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ) میں رحلت فرمائی۔

(پیام عمل، لاہور، جلد ۲۰، نمبر ۱۰، محرم الحرام ۱۳۹۵ھ)

حسین علی، سید

رسالۂ اصلاح (محرم ۱۳۲۲ھ) میں سکریٹری مدرسہ مشارع، الشرائع (ناظمیہ) کی ایک تحریر چھپی تھی۔ نواب سید نصیر حسین خاں خیال عظیم آبادی (کلکتہ) نے ایک سوال کیا تھا اس کے جواب میں سکریٹری صاحب موصوف نے قیام مدرسہ (۱۳۰۸ھ) سے ۱۳۲۱ھ تک کے چند فارغ التحصیل حضرات کے اسمائے گرامی شائع کئے تھے۔ ان میں نواں نام "مولوی سید حسین علی، مدرس و پیش نماز در سندیلہ" کا ہے۔

حسین علی، خاں

....../......

بعد ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء

آپ کنتور کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۳۸ھ میں نواب معتمد الدولہ سید محمد بہادر ضیغم جنگ وزیر کے نام پر فارسی میں اثبات امامت ائمہ طاہرین و مطاعن مخالفین کے موضوع پر معتمد الشیعۃ لکھی جس کا تاریخی نام فوایداثناعشریہ ہے اس کا نسخہ مجلس شوریٰ، تہران، کے کتب خانہ میں ۱۲۴۸ھ کا لکھا ہوا ۱۵۲ صفحہ کا موجود ہے۔ ایک دوسرا رسالہ فارسی ہی میں معتمد الکلام کے نام سے فاضل رشید کے رسالہ ایضاح لطافۃ المقال کے جواب میں لکھا تھا۔ آپ نے ۱۲۴۰ھ کے بعد رحلت فرمائی۔

(الکرام البررۃ جلد اول ص ۴۳۷)

حسین علی سبزواری

مولانا حاجی حسین علی صاحب سبزواری مدرسۃ الاسلام (کراچی) میں شیعہ دینیات کے مدرس تھے جیسا کہ رسالۂ شیعہ (کجھوہ) ماہ مئی ۱۹۱۱ء سے معلوم ہوتا ہے۔

حفاظت حسین، سید، بھیک پوری

۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء

۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء

مولانا سید حفاظت حسین صاحب، سید محمد ابراہیم صاحب (متوفی ۱۸۹۷ء) کے صاحبزادے تھے جو اپنے والد کی وفات کے تین ماہ بعد ۳۱ر دسمبر ۱۸۹۷ء (=۶ر شعبان ۱۳۱۵ھ) کو پیدا ہوئے۔ آپ ابوالخلیل مولانا سید راحت حسین کے چھوٹے بھائی اور راقم الحروف کی نانی صاحبہ مرحومہ کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ کے عنفوان شباب میں آپ کی والدہ معظمہ اپنے بہنوئی مولانا سید محمد مہدی (صاحب لواعج الاحزان) کے ساتھ زیارت عتبات عالیات کیلئے تشریف لے گئی تھیں اور واپسی کے دوران مشہد مقدس میں وفات پائی اور روضہ مبارک کے صحن میں مدفون ہوئیں۔

تعلیم

وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ ایمانیہ (مظفر پور) میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد کئی سال تک مدرسۂ سلیمانیہ پٹنہ میں رہے۔ پھر سلطان المدارس تشریف لے گئے جہاں سے صدر الافاضل کیا۔ اسی دوران علم طب بھی حاصل کیا۔ بورڈ کے کچھ امتحانات دیئے۔ پھر کانپور اور رام پور

سے ہوتے ہوئے پنجاب پہنچے اور مولوی فاضل کی سند حاصل کی۔ بعد کے دور میں پٹنہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کے اردو ادب کا امتحان دیا۔

ملازمت

۱۹۲۰ء سے ۱۹۵۲ء تک بہار کے مختلف ضلع ہائی اسکولوں میں ہیڈ مولوی کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ کی آخری پوسٹنگ مظفر پور کے ضلع اسکول میں تھی۔ آپ پٹنہ یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیزان عربک کے ممبر بھی تھے۔

مظفر پور کی جامع مسجد (محلہ کمرہ) میں آپ پیش نماز رہے، آپ بہترین معلم اور باعمل عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پایہ کے ذاکر بھی تھے۔ نہایت خلیق، منکسر المزاج اور خود دار انسان تھے۔ وقت کے قدرداں تھے اور ضروری مشغولیات کے بعد اپنا سارا وقت مطالعہ اور تصنیف میں صرف کرتے تھے۔

تصانیف

آپ کے صاحبزادے سید آل ابراہیم صاحب کی تحریر کے مطابق آپ نے اسی ۸۰ کتابیں لکھیں۔ ان میں بہت سی اسکول کی درسی کتابیں تھیں۔ علمی کتابوں میں چھ شائع ہوئیں، بارہ مخطوطات ان کے صاحبزادے کے پاس ہیں۔ باقی یا تو ضایع ہوگئیں یا ان کا پتہ نہیں چلتا۔

مطبوعہ کتابیں

(۱) فدک (۲) چہاردہ معصوم (۳) مثنوی مژدۂ مومنان (۴) مثنوی یادگار ذبح عظیم (۵) ۱۶ صفحہ کا ایک منظوم رسالہ "بھیک پور" (۶) تفسیر آیۂ تطہیر جو رسالۂ اصلاح میں بطور ضمیمہ چھپتی تھی۔

غیر مطبوعہ کتابوں میں سب سے اہم تفسیر معارف قرآن (بہ زبان اردو) ہے جس کی پانچ

جلدیں بارش کے پانی سے برباد ہونے سے بچ گئی ہیں۔ (۲) ذکر الثقلین (دس جلدوں میں) (۳) دستور الواعظین (۴) حضرت محمد رسول اللہؐ (۵) چہاردہ معصومینؑ کے خرق عادات (دو جلدوں میں) (۶) مواعظ القرآن (تین جلدیں) اور قصیدوں اور نوحوں کے مختلف مجموعے۔

وفات

۱۰ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو وطن بھیک پور میں انتقال فرمایا۔

(سید آل ابراہیم فرزند، ذاتی معلومات، الجواد، اصلاح، الذریعہ)

حمزہ علی، سید

—/—

۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء

حاجی حکیم سید حمزہ علی صاحب، امروہہ کے رئیس اور صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ عجب اوصاف حمیدہ کے مجموعہ تھے۔

۲۸ر رجب ۱۳۴۳ھ (= ۲۲ر فروری ۱۹۲۵ء) کو انتقال فرمایا۔

(اصلاح)

حیات علی

اصلاح ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ میں جناب مولوی حیات علی صاحب کا نام بطور مدرس مدرسہ سلطان المدارس (لکھنؤ) ملتا ہے۔

خادم حسین، الفاضل الہندی

نواب محسن الملک نے شیعوں کی رد میں آیات بینات لکھی تھی۔ اس کا جواب مولوی خادم حسین صاحب نے رمی الجمرات کے نام سے تین جلدوں میں لکھکر شائع کیا۔

جب پیر صاحب قطب شاہ (سنی) نے رمی الجمرات کا جواب شوائظ البرقات کے نام سے لکھا تو مشہور شیعہ مناظر مرزا احمد علی صاحب امرتسری نے اس کے جواب میں مفاتح البرکات لکھی۔

سید خالق بخش

آپ مدرسۂ ایمانیہ (مظفر پور) میں مدرسِ دوم تھے (صاحب لواعج الاحزان مولانا سید محمد مہدی صاحب مدرس اعلیٰ تھے)۔ جب صدر المفسرین مولانا سید راحت حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ ۱۳۱۲ھ میں مدرسۂ مذکور میں داخل ہوئے تو مولانا سید خالق بخش صاحب مرحوم سے شرح مأۃ عامل پڑھی۔

(دیباچہ توشۂ آخرت)

خوب اللہ، قاضی، جونپوری

۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء

قاضی خوب اللہ ملا محمد حفیظ جونپوری کے نبیرہ تھے۔ ان کی ذات گنجینۂ علوم تھی، افضل المحدثین سمجھے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو گیارہ سو حدیثیں مع اسناد یاد تھیں۔ شاہ دہلی کی طرف سے آپ کو الہ آباد میں قاضی القضاۃ معین کیا گیا تھا۔ اور آپ نے یہ اہم ذمہ داری بہ احسن وجوہ نباہی۔

جب نواب شجاع الدولہ الہ آباد گئے تو قاضی صاحب موصوف سے ملاقات ہوئی۔ شجاع الدولہ نے نام پوچھا تو بتایا: خوب اللہ، نواب نے کہا کہ خوب فارسی لفظ ہے اور اللہ عربی ہے۔ یہ ترکیب کیونکر درست ہوسکتی ہے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ نام کا بامعنی ہونا ضروری نہیں ہے۔ نواب نے کہا کہ قاضی اور اس کا نام بے معنی ہو؟ یعنی چہ؟ قاضی خوب اللہ نے کہا: جب میرا یہ نام رکھا گیا اس وقت میں قاضی نہیں تھا۔ شجاع الدولہ اس جواب پر ہنسے اور ان کو گلے لگایا۔

ایک روز قاضی خوب اللہ قاضی ثناء اللہ جونپوری کی ملاقات کیلئے گئے۔ دونوں میں بہت دوستی تھی۔ رسمی تعارفات کے بعد خدمتگار کو اشارہ کیا کہ حقہ لائے۔ قاضی ثناء اللہ نے حقہ اور تنبا کو کی مذمت میں کچھ باتیں کہیں۔

قاضی خوب اللہ نے فی البدیہہ یہ قطعہ نظم کر کے پڑھا

تنبا کو اگر چہ ہست زیاں کار بے زاو فائدہ ہیچ کہ ندیدہ است کے
آخر بہ ازیں چہ خوب باشد کہ ترا خاموش کند زہر زہ گفتن نفسے

(تنبا کو اگر چہ بہت نقصان دہ ہے اور اس سے کسی نے کبھی کوئی فائدہ نہیں پایا ہے۔ لیکن اس

سے بہتر کیا اچھائی ہو سکتی ہے کہ تم کو تھوڑی دیر کیلئے فضول بکواس سے باز رکھتا ہے؟"

وفات

۱۳ر شعبان ۱۴۰۹ھ (= ۲۴ر مئی ۱۹۸۹ء) میں عالم آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔

(تکملہ نجوم السماء جلد اول ص ۱۵)

خیر الدین محمد، سید

۔۔۔/

بعد از ۱۲۱۳ھ/۱۸۰۰ء

مولانا سید خیر الدین محمد اصلاً الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی۔ اسکے بعد جونپور تشریف لے گئے اور ایک عرصہ تک حصول علم میں لگے رہے یہاں تک کہ "علمائے متبحر و فضلائے نامور" میں شمار ہونے لگا۔ پھر درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور بہت سے طلبہ کو فیض پہنچایا۔ آپ شاعر بھی تھے اور صاحب تصانیف بھی۔ ایک اہم تصنیف علمائے جونپور کے حالات میں "تذکرۃ العلماء" ہے۔

قاضی اطہر مبارک پوری نے مولوی خیر الدین محمد کے بارے میں لکھا ہے:

"مولوی خیر الدین محمد شیعی الہ آبادی جونپوری کا بیان کافی ہے۔ وہ جہاندار شاہ کی خدمت میں رہے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کی ہے۔ نواب آصف الدولہ کی دعوت پر لکھنؤ جا چکے ہیں۔ الہ آباد اور جونپور میں تعلیمی خدمت انجام دی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب تذکرۃ العلماء ۱۲۱۳ھ میں تالیف کی ہے۔"

اوپر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے الہ آباد کی سکونت ترک کر کے جونپور کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ اور بعد انتقال جونپور ہی میں دفن ہوئے۔ آپ کی اولاد شہر الہ آباد (دائرہ شاہ اجمل) میں آباد ہے۔

(تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ص مصنفہ سید اقبال احمد جونپوری)

خیر اللہ، قاضی، جونپوری

قاضی خیر اللہ صاحب مفتی سید مبارک جونپوری کے چھوٹے فرزند تھے۔ تمام علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کئے اور تھوڑی ہی مدت میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

آپ جونپور کے قاضی مقرر کئے گئے۔ درس و تدریس اور اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے علاوہ کسی دوسرے کام میں دلچسپی نہ تھی۔ جونپور ہی میں وفات پائی۔ سنہ وفات معلوم نہیں۔

(تکملہ نجوم السماء، جلد اول ص ۱۹)

دلبر حسن، سید، نونہروی

ولادت ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء

۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

مولانا سید دلبر حسن صاحب نونہروی، مولانا سید محمد جواد صاحب نونہروی کے فرزند اور نادرۃ الزمن مولانا سید ابن حسن نونہروی کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی خدمت دین میں صرف کر دی۔ عرصہ دراز تک بھاونگر (گجرات) میں امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے مقیم رہے۔

۱۹۶۵ء میں آپ دو سال کیلئے تانزانیا تشریف لے گئے۔ (مولانا کا پرمٹ سپریم کاؤنسل کی طرف سے میں نے ہی بنوایا تھا لیکن ملاقات ان کے ورود دار السلام کے بعد ہوئی۔) افریقہ سے واپس جا کر تقریباً پانچ سال تک کلکتہ کی بصراوی مسجد میں امامت جمعہ و جماعت کی ذمہ داری سنبھالی۔ محفل حیدری (کلکتہ) میں خطابت فرماتے تھے۔

۸۲ سال کی عمر میں ۲۲؍جنوری ۱۹۸۳ء (= ۷؍ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ) کو لکھنؤ میں وفات پائی۔ ۸۲ سال کی عمر کے مطابق مولانا کی پیدائش حدود ۱۹۰۱ء میں ہوئی ہوگی۔

(سبطین آباد ٹرسٹ گزٹ (کلکتہ) جلد ۲، شمارہ ۱، مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ و ذاتی معلومات)

دلدار حسین، مفتی، بلگرامی

/

قبل از ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء

مفتی سید دلدار حسین ابن سید عسکری ابن سید علی رضا ترمذی داعی پوری اصل میں بلگرام کے رہنے والے تھے اور وہیں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ آقائی بزرگ تہرانیؒ نے آپ کو "عالم جلیل ومولف فاضل" لکھا ہے۔ آقائی بزرگ نے ان کو سلطان العلماء سید محمد کا معاصر اور مرتضی حسین فاضل نے مطلع انوار میں ان کو سلطان العلماء کا شاگرد لکھا ہے۔ سلطان العلماء نے ان کو حکومت اودھ میں مفتی کا عہدہ دلوایا تھا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد آپ عراق چلے گئے۔

تصانیف

آپ نے منتہی الکلام کی رد میں حجۃ الاسلام (بہ زبان فارسی) لکھی تھی جو سلطان العلماء

(متوفی ۱۲۸۴ھ) کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔

اولاد

آپ کے تین فرزند تھے:

(۱) سید محمد تقی جنہوں نے حکیم علی محمد سے طب پڑھی اور استاد نے ان کو ۱۲۸۵ھ میں طب کا اجازہ دیا۔ اس اجازہ میں سید محمد تقی کے والد بزرگوار مفتی سید دلدار حسین کے جوار سید الشہداء میں دفن ہونے کا ذکر ہے۔ اس بنا پر آقائے بزرگ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مفتی سید دلدار حسین ۱۲۸۴ھ اور ۱۲۸۵ھ کے درمیان فوت ہوئے تھے۔ لیکن یہ خیال اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ انہوں نے "حجۃ الاسلام" سلطان العلماء کی زندگی کے آخری سال میں لکھی تھی۔ بہرحال اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کربلائے معلی میں دفن ہوئے۔

(۲) سید محمد رضا۔ جن کی ایک تصنیف آداب المجالس ہے۔

(۳) سید علی نقی، تیسرے بیٹے کا ذکر مطلع انوار میں ہے کہ وہ ۱۳۰۶ھ میں زندہ تھے اور رسالہ تحفۂ سلیمانیہ پر ان کی تقریظ سے ان کے علم پر روشنی پڑتی ہے۔

(الکرام البررۃ جلد دوم، ص ۵۱۸، مطلع انوار)

ولدار حسین، سید

..../....

۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء

مولانا حکیم سید ولدار حسین صاحب عظیم آباد (محلّہ نوزر کٹرہ) میں رہتے تھے۔ سلطان المدارس لکھنؤ سے صدر الافاضل کی اعلیٰ سند حاصل کرنے کے بعد حدود ۱۹۳۹ء میں مدرسہ عباسیہ پٹنہ میں مدرس مقرر ہوئے۔

اسکے بعد مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ علمی صلاحیت کے علاوہ قومی کاموں سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ آپ ذاکر اہلبیت بھی تھے۔ آپ نہایت خلیق اور ملنسار، نہایت صاف گو اور بے باک تھے۔

۱۹۵۵ء میں جب انجمن معین العزا پٹنہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے اہم بانیوں میں تھے۔

آپ کا انتقال ۱۹۵۷ء (=۸-۱۳۷۷ھ) میں ہوا۔

صاحب مطلع انوار کو "ان کے احوال نہیں مل سکے"

(تذکرۂ شیعہ علماء وافاضل - ذاتی معلومات)

دوست محمد، مرزا

..../....

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء

"مرزا دوست محمد صاحب کربلائی، حیدر آباد سندھ میں نہایت باعلم تھے گویا تمامی اہل سندھ کے مرجع تھے۔ شب و روز مخالفین سے مناظرہ میں مشغول رہتے۔ مولوی سعد اللہ (سنی) کے مناظرہ میں دو سو صفحہ کی کتاب لکھی۔ دیکھئے اب اس کے چھپنے کا کیا سامان ہوتا ہے (خداوند عالم ان کے فرزند مرزا گل حسن صاحب کو اس کی توفیق دے کہ وہ اپنے والد مرحوم کی اس یادگار کو جلد چھپوادیں۔) ......

افسوس کہ وہ بھی مومنین کو بے دست و پا کر کے عین عاشور کو ۵ بجے شام کے وقت راہ گرائے خلد بریں ہوئے۔"

اوپر کا بیان رسالۂ اصلاح ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ سے ماخوذ ہے۔ یہ پرچہ بہت تاخیر سے یعنی ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ کے بعد چھپا تھا (جیسا کہ اس کے مندرجات سے صاف ظاہر ہے) اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا دوست محمد صاحب کا انتقال ۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ (= ۲۴ ستمبر ۱۹۲۰ء) کو ہوا۔

ذاکر حسین، اختؔر، بھریلوی

۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء

حکیم سید ذاکر حسین اختر بھریلوی، بھریلی ضلع انبالہ (پنجاب) کے رہنے والے مشہور صحافی اور صاحب قلم تھے۔ اخبار اثنا عشری (دہلی) کے مدیر تھے لیکن ۱۳۳۶ھ کے پہلے اس سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ اصلاح (ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت ماہنامہ عرفان بھریلی سے

نکالتے تھے۔ اسی پرچہ میں آپ کے نام کے ساتھ "سابق ایڈیٹر اخبار امامیہ، لکھنؤ" لکھا ہے۔ اس طرح مختلف اوقات میں ان کے زیر ادارت نکلنے والے دو اخباروں اور ایک ماہنامہ کا پتہ چلتا ہے۔

تصانیف:

(۱) نہج البلاغہ کا اردو ترجمہ "نیرنگ فصاحت" کے نام سے کیا جو مطبع یوسفی، دہلی سے شائع ہوا۔ سنہ طباعت درج نہیں ہے لیکن اس کا ایک نسخہ اکتوبر ۱۹۱۰ء میں زنجبار پہنچ چکا تھا جو اب میرے پاس ہے۔ یہ ترجمہ ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں عربی متن نہیں ہے۔

(۲) ان کی ایک اور مختصر تالیف "خونابۂ اشک" میرے پاس ہے جو برکات محرم فنڈ کے سلسلے کا آٹھواں رسالہ ہے۔ یہ ۱۳۳۱ھ میں مطبع یوسفی، دہلی۔ سے شائع ہوا تھا۔

(۳) الذریعہ جلد ۱۴ میں ان کی ایک تصنیف "سیرۃ فاطمۃ الصدیقۃ" کا ذکر ملتا ہے۔

(۴) الذریعہ ہی میں ان کے اک اور رسالہ "ہمارے مرتضیٰ کی شان" کا ذکر ہے۔

ملاحظہ:

الذریعہ میں ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے: "فتح الغالب فی رد شرح المطالب" جس پر بہت سے علماء کی تقریظیں ہیں اور اس کے مصنف کا نام ہے:

سید ذاکر حسین بن السید احمد حسین اللکھنوی الطبیب المخصوص لممتاز الملک المیرزا جعفر علی خان"

یہ کتاب ۱۳۲۹ھ میں چھپی تھی۔ مصنفوں کے وطن کی نسبتوں کے فرق (بھریلوی اور لکھنوی) سے گمان قوی ہوتا ہے کہ یہ دو علیحدہ شخصیتیں تھیں۔

ذاکر حسین، فاروقی

ذاکر حسین فاروقی خطیب، ذاکر، ادیب، جرنلسٹ اور ماہر تعلیم تھے۔ میری اور ان کی پہلی ملاقات شہر لنڈی (ٹانگانیکا۔ اب تانزانیا) میں ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ "فاروقی" کیونکر ہو گئے (ویسے وہ غیر سید تو تھے) کہنے لگے کہ ۱۹۳۹ء کے لکھنؤ کے ایجی ٹیشن کے زمانے میں اہل سنت کی طرف سے ہر دوسرے تیسرے روز بڑے بڑے پوسٹر چھپتے تھے جن میں "مولانا عبد الشکور فاروقی" کی تقریروں کا اعلان ہوتا تھا۔ ادارۂ تنظیم المومنین (لکھنؤ) کو ان کے مقابلے کے لئے کسی فاروقی کی ضرورت تھی۔ قرعۂ فال ذاکر حسین کے نام پر پڑا اور اب شیعوں کی طرف سے "مولانا ذاکر حسین فاروقی" کی تقریروں کے پوسٹر نکلنے لگے اور یہ نام اس طرح چپکا کہ وہ آخر عمر تک فاروقی رہ گئے۔

وہ بی اے کر کے روزنامہ انقلاب (بمبئی) کے سب ایڈیٹر ہو گئے۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں مشرقی افریقہ ذاکری کیلئے بلائے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے سپریم کاؤنسل کی طرف سے زنجبار، ٹانگانیکا، کینیا اور یوگانڈا کا دورہ کیا۔ اور کاؤنسل کیلئے دینیات کی پانچ کتابیں اردو میں لکھیں (یہ کتابیں کاؤنسل کی طرف سے کراچی میں چھپیں) ان سب کاموں میں وہ ایک سال سے زیادہ مشرقی افریقہ میں مقیم رہے۔ پھر بمبئی واپس چلے گئے۔

انھوں نے بمبئی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرنے کی اسپیشل اجازت حاصل کی (کیونکہ وہ صرف بی اے تھے) ان کا موضوع تھا "مرزا دبیر کے تلامذہ" اس تحقیقی کام کے بعد وہ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی پی ایچ ڈی ہو گئے۔ وہی کتاب "دبستان دبیر" کے نام سے متعدد بار چھپ چکی ہے۔

ان کا ایک اور شاہکار ہے "فتح مبین" اس میں یہ دکھایا ہے کہ کربلا میں اصل فتح حسین اور

حسین والوں کی ہوئی تھی۔

راقم الحروف سے بہت مخلصانہ تعلقات تھے۔

(ذاتی معلومات)

ذوالفقار علی، رضوی، عظیم آبادی

---/---

بعد ۱۲۳۹ / بعد ۱۸۲۴

میرے کتب خانہ ریاض معارف میں ایک مخطوطہ ہے۔ زاد العاقبت۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سید ذوالفقار علی رضوی عظیم آبادی نے علامہ مجلسیؒ کی زاد المعاد کا اردو میں ملخص ترجمہ کیا ہے۔ یکم رجب ۱۲۳۹ھ کو یہ ترجمہ تمام ہوا اور ۴ر جمادی الاولی ۱۲۴۳ھ (مطابق ۲۰ راگست ۱۲۳۵ فصلی) کو اسکی کتابت تمام ہوئی۔ کاتب نجف علی تھے جن کے لکھے ہوئے بہت سے مخطوطات میرے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

سید ذوالفقار علی محلہ گولک پور عظیم آباد کے رہنے والے تھے اور غالباً کتاب کی کتابت کے وقت زندہ تھے۔ اس سے زیادہ کوئی حال معلوم نہ ہوسکا۔

ذیشان حیدر، جوادی، علامہ

۱۳۵۷ / ۱۹۳۸

۱۴۲۱ / ۲۰۰۰

مولانا سید ذیشان حیدر جوادی اپنے وطن مالوف کراری (ضلع الہ آباد) میں ۲۲ر رجب ۱۳۵۷ھ / ۱۷ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا محمد جواد صاحب علم و فضل میں نمایاں تھے اور جلالی (ضلع علیگڈھ) میں بہت دنوں تک فیض پہنچایا۔ وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد وہ مدرسہ ناظمیہ میں داخل ہوئے۔ ابھی نویں درجہ (قابل) میں تھے کہ نجف اشرف چلے گئے۔ نجف میں تقریباً دس سال تحصیل علم و کمال میں صرف کئے اور آیۃ اللہ سید محمد باقر صدر شہید اور آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی نیز آیۃ اللہ العظمیٰ سید محسن الحکیم طباطبائی سے کسب فیض کیا خصوصاً سید باقر صدر سے بہت زیادہ قریب رہے اور وہ مرحوم بھی ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔

۱۹۶۵ یا ۱۹۶۶ میں وہ ہندوستان واپس آئے اور ایک عرصہ تک مظفر پور (بہار) کی کمرہ جامع مسجد میں پیش نماز رہے۔

تحریری کام آپ نے زمانۂ طالب العلمی سے شروع کردیئے تھے۔ موصوف کے صاحبزادے سید احسان حیدر جوادی صاحب سلمہ نے اپنے مضمون "والد علام کی پہلی کتاب" (تنظیم المکاتب) میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مرحوم کی پہلی کتاب "ترجمہ کتاب سلیم بن قیس" ہے جوانھوں نے "اوائل دور طالبعلمی میں کیا تھا" اس کے مقدمے کے خاتمہ پر ذکر شدہ تاریخ یکم ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ ہے (یعنی ۶ر اپریل ۱۹۶۲ء)۔

جوادی صاحب سلمہ نے اسی مضمون میں یہ لکھا ہے کہ ان کے والد مرحوم کی تحریر کردہ کتب (تصنیف و تالیف یا ترجمہ) کی تعداد تین سو سے زائد ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اکثر کتابیں نایاب ہو چکی

ہیں۔

ابو طالب مومن قریش (استاد عبداللہ خنیزی کی تصنیف) کا ترجمہ انھوں نے ۱۹۶۴ء میں پندرہ دن کے اندر کیا تھا۔

انھوں نے سید باقر الصدر شہید کی کتابوں۔ اقتصادنا اور البنک الاربوی فی الاسلام اور فلسفتنا۔ کے ترجمے کئے۔ استاد آیۃ اللہ حیدر کی الامام الصادق والمذاہب الاربعۃ کا ترجمہ، حجۃ الاسلام محمد محمدی ری شہری کی عربی کتاب کا ترجمہ (اہلبیت علیہم السلام کتاب وسنت کی روشنی میں)، شیخ صدوق کی کتاب الخصال کا خلاصہ (انوار عصمت)، شیخ مفید کے خلیفہ حسین بن محمد حلوانی کی کتاب نزہۃ الناظر وتنبیہ الخواطر کا ترجمہ (تہذیب قلب ونظر)، علامہ سید مرتضی عسکری کی کتاب معالم المدرستین کی پہلی جلد کا ترجمہ (مکاتب خلافت وامامت کے امتیازی نشانات) اور دوسری اور تیسری جلد کی تلخیص وترجمہ (خطائے اجتہادی کی کرشمہ سازیاں)، استاد احمد حسین یعقوب کی نظریۃ عدالۃ الصحابۃ کا ترجمہ (نظریہ عدالت صحابہ)، علامہ امینی کی سیرتنا وسنتنا کا ترجمہ (ہماری عزاداری) یہ ان کے چند اہم ترجمے ہیں جو سب کے سب شائع ہو چکے ہیں۔

ان کے دیگر تصنیفات میں جو چند نام مجھے مل سکے وہ یہ ہیں:

انوار القرآن، اصول وفروع، حسین منی، خطائے اجتہادی، ذکر وفکر (تین جلدوں میں) عقیدہ وجہاد، مجموعہ احادیث قدسیہ (تالیف وترجمہ) مطالعہ قرآن۔

خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری صاحب مرحوم کی دوستی آپ کو کھینچ کر ادارۂ تنظیم المکاتب میں لے آئی جہاں آپ پہلے کمیٹی کے ممبر رہے پھر نائب صدر اور آخر میں صدارت کیلئے منتخب ہوئے۔ ادارہ کے اخبار تنظیم المکاتب (پندرہ روزہ) میں مسائل کے جوابات کا ایک صفحہ ان کے لئے مخصوص تھا۔

الہ آباد میں انھوں نے کار خیر کمیٹی اور تنظیم خمس وزکوۃ نامی دو ادارے قائم کئے جن کے ذریعہ اہل ثروت سے حقوق شرعیہ حاصل کر کے نادار مومنین کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں۔ مدرسہ انوار العلوم جامعہ امامیہ الہ آباد میں ان کی مستقل یادگار ہے جو ان کے بڑے صاحبزادے مولانا سید جواد الحیدری صاحب سلمہ کی مدیریت میں ترقی کر رہا ہے۔ وہ اعلی درجہ کے شاعر تھے کلیم تخلص کرتے تھے کلام کلیم، سلام کلیم وغیرہ مجموعے ان کی یادگار ہیں۔

انقلاب اسلامی کے بعد ایران کے علمی حلقوں میں آپ کا بہت وقار تھا۔ لندن اور ایران میں منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنسوں میں آپ ہمیشہ بلائے جاتے تھے اور فصیح عربی زبان میں آپ کی تقریریں بہت زیادہ پسند کی جاتی تھیں۔ آپ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل رہبر انقلاب اسلامی آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای دام ظلہ نے آپ کو مہاراشٹر اور جنوبی ہندوستان کے لئے اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا اور اس سبب سے آپ ابوظبی چھوڑ کر ممبئی منتقل ہوئے تھے۔ وہاں پر آپ نے ادارۂ اسلام شناسی قائم کیا تھا۔

جب آپ ابوظبی سے ممبئی کیلئے روانہ ہوئے تو اہل ابوظبی نے آپ سے وعدہ لیا تھا کہ محرم کے عشرۂ اولی اور شب ۲۱ رمضان کی مجلسیں آپ ابوظبی میں پڑھا کریں گے۔ اس وعدہ پر عمل کرتے ہوئے آپ ۱۴۲۱ کے محرم میں بھی ابوظبی گئے تھے۔ عاشور کے روز حسب معمول اعمال کرائے۔ مجلس شہادت پڑھی۔ نماز ظہرین پڑھائی۔ جلوس عزا کی قیادت کی۔ فاقہ شکنی کے بعد آپ استراحت کیلئے اپنے داماد کے گھر چلے گئے۔ وہاں طبیعت خراب ہونے لگی تو ایمبولینس کے لئے فون کیا گیا۔ جب تک ایمبولینس آئے حسین کا یہ ذاکر حسین کی بارگاہ میں پہنچ چکا تھا۔ وہ عاشور کا دن تھا اور دوسرے دن جب الہ آباد میں سپرد لحد کیئے گئے وہ بھی ہند و پاک میں عاشور کا دن تھا۔

جنازہ ہوائی جہاز کے ذریعہ دہلی اور وہاں سے لکھنؤ پہونچا۔ لکھنؤ سے جیپ کے ذریعہ الہ

آبادلایا گیا۔ جہاں اسلامیہ انٹر کالج کے میدان میں حجۃ الاسلام مولانا سید علی عابد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور دریاباد کے قبرستان میں آپ کو سپرد لحد کر دیا گیا۔

تاریخ وفات تھی ۱۰ رمحرم ۱۴۲۱ / مطابق ۱۵ اپریل ۲۰۰۰ اور ۱۶ اپریل کو تدفین ہوئی۔

راحت حسین، سید

مولانا سید راحت حسین کے والد ماجد جناب مسیح الہند حکیم مولوی سید حسین صاحب شہرۂ آفاق طبیب تھے۔ جن کا سلسلۂ نسب جناب حسین الاصغر ابن امام زین العابدین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ نے دینی تعلیم مولانا سید علی جواد صاحب سے حاصل کی تھی۔ فن طبابت میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ بڑے متقی، پرہیزگار اور علم دوست بزرگ تھے۔ بہت خلیق اور بامروت تھے۔ ۱۹۳۰ء میں زیارات عراق و ایران سے مشرف ہوئے تھے۔ آپ کی شادی پارہ (ضلع غازی پور) کے سید محمد صالح الحسینی مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن سے چار بیٹے ہوئے۔

(۱) بڑے بیٹے حکیم سید سبط حسین خوشتر مرحوم شاہ گنج (ضلع جونپور) میں رہتے تھے۔

(۲) دوسرے بیٹے سید علی حماد حسینی پاکستان چلے گئے۔

(۳) تیسرے بیٹے حکیم سید حامد حسین حسینی موئی میں تھے۔

(۴) چوتھے بیٹے سید علی حسینی عین عالم شباب میں انتقال کر گئے۔

مولوی سید فرحت حسین صاحب بنارسی مرحوم آپ کے حقیقی بھانجے تھے۔ مولانا بغیر استخارہ کوئی کام نہ کرتے تھے حتی کہ مریضوں کو نسخہ بھی استخارہ کے بعد تجویز کرتے تھے۔

راحت حسین، سید، گوپال پوری

۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء

۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء

صدر المفسرین آیۃ اللہ مولانا سید راحت حسین رضوی اپنے وطن مالوف گوپال پور میں ۵ رجب ۱۲۹۷ھ (= ۱۳ جون ۱۸۸۰ء) کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید طاہر حسین تھا۔ آپ کا تاریخی نام سید حیدر رضا تھا۔ وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کجھوہ گئے جہاں سید حسن باخدا سے کسب فیض کیا۔ پھر ۱۳۱۲ھ میں مظفر پور تشریف لے گئے جہاں مدرسہ ایمانیہ میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے مولوی سید خالق بخش صاحب مدرس دوم سے شرح مأیۃ عامل، اور مولانا سید محمد مہدی صاحب بھیکپوری مدرس اعلی سے ابواب الجنان، شرح جامی اور شرح تہذیب پڑھی۔ مولانا سید عابد حسین صاحب، بھیکپوری کمرہ کی مسجد میں امام جمعہ و جماعت تھے آپ نے ان سے قطبی، میبذی، شرائع الاسلام اور معالم الاصول کا درس لیا۔ مولانا سید نظر حسن صاحب بھیکپوری بڈھن پورہ (برہم پورہ) کی مسجد میں امام جماعت تھے۔ آپ نے ان سے ملاحسن اور مختصر المعانی پڑھی نیز شرح لمعہ کتاب الحج تک کا درس لیا۔

بڈھن پورہ کے قیام کے دوران وہاں مدرسۂ ایمانیہ (نواب گونگے صاحب مرحوم) میں مدرس اول بھی رہے۔ وہیں قاری مرزا محمد صاحب سے قرأت اور نواب عمدو جان صاحب سے حساب سیکھا۔ نیز بجائے خود طب کی فارسی کتابوں کا اس طرح مطالعہ کیا کہ معمولی امراض کے نسخے تجویز کرنے پر قادر ہو گئے۔

لکھنؤ میں مدرسۂ سلطان المدارس قائم ہوا (۱۸۹۴ء میں جو ۱۲-۱۱-۱۳۱۱ء کے مطابق ہے) ۱۳۲۰ء میں مولانا سید عابد حسین صاحب کو لکھنؤ بلایا گیا۔ اور سلطان المدارس کا مدرس دوم بنایا گیا۔

مولانا راحت حسین صاحب بھی اسی وقت لکھنؤ چلے گئے اور مدرسہ مذکورہ میں داخل ہوکر تحصیلات کا سلسلہ جاری رکھا۔ نیز سلطان المدارس میں مدرس بھی مقرر ہوئے۔ لکھنؤ میں آپ نے جناب باقرالعلوم اور جناب عابد حسین صاحب سے کسب فیض کیا نیز جناب حکیم سید امیر حسین صاحب سے طب کا درس لیا۔

ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ میں اپنے خسر معظم مولانا سید نثار حسین پالوی ثم حیدرآبادی کی تحریک و تحجیع سے اعلیٰ تعلیم کے لئے عراق تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۹ھ اپنے والد کے انتقال کی خبر پاکر وطن واپس آئے اور ایک سال کے بعد نجف واپس گئے۔ مجموعاً نو سال نجف میں قیام فرمایا۔ اس عرصے میں جن حضرات سے فیض حاصل کیا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

آقائے شیخ علی گونابادی، آقائے ملا رضا، آقائے مرزا محمد علی رشتی، آقائے سید محمد یزدی، آقائے سید حسین رشتی، آقائے سید حسین بروجردی، آقائے شیخ محمد ابراہیم اردبیلی، آقائے سید احمد سبط الشیخ، آقائے سید ابوالحسن اصفہانی، آقائے سید کاظم خراسانی، آقائے سید کاظم یزدی طاب ثراہم۔

ان میں سے اکثر حضرات نے آپ کو روایت اور اجتہاد کے اجازے دیئے۔ آپ فقہ و اصول فقہ کے علاوہ علم رجال اور درایۃ الحدیث میں فخر روزگار تھے اور تفسیر قرآن کا خاص ذوق تھا۔

۱۹۱۴ء میں جب عراق پر (جو اس وقت ترکی کے قبضے میں تھا) انگریزوں نے حملہ کیا تو مولانا راحت حسین صاحب بہزار دقت اہل و عیال کے ساتھ صفر ۱۳۳۴ھ (= دسمبر ۱۹۱۵ء) میں وطن واپس آئے۔

آپ کا قیام ریاست حسین آباد (ضلع مونگیر) میں رہا۔ تصنیف و تالیف اور مطالعۂ کتب یہی دو چیزیں آپ کی زندگی کا محور تھیں۔ چنانچہ حسین آباد میں بھی یہی مشغلہ رہا اور جب وہاں سے حدود

۱۹۴۰ میں علیحدہ ہوکر وطن میں مقیم ہوئے تب بھی یہی سلسلہ رہا۔

استاذ الواعظین مولانا سید عدیل اختر صاحب (پرنسپل مدرسۃ الواعظین) نے ۸ رشوال ۱۳۷۰ (= ۱۳ جولائی ۱۹۵۱) کو انتقال فرمایا۔ چند مہینوں بعد مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ کو مدرسۃ الواعظین کا پرنسپل نیز متولی منتظم بنایا گیا اور تقریباً پانچ سال تک آپ نے یہ خدمت انجام دی۔ جب ذیابیطس کے مرض نے مجبور کردیا تو وطن واپس آگئے۔ اور چند مہینوں کے بعد ۲۶ رمضان ۱۳۷۶ (= ۲۶ اپریل ۱۹۵۷) بروز جمعہ رحلت فرمائی۔

آپ کا رسالۂ عملیہ (اردو) توشۂ آخرت حدود ۱۳۵۰ھ میں چھپا تھا۔ اس کے دیباچہ میں آپ کے اس وقت تک کے مفصل سوانح حیات اور تصنیفات کی فہرست درج ہے۔ بعد کے حالات یہاں ذاتی معلومات کی بنیاد پر لکھے گئے ہیں۔ (مولانا مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی کی شادی میرے چھوٹے ماموں سید سبط حسن صاحب مرحوم عشروی سے ہوئی تھی۔)

آپ کے تمام تصنیفات کا یہاں درج کرنا طول ممل کا باعث ہوگا اس لئے چند اہم کتابوں کا نام لکھ رہا ہوں۔

(ا) تفسیر انوار القرآن۔ اردو میں یہ تفسیر پہلے مولانا سید اظہار الحسنین صاحب عشروی (مدرس اعلیٰ مدرسہ اسلامیہ کجھوا) کے زیر اہتمام اصلاح پریس کجھوا سے ماہوار رسالۂ الشمس کے نام سے چھپتی تھی یعنی چالیس صفحے تفسیر کے ہوتے تھے۔ ان پر الشمس کا ٹائیٹل لگا دیا جاتا تھا اور خریداروں کے نام بھیجا جاتا تھا۔ جب مولانا راحت حسین صاحب وطن آکر رہ گئے تو ایک مومن نے ایک دستی پریس آپ کو ہدیہ کیا اور تفسیر کے صفحات (۴۰ صفحہ) اسی طرح ماہوار چھپتے رہے۔ مقدمات انوار القرآن، تفسیر سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرۃ اور آل عمران کی کچھ آیتیں شائع ہوئیں۔ معلوم نہیں کتنا حصہ غیر مطبوعہ رہ گیا۔

(۲) مرشدامت (چار جلدوں میں): یہ کتاب مولانا مرحوم کی نظروں میں بے حد اہمیت رکھتی تھی۔ جس سے مذہب شیعہ کی حقانیت اور دوسرے فرقوں کا بطلان روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا تھا۔ ادارۂ اصلاح کھجوا نے یہ کتاب مولانا مرحوم سے چھاپنے کے لئے مانگی اور کئی برس تک اپنے پاس رکھ کر واپس کر دی۔ اب بھی غیر مطبوعہ ہے۔

(۳) زندگی کے آخری دور میں آپ علم رجال پر ایک مفصل تحقیقی کتاب عربی میں تصنیف فرما رہے تھے۔ (اس کا نام ذہن سے نکل گیا ہے) یہ نامکمل رہ گئی۔

(۴) ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ جب آپ نے زیارت کی غرض سے عراق وایران کا سفر کیا تو آیۃ اللہ العظمیٰ سید حسین بروجردی نے آپ سے فرمائش کی کہ اپنے کچھ تصنیفات کو عربی میں منتقل کیجئے تا کہ ایران وعراق کے لوگ مستفید ہوں اور یہاں کے علماء کو آپ کی جلالت قدر کا ادراک ہو۔ وطن آکر آپ نے اپنے تصنیفات میں سے بارہ ایسے رسالوں کو جن کا فقہ استدلالی سے تعلق تھا عربی قالب میں ڈھالا اور الاثناعشریہ کے نام سے یکجائی شائع کیا۔ اور علماء ایران وعراق کے پاس بھیجا۔

دوسری کتابوں کے نام جو اس وقت پیش نظر ہیں حسب ذیل ہیں:

قاطع لجاج در میراث ازواج (اردو)، الغناء والاسلام، تعدیۃ النکاح (عربی) الانتصار فی حرمۃ الادبار (اردو)، بسط الیدین (اردو) سبیل الہدیٰ فی فضائل العلم والعلماء (اردو) جواز بکا بر سید الشہداء (اردو) حسین اور یزید کی شخصیت دنیا کے مذاہب میں (اردو) وغیرہ

آپ کی زندگی زیادہ تر حسین آباد اور گوپال پور جیسی کور دہ جگہوں میں گذری۔ اور آپ نے زیادہ تر اردو میں کتابیں لکھیں۔ ان دو عوامل نے آپ کو شہرت ومقبولیت کی اس بلندی تک نہ پہنچنے دیا جس کے آپ مستحق تھے۔

(دیباچہ توشۂ آخرت، ذاتی معلومات)

راحت حسین، سید، بھیک پوری،

۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء
۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

ابو الخلیل مولوی سید راحت حسین صاحب بھیک پوری (ابن مولوی سید محمد ابراہیم متوفی صفر ۱۳۰۹ھ) یکم محرم ۱۳۰۶ھ (= ۷ ستمبر ۱۸۸۸ء) کو وطن مالوف علی نگر بھیک پور (ضلع سارن) میں پیدا ہوئے۔ تین سال کے تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے اپنے خالو مولانا سید محمد مہدی صاحب لواعج الاحزان کی سرپرستی میں مظفر پور میں عربی وفارسی پڑھی۔ پھر مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) میں مولانا حافظ سید فرمان علی صاحب سے کسب فیض کیا اور ۱۳۲۲ھ میں سلطان المدارس (لکھنؤ) پہنچے۔ اور ۱۳۳۴ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آل انڈیا شیعہ گزٹ کے مدیر مقرر ہوئے۔ عراق وایران کی زیارتوں سے مشرف ہوئے۔ رام پور میں مولانا مقبول احمد صاحب کی سرپرستی میں مولوی فاضل کا کورس پورا کیا۔

۱۳۳۶ھ میں اخبار اثناعشری کے مدیر ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ میں وطن واپس آئے اس کے کچھ عرصہ بعد گجرات اور کاٹھیاواڑ چلے گئے جہاں امام جمعہ وجماعت کی حیثیت سے خدمات آخر عمر تک انجام دیتے رہے۔ اوائل جون ۱۹۵۸ء میں گجرات سے وطن آ رہے تھے کانپور اسٹیشن پر پانی پینے کے لئے اترے غالباً لو لگ گئی اور وہیں اسٹیشن پر انتقال فرمایا۔ ریلوے کے ذمہ داروں نے مسلمانان کانپور کو خبر کی جنھوں نے اپنے طور سے تجہیز وتکفین کر کے دفن کر دیا۔ تاریخ وفات ۵ رجون ۱۹۵۸ء مطابق ۱۶ رذیقعدہ ۱۳۷۷ھ روز پنجشنبہ ہے جیسا کہ آپ کے صاحبزادے مولانا سید خلیل عباس صاحب نے تحریر کیا ہے۔

مضامین نگاری کا ذوق وشوق تھا۔ مجلسیں پڑھنے کا انداز بہت دلچسپ تھا۔

(انجمن وظیفۂ سادات ومومنین گولڈن جوبلی نمبر، ذاتی معلومات)

رسول احمد، سید، گوپال پوری

۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء

۱۳۹۹ھ/۱۹۷۸ء

مولانا سید رسول احمد ابن سید حسین احمد ابن سید لیاقت حسین کا وطن گوپال پور (بہار) میں تھا۔ مجلس چہلم کے رقعہ میں مندرج تاریخ کے مطابق آپ ۱۹۰۳ء (=۱۳۲۱ھ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ گوپال پوری کی سرپرستی میں حسین آباد (ضلع مونگیر) میں تحصیل کرتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں داخل ہوئے۔ پھر مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) سے پٹنہ بورڈ کا مولوی کا امتحان پاس کر کے وہیں مدرس ہو گئے۔ اور وہیں کام کرتے ہوئے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے عالم اور فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ مدرسۂ مذکورہ میں ۱۹۴۵ء تک کام کیا۔ پھر مدرسۂ ناظمیہ میں مدرس ہو گئے جہاں ۱۹۶۰ء تک قیام رہا۔ اس کے بعد دس سال تک گجرات میں مہوا اور بھاؤنگر کی خوجہ جماعتوں میں بطور عالم دین رہے۔ ۱۹۷۰ء میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد دوبارہ مدرسۂ ناظمیہ میں آ گئے۔ جہاں آخر عمر تک مدرس رہے۔

۱۹۷۸ء میں جب مرض کی شدت میں اضافہ ہوا تو وطن آ گئے اور یہیں ۱۴ر محرم الحرام ۱۳۹۹ھ/ ۱۵ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو انتقال فرمایا۔ روز جمعہ غروب آفتاب سے کچھ قبل راقم الحروف نے نماز جنازہ پڑھائی اور مجلس چہلم بھی پڑھی۔

راقم الحروف کے والد ماجد مولانا سید ابوالحسن صاحب مرحوم سے آپ کے بہت گہرے روابط تھے۔ چنانچہ والد مرحوم نے انھیں کی فرمائش پر گوپال پور کی عیدگاہ بنوائی لیکن تعمیر کی نگرانی انھیں پر ڈالی تھی۔ جسے مرحوم نے بہ احسن وجوہ پورا کیا۔

راقم الحروف نے آپ سے ایک سال تعطیلات گرما میں ازھار العرب پڑھی تھی اور جولائی ۱۹۴۰ء سے اپریل ۱۹۴۱ء تک آپ ہی کی نگرانی میں آپ ہی کے کمرہ میں رہ کر مدرسہ سلیمانیہ سے فوقانیہ کا امتحان دیا تھا۔ پٹنہ اور لکھنؤ میں آپ کے تلامذہ کا احصاء کرنا بہت دشوار ہے۔

فقہ کی ایک کتاب گجراتی زبان میں (مطبوعہ) آپ کی یادگار ہے۔

اولاد

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید لیاقت حسین صاحب (ممتاز الافاضل، سابق واعظ مدرسۃ الواعظین) اب گجرات میں مقیم ہیں۔ دوسرے صاحبزادے مولانا سید لطافت حسین صاحب (صدر الافاضل) مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) میں نائب مدرس اعلیٰ ہیں۔

(ذاتی معلومات)

رضا حسین، شاہ، سید

حدود ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء

حدود ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

مولوی الحاج سید رضا حسین شاہ مرحوم خاص ہنگو کے رہنے والے تھے۔ آپ نے بزرگوں سے ضروری مذہبی تعلیم حاصل کی۔ فوج میں صوبیدار تھے مگر ریٹائرڈ ہونے کے بعد ہنگو میں مولوی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کافی تھا۔ آپ بہت دیندار اور متقی عالم تھے۔ اور طبیعت میں سادگی کا عنصر نمایاں تھا۔

آپ پہلے مولوی تھے کہ مومنین بنگش کو نماز باجماعت پڑھائی۔ دور دراز سے مومنین آپ کی نماز جمعہ میں آکر شرکت کرتے تھے۔ مومنین بنگش آپ سے فیض حاصل کرکے اپنی عاقبت سنوارتے تھے۔

آپ نے ۸۸ رسال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے قبرستان میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

(پیام عمل لاہور، ستمبر ۱۹۷۸ء)

نوٹ: ۸۸ رسال کی عمر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

رضا علی، مرزا

حدود ۱۲۴۹ھ/ ۴-۱۸۳۳ء

۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء

مولوی مرزا رضا علی صاحب کے حالات تو معلوم نہیں لیکن ان کی چار چھوٹی بڑی تصنیفیں میرے کتب خانہ ریاض معارف میں موجود ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔

(۱) رسول اسلام سے لے کر غیبت کبریٰ تک کی تاریخ۔ اس کا سال تصنیف ۱۲۸۸ھ ہے اور کتابت کی تاریخ ۷ ارذی الحجہ ۱۳۰۰ھ ہے کاتب کا نام ہے۔ مرزا محمد رضا علی ابن مرزا محمد فضل علی۔ ممکن ہے یہ مصنف کا ہی پورا نام مع ولدیت ہو۔

اس کے علاوہ ایک مجموعہ میں ان کے تین چھوٹے چھوٹے رسالے بخط مصنف موجود ہیں۔

(۲) سبیل الرشاد (اردو): ۱۴ صفحہ کا یہ رسالہ اس شبہ کے جواب میں ہے کہ آیت وضو میں "الی المرافق" میں اگر "الی" انتہا کے لئے ہے تو شیعہ کہنی سے دھونے کی ابتدا کیوں کرتے ہیں۔

(۳) بنیان مرصوص (مضبوط بنیاد) (اردو) ۲ + ۱۴ صفحہ کا یہ رسالہ اس حدیث کی تشریح میں ہے۔ کہ لاتجمع امتی علی الضلالۃ یہ دونوں رسالے ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ کو لکھے گئے۔

(۴) نہاریہ بہاریہ (اردو): اہل سنت کے ایک اعتراض کے جواب میں ہے۔ چونکہ طلوع آفتاب سے غروب تک میں یہ رسالہ پورا ہوگیا۔ اس لئے اس کا نام نہاریہ رکھا گیا۔ اس کے ۲۴ رصفحات میرے مجموعہ میں ہیں۔ لیکن یہ نامکمل ہے۔ ممکن ہے ۵ ریا ۶ رصفحے اور رہے ہوں جو ضائع ہوگئے۔

(۵) قران السعدین فی حقوق الزوجین: مرزا رضا علی کی اس کتاب کا ذکر الذریعہ میں ملتا ہے۔

(۶) کلمۃ الفصل: میر عنایت حسین (ملازم ریاست محمود آباد) نے ۱۳۱۵ھ میں ملخص الاحادیث نام کی اپنی تالیف لکھنؤ سے شائع کی تھی جس کے مصادر میں مرزا رضا علی صاحب کی "کلمۃ الفصل" بھی شامل ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ یہ رسالہ ہنوز چھپا نہیں گیا۔

(اس کا استدراک کتاب کے آخر میں دیکھیں)

رضی الدین

جناب مولانا سید رضی الدین صاحب مرشد آباد میں مقیم تھے اور 1910ء کی شیعہ دینیات کی کمیٹی میں شامل تھے۔

(ماہنامہ شیعہ، جون 1910ء)

رضی الدین حیدر، الہ آبادی

.........../.........

۱۴۰۳/۱۹۸۳ء

جب مولوی رضی الدین حیدر صاحب کے والد ماجد جناب احمد حسین صاحب نے انتقال کیا اس وقت رضی الدین حیدر بہت کم سن تھے آپ کے نانا نواب سراج الدین احمد خاں (چھوٹی رانی صاحبہ بلہرہ کے بھائی) نے لکھنؤ میں دیکھ بھال کی، چھ سال کی عمر میں آپ الہ آباد چلے گئے دس سال کے تھے کہ والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا تب آپ کی نانی صاحبہ نے آپ کی پرورش کی۔

فارسی، عربی کی اعلی تعلیم حاصل کر کے آپ نے ۱۹۳۵ء میں بی اے اور ۱۹۳۷ء میں ایم اے (عربی) کیا۔

۱۹۳۸ء میں ماموں کی بیٹی سے شادی ہوئی، ۱۹۴۴ء میں اہلیہ نے داغ مفارقت دیا ایک بچی یادگار چھوڑی۔ بائیس سال بعد عقد ثانی کیا ان سے بھی ایک لڑکی ہے۔

۱۹۳۷ء میں آپ سیلز ٹیکس ڈپارٹمنٹ سے بحیثیت انسپکٹر وابستہ ہوئے اور جنوری ۱۹۶۷ء میں سبکدوش ہوئے۔

ابتدا میں آپ نے مجلسوں میں انیس و دبیر کے مراثی پڑھے۔ پھر ذاکری شروع کی اور جلد ہی اچھے ذاکروں میں شمار ہونے لگا ہندوستان کے چھوٹے بڑے شہروں میں مجلسیں پڑھیں۔ ۱۹۶۱ء میں خوجہ شیعہ اثنا عشری سپریم کاؤنسل کی دعوت پر تانزانیا اور کینیا میں مجلسیں پڑھیں۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں انگلینڈ اور امریکہ کے مختلف شہروں میں حقائق اسلام اور مصائب امامؑ بیان کئے۔ ۱۹۷۸ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

پہلے آپ مدرسہ ایمانیہ (الہ آباد) کے سکریٹری مقرر ہوئے یہ مدرسہ ترقی کر کے اب یادگار

حسینی انٹر کالج ہو چکا ہے آپ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی مجلس عاملہ کے ممبر، یوپی اسٹیٹ شیعہ کانفرنس کے جنرل سکریٹری شیعہ وقف بورڈ اور امامیہ مشن کے ممبر بھی رہے۔

تصانیف

رسول کی بیٹی، صحیفہ رسول، حسین، گریہ کے متعلق علمائے نفسیات کے فتاوی، کتاب انسانیت کے گم شدہ اوراق، مسلم ابن عقیل، افریقہ کی ڈائری (یہ سب کتابیں مطبوعہ ہیں)

غیر مطبوعہ

امریکہ کی ڈائری، سفر نامہ حج، یادوں کے چراغ، شمس رسالت اور اس کی کرنیں، علی کے خطوط معاویہ کے نام

۱۹۸۳ء (۱۴۰۳ھ) میں دہلی میں انتقال فرمایا

(انجمن وظیفہ سادات و مومنین ڈائمنڈ جوبلی نمبر ذاتی معلومات)

رضی حسن

مولانا سند العلماء مولی سید رضی حسن جائسی، امام جمعہ و جماعت جائس، کا ذکر رسالہ الشہید (آگرہ) ماہ صفر ۱۳۴۴ھ میں ملتا ہے۔

رفیق علی، سید

ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب طاب ثراہ کے شاگردوں میں مولوی سید رفیق علی کا نام ملتا ہے۔

رمضان علی، شیخ، مبارکپوری

....../......

قبل ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے شجرہ طیبہ تذکرہ علمائے مبارک پور میں لکھا ہے۔

مولانا رمضان علی صاحب پنجاب کے علاقے سے مبارک پور آئے۔ اثنا عشری مذہب کے عالم و معلم اور مبلغ تھے۔ شاہ محمد پور (مبارک پور) میں امام باڑہ تعمیر کرایا (امام باڑہ شیخ رمضان علی) ۱۲۲۹ھ کی جنگ میں مسلمانوں کا قلعہ بند مورچہ ثابت ہوا۔ ۱۲۲۹ھ کے پہلے انتقال فرمایا۔

روح اللہ، مفتی، جونپوری

مفتی سید روح اللہ جونپوری مفتی سید مبارک جونپوری کے فرزند تھے یہ جونپور کے جلیل القدر علماء میں تھے تمام علوم میں مہارت رکھتے تھے اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں استادانہ درجہ رکھتے تھے ان کے تمام تحصیلات ان کے والد ماجد سے تھے ۱۰۹۸ھ میں اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد جونپور کے مفتی مقرر کئے گئے۔ اور موروثی خانقاہ میں سجادہ نشین ہوئے۔ پوری زندگی درس و تدریس میں گزاردی اور بہت سے تلامذہ کو فیض پہنچایا سال وفات معلوم نہ ہوسکا جونپور میں دفن ہیں۔

(تکملہ نجوم السماء جلد اول ص۔ ۱۴-۱۳)

روشن علی، شیخ

۱۳۵۴/۱۹۳۸

۱۴۱۵/۱۹۹۵ء

مولانا شیخ روشن علی صاحب ملیبار پور (ضلع سلطان پور) کے باشندے تھے آپ ۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ مطابق ۵، فروری ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے تھے ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ ناظمیہ میں داخل ہوئے جہاں سے ۱۹۵۸ء میں ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی۔ ۱۹۵۹ء میں نجف اشرف تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آکر مدرسہ ناظمیہ میں مدرس ہو گئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ دوران طالب العلمی میں بھی مدرسہ مذکورہ میں تدریس فرماتے تھے۔ ناظمیہ کے بعد منصبیہ عربی اسکول (میرٹھ) میں پرنسپل رہے۔

تلامذہ

آپ کے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد ہندو پاک میں پھیلی ہوئی ہے چند نام جو بہت نمایاں ہیں یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ جناب ادیب الہندی (لکھنو)، جناب سید ذکی باقری (کنیڈا)، جناب سید منظور محسن، ڈین شیعہ تھیالوجی (علیگڑھ)، جناب سید ناظم علی خیرآبادی، جناب سید صفی حیدر (سکریٹری، تنظیم المکاتب، لکھنؤ) وغیرہم۔

تراجم

آپ نے تقریباً اٹھارہ کتابیں عربی وفارسی سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیں جن میں مجتبیٰ موسوی لاری، محمد تیجانی سماوی، علامہ محمد مہدی آصفی اور سازمان تبلیغات اسلامی کی کتابیں شامل ہیں۔

آپ آیۃ اللہ سید محمد روحانی طاب ثراہ کے نمائندہ خاص تھے۔ آپ وفات سے کئی سال پہلے سے ایران میں مقیم تھے آخری بار جب لکھنؤ تشریف لائے تو چند مہینوں کے اندر ۲۵/مئی ۱۹۹۵ء (=۲۵ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ) کی صبح کو بستر پر مشتبہ حالات میں مردہ پائے گئے۔

چونکہ لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا تھا اس لئے سبب موت کے بارے میں جو کچھ سنا گیا ہے اسے لکھنا دشواریاں پیدا کر سکتا ہے۔

(الواعظ جلد نمبر ۴۷، ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ اور واقف کار حضرات)

ریاست علی خان

میرے نانا جناب مولوی حکیم سید زین العابدین صاحب طاب ثراہ کے پرانے کاغذات میں مدرسہ مشارع الشرائع کی ایک سند بہ نام المولوی ریاست علی خان ملی ہے جو ماہ شعبان ۱۳۱۳ھ کے امتحان سالانہ کے بعد دی گئی تھی مولوی صاحب موصوف نے درجہ اول فریق دوم کا امتحان دیا تھا جس کے نصاب میں شرح لمعہ کتاب المیراث اور قوانین الاصول تھی بانی مدرسہ کیطرف سے موصوف کو من لا یحضرہ الفقیہ ہر دو جلد بطور انعام دی گئی تھی۔

پتہ نہیں چلتا کہ یہ بزرگوار کون تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے۔

زاہد حسین شیخ بنارسی

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء

۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

مولوی حکیم شیخ زاہد حسین صاحب بنارسی حکیم مولوی عابد حسین صاحب مرحوم کے فرزند تھے آپ کی پیدائش ۲۱، مارچ ۱۹۱۲ء مطابق کیم ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کو ہوئی ابتدائی تعلیم کے بعد جامع العلوم جوادیہ میں داخلہ لیا جہاں سے فخر الافاضل کی سند حاصل کی۔ الہ آباد کالج سے طب یونانی کی تعلیم حاصل کی۔ نیز ہومیو پیتھک طریقہ علاج میں بھی مہارت حاصل کی۔ آپ کا شمار بنارس کے اچھے طبیبوں میں ہوتا تھا۔

آپ نے ۷/ جولائی ۱۹۹۲ء مطابق ۶/محرم الحرام ۱۴۱۳ھ کو بہ روز سہ شنبہ رحلت فرمائی آپ کی قبر امام بارگاہ (لاٹ) میں ہے۔

زکی حسین میرزا

آقائے بزرگ تہرانی نے لکھا ہے کہ یہ علماء وفضلاء میں تھے اور جناب شیخ زین العابدین مازندرانی طاب ثراہ کے شاگرد تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے عالم جلیل میرزا محمد لکھنوی حائری (متوفی ۱۳۳۵ھ) تھے۔

(الکرام البررۃ جلد دوم ص ۵۸۲)

زوار حسین، سید، نوگانوی

مولانا سید زوار حسین صاحب، نوگانوی جناب سید کاظم حسین صاحب کے بیٹے تھے چار سال کے تھے کہ ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا ان کے والد صاحب ان کو لکھنؤ لائے جہاں انہوں نے تحصیل علم شروع کی تعلیم کی ابتداء مدرسہ ناظمیہ سے ہوئی پھر مدرسہ عابدیہ میں پڑھا کچھ عرصہ باب العلم نوگانواں میں رہے پھر ناظمیہ واپس آئے ۱۹۳۶ء میں مدرسہ سلطان المدارس سے صدرالافاضل کیا اس عرصہ میں فاضل ادب کی سند بھی حاصل کی۔ سرکار نجم العلماء، مولانا سید محمد صاحب، آقا سید ابوالحسن اصفہانی اور آقا بادی کاشف الغطاء وغیرہم سے پیش نمازی کے اجازات حاصل ہوئے۔

بڈولی (ضلع مظفر نگر) جوگی پورہ (بجنور) اور کرنال میں آپ نے خدمات انجام دیئے اور تعمیری کام کئے ۱۹۴۹ء میں مشرقی افریقہ گئے اور ٹانگانیکا (کیگوما اور عروشہ جماعتیں) کینیا (نیروبی اور ممباسا) یوگانڈا (مبالے) اور ماڈاگاسکر میں دینی خدمتیں انجام دیتے رہے۔ راقم الحروف نے ان کو اواخر ۱۹۶۰ء میں ممباسا میں اور غالباً ۱۹۶۳ء میں مجونگا (ماڈاگاسکر) میں دیکھا تھا آپ موگادیشو (صومالیہ) میں بھی رہے تھے۔

(انجمن وظیفہ سادات و مومنین گولڈن جوبلی نمبر و ذاتی معلومات)

زوار علی، خان، نواب

۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

جناب نواب مولوی زوار علی خاں صاحب رئیس اعظم حسین آباد ضلع مونگیر نے بتاریخ ۱۵ ر جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ (۵ ر اگست ۱۹۰۷ء) ہیضہ سے انتقال کیا۔

نواب صاحب مرحوم صرف رئیس، فیاض، مخیّر ہی نہ تھے بلکہ جامع الریاستین تھے۔ ریاست دنیوی کے ساتھ علمی ریاست کو کم لوگ جمع کرتے ہیں۔ علم ادب میں ایسا ید طولی تھا کہ عربی قصائد بہت سے ممدوح کے یادگار زمانہ ہیں۔ جس کی فصاحت و بلاغت وسلاست کا ذائقہ وہی جان سکتا ہے جو اس فن سے آشنا ہو۔

ممدوح نے ایک شرح کتاب مستطاب نہج البلاغہ بھی لکھی تھی جس میں ابن ابی الحدید کے اغلاط پر بہ تفصیل بحث کی تھی اور بہت سے نکات ودقائق لکھے تھے۔ ممدوح ایک عرصہ سے نوازل بلکہ سل میں مبتلا تھے۔ اس کے ساتھ علمی شوق اس درجہ غالب تھا کہ شرح مذکور کو اس علالت میں بھی لکھتے رہے۔ جناب فخر الحکماء کو لکھا تھا کہ بہت جلد بعد تبییض حاضر کروں گا۔ شاید یہی توشۂ آخرت ہو۔

مرحوم کا خلق انکسار فروتنی علمی لیاقت ایسی تھی کہ مدتوں ان کی یاد رہے گی۔

(اصلاح پندرہ روزہ۔ یکم جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ)

زین العابدین، سید، عشروی

حدود ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء

۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء

میرے نانا مولانا حکیم سید زین العابدین صاحب ابن مولانا سید احمد علی ابن سید حمایت حسین موضع عشری خرد ضلع سیوان کے باشندہ تھے۔ آپ کے والد بھاگل پور کی گولہ گھاٹ کی مسجد میں پیش نماز تھے۔ بعد میں جناب نجمی حسین صاحب محلہ اسانند پور (بھاگل پور) کے یہاں قیام فرمایا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ نانا صاحب کی عمر بوقت وفات کیا تھی۔ ویسے اندازہ کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۲۸۰ھ اور ۱۲۸۵ھ کے درمیان ہوئی ہوگی۔ ابھی موصوف زیر تعلیم تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے اور بیوہ ماں اور ایک بھائی اور دو بہنوں کی نگہداشت کا بار ان کے کندھوں پر آ پڑا۔ لیکن ان کا حوصلہ اتنا بلند اور ہمت اتنی استوار تھی کہ اپنی تعلیم بھی جاری رکھی اور گھر والوں کو سہارا بھی دیا۔ آپ مدرسہ مشارع الشرائع (جامعہ ناظمیہ لکھنؤ) کے ابتدائی دور کے طلبہ میں تھے جہاں سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی۔ اسی دوران آپ طب کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ افسوس ہے کہ آپ کے طب کے استاد کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کچھ عرصہ تک پورنیہ میں مطب کرتے رہے جہاں کے لوگ آپ کے بہت معتقد ہو گئے تھے۔ پھر بھاگلپور منتقل ہو گئے اور وہیں کے ہو رہے۔ بھاگل پور میں آپ کی پوری زندگی محلہ تاتار پور میں گذری۔ میں نے ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۶ء کے درمیان کئی مرتبہ بھاگل پور کا سفر کیا۔ صبح میں مطب میں مریضوں کی بھیڑ ہوا کرتی تھی اور شام میں بھاگل پور کی اعلیٰ سوسائٹی کے ارکان بلا تفریق مذہب و ملت حکیم صاحب کی بیٹھک میں حاضری دیتے تھے۔ ان میں رؤسا اور نوابین بھی تھے اور بیرسٹر و جج صاحبان بھی تھے۔ مختلف مذاق اور مختلف طرز فکر کے افراد جمع ہوتے تھے اور حکیم صاحب ہر ایک سے اس کی عقل و فکر کے مطابق خوشدلی

کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔ حقہ کا دور چلتا رہتا تھا۔ علمی اور ادبی بحثیں چھڑ جاتیں اور حکیم صاحب کا قول حرف آخر ہوتا تھا۔

نانا صاحب نے تاتار پور ہی میں یکے بعد دیگرے دو مکانات کرائے پر لئے تھے۔ دونوں مکانات بہت وسیع تھے۔ جتنا حصہ آپ اپنے استعمال میں رکھتے تھے اس کے علاوہ وہ پورا گھر باہر سے آئے ہوئے مریضوں اور تیمارداروں کے لئے وقف رہتا تھا۔ یہ مریض کٹھیار اور پورنیہ سے آگے بڑھ کر غیر منقسم بنگال کے ہر گوشہ سے آیا کرتے تھے۔ (تقسیم کے بعد باہر کے مریضوں کی تعداد کم ہو گئی)

سماجی خدمات

نانا صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے عزت وقار کے ساتھ وسعت رزق بھی عطا کی تھی لیکن وہ جو کچھ بھی کماتے تھے وہ اہل خاندان کے ضروری اخراجات کو نکال کر سب کا سب دوسروں کی بھلائی پر صرف ہو جاتا تھا۔ ان کی ایک عادت اول عمر سے آخر عمر تک یہ رہی کہ روزانہ کی آمد و خرچ بالتفصیل لکھتے تھے۔ اگر وہ بہی کھاتے مل جاتے تو ان کی زندگی کی ایک ایک پائی کے آمد و خرچ کا حساب معلوم ہو جاتا۔ انھوں نے اپنی نانیہالی زمین پر ایک چھوٹی اور شکستہ مسجد کی جگہ پر ایک عالیشان اور مستحکم مسجد تعمیر کرائی اور اس کے سامنے کنواں بھی بنوایا۔ جب آپ کی ایک بیٹی عاتکہ قبل شادی رحلت کر گئیں تو آپ نے ان کی شادی کے لئے جو طلائی اور نقرئی زیورات بنوائے تھے انہیں حسن پورا اور عشری کے درمیان داہاندی کے آہنی پل کی تعمیر میں بطور اعانت مرحمت فرما دیا۔ یہ پل ابھی تک باقی ہے۔

اپنے ایک بھانجے اور بھتیجے کو بی اے تک تعلیم دلوائی۔ اپنے اور اپنی اہلیہ کے بے سہارا رشتہ داروں میں سات لڑکیوں اور پانچ لڑکوں کی شادیاں اس طرح انجام دیں کہ ان کو اپنے یتیم یا بے سہارا

ہونے کا احساس نہ ہو سکا۔ بھاگل پور کے مسلم انسٹی ٹیوٹ کے پہلے جلسے میں (۱۹۳۵ء) آپ کا دیا ہوا خطبۂ صدارت موجود ہے۔ جس میں آپ نے علم اخلاق اور تہذیب نفس کی اہمیت پر زور دیا تھا۔

آزادی کے بعد پٹنہ میں انجمن اطبائے صوبۂ بہار قائم ہوئی تو آپ نے اس کے استحکام میں نمایاں حصہ لیا۔ اس کی بھاگل پور شاخ کے آپ پہلے صدر منتخب ہوئے تو آپ کی تحریک پر ایک طبی اسپتال ایک کرایہ کے مکان میں قائم کیا گیا۔ جس کا افتتاح ڈاکٹر سید محمود وزیر صوبہ بہار نے ۱۹ر نومبر ۱۹۳۸ء کو کیا۔ اس اسپتال میں امیر و غریب ہر ایک کا مفت علاج ہوتا تھا۔

تصنیف

سرکار آقائے میرزا شیرازی طاب ثراہ کا ایک عملیہ بنام طریق النجاۃ بمبئی اور اس کے بعد لاہور میں چھپا تھا۔ سرکار نجم العلماء کی فرمائش پر آپ نے اس کا اردو ترجمہ "ترجمہ طریق النجاۃ" کے نام سے کیا تھا۔ جو ۱۳۱۵ھ میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اور افریقہ اور زنجبار تک پہنچا (ترجمہ کی پشت پر اس کا نام صراط النجاۃ لکھا ہے۔)

شاعری

آپ فارسی میں قصائد لکھتے تھے اور عالم تخلص کرتے تھے۔ راقم الحروف نے ان کی بیاض میں دس بارہ فارسی قصائد دیکھے تھے۔ اب اس کے چند بوسیدہ اوراق پرانے کاغذات میں ملے ہیں۔ ایک قصیدہ ایام طالب علمی کا ہے جسے جامعہ ناظمیہ کے جلسہ تقسیم اسناد کے لئے ۱۵ر ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ کو کہا اور پڑھا تھا۔ (ایک دوسری تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ اس سال وہ شرح لمعہ، قوانین الاصول اور حماسہ وغیرہ پڑھتے تھے۔) اس قصیدہ میں سرکار نجم العلماء کی مدح کے بعد بانی مدرسہ نواب میرزا محمد عباس علی خان بہادر کا نام نامی اس طرح نظم کیا گیا ہے۔

بانی ایں مدرسہ را کوست فیاض زمن
یا خدا باشد حساب عمر تا یوم الحساب

میرزا آید چو بالفظ محمد بر زباں
قبل عباس علی خان بہادر با صد آب

نام نامی اش شود ظاہر برار باب خرد
بے تقدم، بے تاخر، بے تامل، با خطاب

شادیاں اور اولاد

آپ کی پہلی شادی عشری ہی میں بی بی کنیز بانو بنت سید عبادت حسین صاحب مرحوم سے ہوئی تھی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور وہ جلد ہی اس دنیا سے رحلت کر گئیں۔

آپ کی دوسری شادی مولانا سید محمد مہدی صاحب بجیک پوری (مصنف لوائج الاحزان) کی صاحبزادی بی بی ہاجرہ سے ہوئی۔ ان سے آپ کو پانچ اولادیں ہوئیں۔ سب سے بڑی راقم الحروف کی والدہ مرحومہ بی بی صدیقہ تھیں جن کی پیدائش ماہ رمضان ۱۳۲۰ھ یا ۱۳۲۱ھ میں ہوئی تھی اور سب سے چھوٹے جناب سید سبط حسن صاحب تھے جن کی پیدائش ۲۹ر رمضان شب عید ۱۳۲۹ھ میں ہوئی۔ ان کا تاریخی نام خیرات حسن تھا۔

وفات

ایک عرصہ سے آپ کو ہائی بلڈ پریشر کی شکایت تھی۔ ۱۳ر ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ/ ۲۴ر جنوری ۱۹۵۰ء عشاء کی نماز میں آپ سجدہ میں گئے تو پھر سر نہ اٹھایا۔ عبد اپنے معبود کی خدمت میں چلا گیا۔

اگرچہ گھر والوں میں سے کوئی موجود نہیں تھا لیکن جنازہ بہت شان وشوکت سے اٹھا۔ پورے شہر کی دوکانیں بند ہوگئیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں تعطیل کردی گئی اور اسانند پور کے قبرستان میں آپ کو سپردخاک کردیا گیا۔

زین العباد، آغا

آغا میرزا زین العباد صاحب، رئیس مراد آباد، ریاست مالیر کوٹلہ میں کورٹ انسپکٹر تھے۔ دینی علوم اپنے شوق سے حاصل کئے تھے۔ مطالعہ بہت وسیع تھا۔ کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔

(۱) ردّ اکبر (میرے پاس موجود ہے)

(۲) ہادم، اصلاح خادم معروف بہ نورتن۔ خادم حسین بھیروی قادیانی کے رسالہ کے جواب میں ہے جس میں اس نے تشیع اور نصرانیت کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہادم کا پہلا حصہ ۹۶ صفحہ پر ۱۳۳۳ھ میں چھپا تھا۔ اور لکھا تھا کہ "دوسرا حصہ عنقریب شایع ہوگا"

(۳) ناصر الایمان (۲ جلدیں)

(۴) النور

(۵) الجواہر، یہ بھی خادم حسین قادیانی کے ایک دوسرے رسالہ کے جواب میں ہے۔

سبط الحسن، سید، ہنسوی

۱۳۹۸/۱۹۷۸

مولانا سید سبط الحسن ہنسوی ابن سید فیض الحسن رضوی، الہ آباد کے قریب فتح پور ہنسوہ میں پیدا ہوئے۔ مرحوم نے درجہ عالم (یا فاضل) تک تعلیم مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں جواد العلماء سید علی جواد صاحب طاب ثراہ اور مولانا سید محمد سجاد صاحب طاب ثراہ کی نگرانی میں حاصل کی۔ عربی و فارسی کے بورڈ کے امتحانات بھی پاس کئے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بعض انگریزی اسکولوں میں ٹیچر رہے۔ پھر ریاست محمود آباد سے منسلک ہوگئے جہاں راجہ صاحب کے کتب خانہ کے نگراں تھے۔ آخر میں علی گڈھ یونیورسٹی کے شعبہ السنۂ مشرقیہ کے کتب خانے مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری (سابق لٹن لائبریری) میں شعبہ مخطوطات کے سربراہ رہے۔ موصوف ہمارے عہد کے فاضل محقق، کتب شناس، اور ماہر علم رجال و تاریخ تھے۔ چھان بین اور تحقیق ان کا مشغلہ تھا۔ حج و زیارات کے سفر اور تبلیغی دوروں میں بھی ان کا محبوب مشغلہ کتب خانوں کی چھان بین تھا۔ انھوں نے بہت سے اہم اور نادر موضوعات پر کام کیا۔ ان کی ان علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر منتدی النشر (نجف) انجمن تبلیغات اسلامی (تہران)، اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن (بمبئی) اور دوسرے علمی اداروں نے آپ کو اپنا ممبر بنالیا تھا۔ مرحوم خود بھی علمی اور تحقیقی کام کرتے تھے۔ اور اس راہ پر چلنے والے جوانوں کی پوری ہمت افزائی کرتے تھے۔ راقم الحروف جب ان سے پہلی بار ۱۹۵۸ء میں آزاد لائبریری میں ملا تو مرحوم نے جس طرح میرا خیر مقدم کیا وہ ان کے نفس کی بلندی اور دل کی بڑائی کا مظہر تھا۔ آپ بہت ہی گوشہ نشین اور متقی تھے لیکن آپ کے لاتعداد علمی مقالات اور تحقیقی کتابوں کے ذریعہ آپ کی عظمت علمی دنیا میں مسلم تھی۔

مزار شہید ثالث (آگرہ) سے مرحوم کو جو والہانہ لگاؤ تھا اس سے اس وقت کے مومنین باخبر ہوگئے۔ آپ مرتے وقت تک مزار شہید ثالث کے آنریری سکریٹری رہے۔ شہید ثالثؒ پر آپ کی کتاب "تذکرۂ مجید احوال نور اللہ شہید" بہت مقبول ہوئی۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔

آپ نے علی گڈھ میں ۶/اپریل ۱۹۷۸ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔

آپ کے مطبوعہ تصانیف اور مخطوطات کی فہرست مطلع انوار سے کچھ ضروری ترمیمات کے ساتھ درج ذیل ہے۔

مطبوعات اردو

اثبات عزاداری، عزاداری کی تاریخ، فلسفۂ نماز، ازاحۃ الوسوسہ، اظہار حقیقت (رد کتاب شہید انسانیت)، امام جعفر صادق واشاعت علوم، عربی مرثیہ کی تاریخ، منہاج نہج البلاغہ، متعدد مقالات ورسائل، ہندوقوم اور عزاداری، آثار علیہ علویہ، کشف الماہیہ، فاتح خیبر، پس منظر کربلا، سجدہ گاہ، دستور عروسی، یزید بن معاویہ، شریکۃ الحسین، تسکین قلب، مورخ مسعودی اور اس کا مذہب۔

مطبوعات عربی

کشف الداہیہ (عربی مرثیہ)

مخطوطات اردو

شہاب ثاقب شرح دیوان حضرت ابو طالب، الدر المنظوم من کلام المعصوم، لسان الصدق در تحقیق فارقلیطا وایلیا، قول سدید (رد اہل سنت) ابوذر غفاری، رسالہ الحقوق امام زین العابدین علیہ السلام اردو ترجمہ اور حواشی وتوضیحات کے ساتھ، مجموعہ مضامین علیہ

مخطوطات عربی

الکتب والمکتبات قبل الاسلام، الکتب والمکتبات فی ادوار التشیع، مسالک المشاہد وتقویم المقابر

(الجواد مئی ۱۹۷۸ء/جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ جلد ۹ ۳ نمبر ۵، مطلع انوار)

سبط حسین، سید

۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء

حجۃ الاسلام مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ کے علم کا چرچا دور دور تک تھا۔ فقہ واصول کے عمدہ عالم تھے۔ طبی کمالات کا بھی کافی شہرہ تھا۔

۵/جمادی الاخری ۱۳۷۱ھ میں رحلت فرمائی۔

(الواعظ جلد ۵ ۳ نمبر ۳۔ ۲ جمادی الاولی والاخری ۱۳۷۱ھ)

سجاد حسین، بارہوی

۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

سید سجاد حسین بارہوی، جہوہ سادات ضلع مظفر نگر کے باشندے تھے۔ صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ انداز تحریر دل نشیں اور عام فہم تھا۔ ان کی تقریباً تمام تصانیف مناظرہ میں ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مناظرہ ان سے اور مولوی محمد قاسم صاحب سنی المذہب سے ہوا تھا جس میں فخر الحکماء سید علی اظہر صاحب (کھجوہ ضلع سارن) بھی تشریف لے گئے تھے۔ مناظرہ میں کامیابی سے سید سجاد حسین صاحب کو مناظرہ کا شوق ہوا۔ اور بقول اصلاح "صدہا کتابیں لکھ ڈالیں جو اکثر چھپ بھی چکی ہیں" زبردست مناظر ہونے کی وجہ سے شیعوں نے "شیر پنجاب" کا خطاب دیا تھا۔

ان کی بعض کتابوں کے یہ نام ہیں۔

(۱) سرمۂ خاموشی

(۲) رسالہ سجادیہ

(۳) درِ بے بہا (اثبات ایمان امیر المومنین مطابق قواعد خوارج)

(۴) تقریر دلپذیر (۲۰۰ صفحہ) اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام میں صرف دو فرقے ہیں شیعہ اور خوارج۔ سنی کوئی فرقہ نہیں ہے اس کا وجود عقلاً محال ہے۔

(۵) رافع وہم (در اثبات تقیہ)

(۶) اصل الحقیقت برد الحقیقت (۳۶۰ صفحہ)

(۷) شرح کنز مکتوم فی حل عقد ام کلثوم

(۸) الہادی۔ یہ شیعہ، سنی اور عیسائی کا مناظرہ ہے

(۹) الذریعہ میں ان کی ایک مطبوعہ کتاب "مسلک المخالف" کا ذکر ملتا ہے۔

وفات

اصلاح جلد ۲۴ نمبر ۱۰ تا ۱۲ (شوال تا ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ) میں (جو غالباً ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ کے قریب شائع ہوا تھا۔) یہ خبر چھپی تھی۔

"جناب سید سجاد حسین صاحب ساکن جہوہ سادات ضلع مظفر نگر نے ۴ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ کو انتقال کیا۔ ایک دو نہیں صدہا رسائل کے مصنف تھے۔ باوجودیکہ زیادہ علم نہ رکھتے تھے مگر مذہب شیعہ کے ایسے شیدائی اور عاشق تھے کہ بجز اس شغل کے کوئی شغل نہ تھا۔"

بہ حساب تقویم ۴ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ ۵ نومبر ۱۹۲۱ء سے مطابق تھی

سجاد حسین، سید

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء

مولانا سید سجاد حسین صاحب جون پور کے باشندے تھے۔ لیکن وہاں سے ترک سکونت کر کے نانپارہ (ضلع بہرائچ) میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان کے اجداد کا بنوایا ہوا خاندانی حسینیہ آج بھی ملا ٹولہ (جونپور) میں موجود ہے۔ مولانا مسجد ارشادیہ (ردولی ضلع بارہ بنکی) میں امام جمعہ و جماعت بھی رہے تھے۔

آپ کے صاحبزادے مولانا سید ابن حسن صاحب نانپاروی ہیں۔ مولانا سید سجاد حسین نے ۱۶ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ (۲۱ جولائی ۱۹۹۱ء) کو رحلت فرمائی۔

(اصلاح، حسینی جنتری ۱۴۱۲ھ)

سجاد علی

میرزا سجاد علی المتخلص بہ فیضی الذریعہ میں ہے کہ ۱۲۹۰ھ میں اصول دین پر ایک رسالہ لکھا۔ ایک اور تصنیف "موارد الکلم" ہے

الذریعہ ہی میں سجاد علی کی ایک اور تصنیف "غلبہ حیدری المعروف بہ مسیّب نامہ" کا ذکر ملتا ہے۔ جو سات جلدوں میں تھی اور جس کی چوتھی جلد ۱۳۰۲ھ میں چھپی تھی۔

کیا یہ سمجھا جائے کہ یہ دونوں نام یعنی سجاد علی اور میرزا سجاد علی فیضی ایک ہی شخصیت کے ہیں؟

سید علی، جائسی

سید مہدی ابن نجف علی عظیم آبادی نے تذکرۃ العلماء المحققین میں ان کو غفران مآب سید دلدار علی طاب ثراہ کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ اور ان کے لئے "عالم عامل و عارف کامل" کے القاب استعمال کئے ہیں۔

(تذکرۃ العلماء المحققین، الکرام البررۃ جلد دوم ۵۹۷)

سخاوت علی، سید

سید سخاوت علی سبزواری آگرہ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے مجالس المومنین کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ جس کا کچھ حصہ چھپ چکا تھا

(الذریعہ)

سعادت حسین، شیخ، افتخار العلماء

۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء

۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

افتخار العلماء مولانا سعادت حسین خان صاحب ابن منور حسین ابن محمد حسین ابن بخشی خان، امہٹ ضلع سلطان پور کے مایہ ناز فرزند تھے۔ آپ نے اپنی تاریخ ولادت خود اپنے قلم سے ۲۱ رصفر ۱۳۲۵ھ تحریر فرمائی ہے جو ۵/اپریل ۱۹۰۷ء سے مطابق ہے بچپن کا نام فقیر حسین تھا لیکن جامعہ ناظمیہ میں داخل ہوئے تو سید ہادی حسن صاحب مرحوم نے جو علم جفر کے ماہر استاد تھے اسے بدل کر سعادت حسین کردیا۔ (الذریعہ میں تاریخ ولادت حدود ۱۳۳۰ھ درج ہے جو تسامح ہے۔)

افتخار العلماء کے جد اعلی بریار سنگھ مسلمان ہوگئے تھے۔ جس کے بعد ان کا نام بریار خان ہوگیا۔ آپ کی مسلم اولادیں سلطان پور اور پرتاپ گڈھ میں ہزاروں کی تعداد میں آباد ہیں۔ مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

"امہٹ میں تشیع ہمارے دادا کے دادا بخشی خان کے سبب سے آیا اسلئے کہ انھوں نے خود ہی سرور عالم کی خواب میں زیارت کی تھی۔ مگر جب حضرت کو سلام کیا تو حضرت نے منھ پھیر لیا بخشی خان نے حضرت سے اس کا سبب پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے اس لئے تمہاری طرف سے منھ پھیر لیا کہ تم ہمارے اہل بیت کو دوست نہیں رکھتے۔ تو بخشی خان نے عرض کی اب سے ان کو دوست رکھوں گا۔

ان کے ایک دوست زمینداروں میں سے پڑھے لکھے تھے۔ ان سے خواب نقل کیا تو انھوں نے خواب کی تعبیر بتائی کہ آپ کو شیعہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔ چنانچہ وہ شیعہ ہوگئے اور ان کے ساتھ کل آبادی شیعہ ہوگئی۔

مولانا کو ان کے چچا بختاور علی خان نے تحصیل علم کا شوق دلایا۔ آپ اپنی تحصیل علم کا حال خود یوں لکھتے ہیں۔

وطن سے لکھنؤ ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۴۰ھ میں وارد ہوا[1] اور سرکار ناصر الملۃ کے یہاں قیام کیا اور انھیں کے زیر سایہ تحصیل علوم کا سلسلہ شروع کیا۔ جامعہ ناظمیہ میں مقدمات کی تحصیل کی، شیعہ عربی کالج وسلطان المدارس میں پڑھتا رہا اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کی سند حاصل کی۔

لکھنؤ کے مدارس سے فارغ ہونے کے بعد آپ حیدر آباد میں ایک رئیس کے بچوں کے اتالیق مقرر ہو گئے تھے۔ وہاں ہر طرح کا آرام تھا لیکن آپ کو نجف جا کر علم دین کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنا مقصود تھا۔ آپ کے جذبۂ صادق نے ان رئیس کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ آپ کے عراق جانے کا بندوبست کر دیں۔ آپ اواخر رجب ۱۳۵۲ھ میں نجف گئے۔

زمانۂ قیام نجف میں آپ نے آقائی شیخ ابراہیم رشتی، آقائے شیخ عبدالحسین رشتی، آقائے سید حسن بجنوردی اور آقائے مرزا محمد باقر زنجانی سے فقہ واصول کی تعلیم حاصل کی۔ علم کلام میں آقائے سید جواد تبریزی اور عربی ادب میں آقائے سید محمد سماوی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا۔ اصول فقہ میں آپ نے آقائے شیخ ضیاء الدین عراقی کے درس خارج میں شرکت کی۔ اور فقہ میں آقائے سید ابوالحسن اصفہانی کے درس خارج میں شریک رہے۔ جن مجتہدین کرام نے آپ کو اجازات مرحمت فرمائے ان میں سرکار ناصر الملۃ، سید عبدالحسین شرف الدین الموسوی، آقائے بزرگ تہرانی، شیخ عباس قمی، آقائی سید ابوالحسن اصفہانی، شیخ ضیاء الدین عراقی، آقائی سید محمد رضا گلپایگانی، آقائی سید شہاب الدین مرعشی طاب ثراہم اجمعین شامل ہیں۔ (افتخار العلماء نے بھی آقائی مرعشی کو اجازہ دیا تھا۔ یعنی یہ اجازہ مدبجہ تھا)

---

[1] یہ تاریخ ہے۔ سن ۱۹۲۰ء جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ میں شروع ہوا تھا۔

فیض آباد

وطن واپس آئے تو سرکار ناصر الملۃ کی فرمائش پر فیض آباد چلے گئے۔ وہاں وثیقہ عربی کالج کے درہم برہم تعلیمی نظام اور انتظامات کو درست کیا طلباء کی تعداد بڑھائی اور مدرسہ میں دوبارہ زندگی پیدا کی۔ مدرسہ کی اصلاح کے بعد آپ نے مساجد کی طرف توجہ کی حسن آغا کاظمی سے چوک مسجد کے کاغذات حاصل کئے اور نوعیت سمجھ کر نماز جماعت کے لئے ایک پیشنماز مقرر کر دیا۔ اس پر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ہنگامہ ہوا مقدمہ چلا لیکن آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ ہوئی۔

بابری مسجد

۲۲ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نائر کی سازش سے راتوں رات بابری مسجد میں مورتی رکھ دی گئی تھی، شیعہ تمام افراد حرکت میں آ گئے سب سے زیادہ غم وغصہ کا مظاہرہ افتخار العلماء نے کیا حضرات اہل سنت بھی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ ایک جلسہ عام کی بنا ہوئی دیگر مقررین کی پرجوش تقریروں کے بعد افتخار العلماء نے اپنی لکھی ہوئی تقریر پڑھی جس میں مسلمانوں کو قانون کا سہارا لینے کا مشورہ دیا۔ آخر میں فرمایا: اگر آپ حضرات پرسوں میرے ساتھ چلیں تو خود سعادت حسین مسجد سے مورتی ہٹا دیگا۔ اس اعلان کی فلک شگاف نعروں سے پذیرائی کی گئی لیکن مقررہ دن کوئی بھی مسلمان وہاں حاضر نہیں ہوا۔

بابری مسجد کے قضیئے کی ابتدا ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کی "انتہا" سے کتنی ہم آہنگ ہے جس طرح ابتدا میں مسلمان عملی اقدام سے گریزاں رہے اسی طرح ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو وی پی سنگھ سابق وزیر اعظم تو اجودھیا میں مسجد کی حمایت کے لئے موجود تھے لیکن بابری مسجد کے نام پر پورے ہندوستانی مسلمانوں کو مشتعل کرنے والے مسلم لیڈران میں سے ایک کا بھی پتہ نہ تھا۔

قیام فیض آباد کے زمانہ میں نواب حسن رضا خان کی مسجد کی واگذاری اور خدام المجالس کی نشاۃ ثانیہ قابل ذکر ہے۔ اسی طرح کانپور کے فسادات کے بعد آپ نے گورنمنٹ کی ناراضی کی پروا کئے بغیر جلسہ عام میں زبردست تقریر کی۔ ڈپٹی کمشنر نے مدرسہ کی گرانٹ بند کردی۔ آپ نے لکھنؤ سے دوبارہ گرانٹ جاری کرالی۔ درمیانی عرصہ میں اساتذہ وطلبہ کو محسوس نہ ہونے دیا کہ گرانٹ رک گئی ہے۔

لکھنؤ

بارہ سال تک فیض آباد میں دینی وعلمی وقومی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۵۲ء میں آپ سرکار نصیر الملۃ کے مشورہ سے لکھنؤ تشریف لائے۔ اور شیعہ عربی کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے آخر زندگی تک خدمات میں مشغول رہے۔ اس ادارہ میں جامعہ ناظمیہ اور سلطان المدارس کے بہت سے طلباء عماد الادب، عماد التفسیر اور عماد الکلام کے درجات میں داخلہ لیتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ کے شاگردوں کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہوتی ہے۔ جن میں سے چند نام یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

سعید الملۃ مولانا سید محمد سعید، فخر العلماء مرزا محمد عالم، امیر العلماء سید امیر الحسن (پرنسپل جامعہ ناظمیہ)، مولانا محمد حسین نجفی مرحوم، مولانا محمود الحسن (پرنسپل مدرسۂ ناصریہ جونپور)، مظفر حسین طاہر جرولی مرحوم، مرزا محمد اشفاق، مولانا ناظم علی، مرزا محمد اطہر، سید ضیاء الحسن موسوی (پاکستان) قاضی محمد عسکری (مدیر مجلّہ توحید ایران) سید محمد جابر جوراسی (مدیر رسالۂ اصلاح) مولانا سید ابن حسن (فیض آباد) مولانا سید شبیہ الحسن نونہروی، مولانا سجاد حسین، مولانا محمد زاہد، مولانا ابن حسن نجفی۔

لکھنؤ میں ہی آپ کی نفیس ترین تصانیف بھی سامنے آئیں۔ یہاں مختلف اداروں کا انتظام، دینی ومذہبی اداروں کا اجراء، محافل ومجالس سے نشر فضائل اہل بیت، مساجد میں مواعظ کا

اہتمام، اس کے علاوہ شیعی سیاست سے متعلق امور میں دلچسپی آپ کو دم لینے کا موقع نہیں دیتی تھی لیکن انہیں ہنگاموں میں آپ تصنیف وتالیف کا وقت نکال لیتے تھے۔ (تصانیف کی فہرست آگے دی جائے گی) آپ علی گڈھ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے ممتحن تھے۔ مدرسہ ناصریہ جونپور کی مجلس انتظام کے صدر تھے۔ شیعہ کالج لکھنؤ کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے ممبر اور شیعہ عربی کالج کے پرنسپل تھے۔ مدرسۃ الواعظین کی مجلس انتظامیہ کا ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ رسالہ الواعظ کے مستقل نگراں تھے۔ مدرسۃ الواعظین کے مستقل ممبر بھی تھے۔ حوزہ علمیہ مظفر نگر کے نگراں بھی تھے۔ تنظیم المکاتب کے بانیوں میں تھے۔ اور اسکے پہلے نائب صدر اور دوسرے صدر بھی رہے۔

مولانا وصی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ کی علالت کے زمانے میں مدرسۃ الواعظین میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے آپ اعزازی طور پر تیار ہو گئے۔ اور اسے ایک مستقل ڈیوٹی کی طرح انجام دیتے رہے۔ روزانہ پابندی کے ساتھ سات بجے صبح مدرسہ جاتے مدرسہ کے اوقات کے بعد وہاں سے کتب خانہ ناصریہ تشریف لے جاتے تھے اور تحریری مشاغل اور مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ وہاں سے تین بجے سہ پہر کو شیعہ کالج تشریف لے جاتے اور چھ بجے شام کو گھر پہنچتے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت تھا جب آپ کی عمر اسی سال کے قریب پہنچ چکی تھی۔

سلطان پور کے امام باڑے کی تعمیر، تالاب نکیت رائے کی مسجد کی تعمیر وواگذاری، منصور نگر کی دو مسجدوں کی تعمیر کے لئے مومنین کی تشجیع آپ انجمن تعمیر مساجد کے بانی اور سرپرست تھے جنت البقیع تال کٹورہ روڈ کی تعمیر میں سرگرمی دکھائی امہٹ میں مکاتب کا قیام اور جامع مسجد کی تعمیر۔ یہ سب آپ کے قومی وتعمیری خدمات کے گواہ ہیں۔

۱۹۶۰ء میں آپ افریقہ تشریف لے گئے تھے اور وہیں لنڈی میں راقم الحروف کو ان سے نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا جہاں آپ دورہ کرتے ہوئے تشریف لائے تھے۔ مولانا اور جناب ذاکر

حسین فاروقی میرے ہی کمرہ میں مقیم تھے اور بہت دلچسپ اور علمی صحبتیں رہیں۔ ایک ہفتے کے بعد یہ حضرات دارالسلام تشریف لے گئے۔

تصنیفات

لکھنؤ کی طالب علمی ہی کے زمانے سے جریدہ "الصراط" کی ادارت کے فرائض تقریباً چار سال تک انجام دیے۔ جناب نصیر الملۃ کی صدارت میں نادی الادباء کی بنیاد رکھی جس میں مدرسہ ناظمیہ اور مدرسہ سلطانیہ کے فاضل طلاب ہر ہفتہ جمع ہوتے تھے اور عربی میں مقالے پڑھتے تھے۔ "الادیب" کے نام سے ایک ماہوار مجلّہ بھی جاری کیا گیا۔ نجف پہنچ کر آقائے ابوالحسن اصفہانی کے عملیہ کا اردو ترجمہ کیا۔ جو نجف ہی میں طبع ہوا۔ اس کے علاوہ مقتل کی مشہور کتاب "ابصار العین فی انصار الحسین" کا ترجمہ کیا۔

دیگر تصانیف کی فہرست حسب ذیل ہے۔

تحقیق حق (مسئلہ خلافت پر سیر حاصل بحث) احتجاجات (عربی، پانچ جلدیں ناتمام) ضیاء العین (زندگانی علامہ سید حامد حسین) مصائب الشیعہ آٹھ جلد (اب تک سات جلدیں طبع ہو چکی ہیں) عصر حاضر اور علامات ظہور، ترجمہ احقاق الحق (بابت امامت غیر مطبوعہ) جواہر صدف رسالت، ترجمۂ رسالۂ حقوق امام زین العابدینؑ۔ غیبت (ترجمہ رسالہ شیخ مفید) جواز لعن یزید، مناظرہ ہشام بن حکم، اصحاب امیر المومنین کی قربانیاں (تین جلدوں میں) شہداء اربعہ، النجف الاشرف، تعمیر روضہ سید الشہداء، عظمت شہداء کربلا، دو ناصر، تاریخ کتب خانہ ناصریہ، حیات النصیر نصیر الحیات، قول جلیل (در رد کتاب امام اسماعیل ملا حسین علی۔) بوہرہ مذہب: حقیقت کے آئینے میں، صدر اسلام کے افریقی مسلمان (اس کتاب کا انگریزی و سواحلی ترجمہ افریقہ میں شائع ہو چکا ہے) امام محمد باقر علیہ السلام، امام محمد تقی علیہ

السلام، بدعت تراویح، امام منتظر (ایک سنی عالم کی تصنیف البیان کا ترجمہ) شہنشاہ حبشہ النجاشی، سرکار ناصر الملت، حالات نصیر الملۃ، جواب باب اول تحفۂ، جواب باب دوم تحفہ، جواب باب چہارم تحفہ، جواب باب پنجم تحفہ، جواب باب ششم تحفہ، حالات صاحب تحفہ، جواب باب دہم تحفہ، (زیر ترتیب) مختصر حالات ائمہ اثناعشر، محسن اسلام (حصہ اول) محسن اسلام (حصہ دوم) احسن المطالب (از زبان امیر المومنین علی بن ابی طالب بمقابلۂ شوریٰ) فضائل ابی تراب عن روایۃ عمر بن الخطاب، مناقب امیر المومنین از زبان امیر المومنین، مبغضین حضرت علی، معاویہ و ناصبی حکومتیں مرتبہ ابوجعفر اسکافی، دلائل یقینیہ ترجمہ خلاصہ کتاب العثمانیہ، نماز شب، ترجمہ صادق آل محمد، گناہان کبیرہ (نامکمل ترجمہ) وہابیین اور ان کا طریقہ کار، ماخذ عبقات الانوار، مواعظ مسجد کوفہ، منابع البلاغۃ شیعیت اور اسلام (شیعوں پر کفر کے فتویٰ کا جواب) ترجمہ احقاق الحق (توحید و نبوت مطبوعہ) صاحب الامر، کارنامہ تبلیغ ملا علی قاری۔

اخلاق حسنہ

افتخار العلماء کی زندگی بڑی سادی اور مرنجان مرنج تھی، دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ درد بنا لیتے تھے، دینی طلبہ پر خاص شفقت فرماتے تھے۔ ان کی لغزشوں کو انتہائی بردباری سے نظر انداز فرما جاتے تھے۔ اپنے محسنوں اور بزرگوں کی مذمت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ فوراً شمشیر برہنہ ہو جاتے تھے۔ خاص طور سے اپنے ان اساتذہ سے ان کو بڑی محبت تھی۔ جنھوں نے آپ کی زندگی سنواری تھی۔ خانگی زندگی میں بھی شفقت و نرمی اور احسان کا برتاؤ تھا۔ جس طرح خود دوسروں کے کام آتے تھے۔ اپنے متعلقین کو بھی ایثار کی تعلیم فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں زبان سے زیادہ عمل کو بروئے کار لاتے تھے۔ فیض آباد کے مومنین کا بیان ہے کہ جب آپ وثیقہ کے پرنسپل تھے تو طلبہ و مدرسین پر شفقت

وترحم کی ایسی بارش فرماتے تھے اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جس طرح خاندان کا بزرگ خیال رکھتا ہے۔ لیکن یہ شفقت وترحم کی عادت اصولوں سے متصادم نہیں ہوتی تھی اگر بات اصول کی ہوتی تھی تو اپنوں کو بھی نظر انداز کردیتے تھے۔ اور تائید حق کے سلسلے میں مخالفین سے بھی ہاتھ ملا لیتے تھے بلکہ ہر ممکن تعاون پر آمادہ ہوجاتے تھے۔ ان کی نفرت ومحبت کا معیار شریعت اور مذہب تھا۔

اولاد

آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ پانچ بیٹیاں ہوئیں آپ کے دو داماد مولانا علی عباس صاحب اور مولانا محمد زاہد خان صاحب خدمت دین میں مصروف ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام اپنے خویش صغیر احمد صاحب کے ساتھ رستم نگر (لکھنؤ) میں گذارے۔

وفات

۳۰ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۳ر اگست ۱۹۸۹ء شام کے سات بجے کے قریب جب سورج ڈوب رہا تھا اس وقت علم و دانش فقہ و دیانت کا یہ آفتاب بھی غروب ہوگیا یعنی شب یکم محرم الحرام ۱۴۱۰ھ کو۔ دوسرے دن تقریباً نو بجے درگاہ شاہ نجف میں تاج العلماء مولانا محمد زکی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وہاں سے جنازہ روضۂ کاظمین لایا گیا جہاں مولانا حمید الحسن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ۱۱ بجے امبٹ کے لئے یہ قافلہ روانہ ہوا۔ وہاں مولانا محمد حسین صاحب نجفی نے نماز جنازہ پڑھائی اور پانچ بجے شام کو آپ کے خاندانی حسینیہ کے صحن میں سپرد لحد کیا گیا۔

سعید الرحمٰن، سید، شہید

ف ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

سید سعید الرحمٰن مرحوم بلرام پور تحصیل ضلع گونڈہ کے موضع بھاتھر کے رہنے والے تھے جو پچ پیڑوا اسٹیشن سے کئی میل کے فاصلہ پر ہے۔ رستہ پیدل یا سائیکل کا ہے۔ اگرچہ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں جب راقم الحروف وہاں گیا تھا تو سعید الرحمٰن مرحوم کی کوشش سے تھوڑا سا راستہ رکشا سے طے ہوا۔

سعید الرحمٰن سنی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ۲۵۔۳۰ برس کی عمر میں مولانا سید علی گوپال پوری (اترولہ) کے فیض صحبت سے حلقہ بگوش تشیع ہوئے اور اپنے مطالعہ سے اسلامی معلومات کا خزانہ دماغ میں محفوظ کرلیا۔ انتہائی پر جوش مبلغ تھے۔ اپنے گھر والوں اہل خاندان اور قرب وجوار کے لوگوں کو راہ حق دکھائی۔ اس کے نتیجہ میں مخالفین کی طرف سے ان کو مادی نقصانات بھی اٹھانے پڑے۔ کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے ہندوؤں کے اچھوت طبقے کی طرف توجہ کی جن کو آج کل ''دلت'' کہا جاتا ہے۔ سیاسی مصالح کی بنیاد پر انہوں نے اسلام قبول کرنے والے تمام اچھوتوں کو یہ تاکید کردی تھی کہ کبھی کسی غیر کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار نہ کریں نہ اپنا اسلامی نام استعمال کریں۔ اس وقت یوپی اسمبلی کے بعض دلت اراکین بھی ان کے ساتھ ہوگئے تھے کیونکہ انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ اچھوتوں کی بہبود کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ جب بھی حکومت کی انتظامیہ یا عہدیداران پولیس اچھوتوں پر ظلم کرتے تھے تو ان مظلوموں کی حمایت میں سب سے پہلے بلند ہونے والی آواز سعید الرحمٰن کی ہوتی تھی۔ اور جب تک وہ معاملہ ان کے حسب منشا طے نہ ہوجاتا وہ چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ ۵ر اپریل ۱۹۸۸ء (یہ تاریخ ۱۷ر شعبان ۱۴۰۸ھ سے مطابق تھی) کو ان کے تھانے کا داروغہ ان کے دروازے پر آیا اور یہ کہتے ہوئے کہ دیکھو پولیس کی مخالفت کا یہ انجام ہوتا ہے۔ ان کی پیشانی پر گولی مار

دی۔ اور وہ وہیں جاں بحق ہو گئے۔ جب ان کے بھائی اور اہل خاندان تھانے میں رپورٹ کرنے پہونچے تو ان لوگوں کو قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ عرصہ دراز تک مقدمہ چلتا رہا۔ جب تک یہ لوگ چھوٹیں سارا گھر برباد ہو گیا۔

سید سعید الرحمٰن مرحوم کی چھوٹی چھوٹی چند تصنیفیں بھی شائع ہوئی تھیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) تحتہ فرقے میں ایک (۱۶ صفحہ) (الجواد جلد ۲۲ اگست ۱۹۷۱ء میں بطور ضمیمہ شائع ہوا۔)

(۲) میں کیوں شیعہ ہوا

(۳) جواز تعزیہ داری

سکندر، نجم الدین

........./.........

بعد از ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء

سید نجم الدین سکندر کو الذریعہ جلد ۲۱ میں ''الحسینی الآملی من القرن الحادی عشر فی الہند'' لکھا ہے۔ ''الحسینی'' صفت کی بنا پر میں نے ان کے نام کے پہلے ''سید'' لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصلاً آمل (طبرستان) کے رہنے والے تھے ہندوستان میں ۱۰۵۰ھ سے کچھ پہلے آئے۔ اوائل محرم ۱۰۵۰ھ میں رکن الدولہ سپہدار خان صوبہ دار برار کے پاس پہنچے شب نہم محرم میں جب شیعہ نوحہ و ماتم و سینہ زنی میں پر جوش طریقے سے مشغول تھے تو ایک سنی پیشماز نے یہ کہا کہ یہ سب بدعت ہے۔ نجم الدین سکندر نے اسے وہیں پر مفصل جواب دے کر خاموش کر دیا کہ وہ کچھ نہ بول سکا غصہ میں بھرا ہوا اپنے گھر گیا اور یہ مصمم ارادہ کرلیا کہ ان میں سے بعض کو وہ قتل کر دے گا اتنے میں اسے گھر

میں کبوتروں کے شور کی آواز آئی جب وہ وہاں پہنچا تو ایک سانپ نے اس کے ہاتھ میں ڈس لیا۔ وہ چلانے لگا'' میرے بغض اہل بیت کی وجہ سے سانپ نے مجھے ڈس لیا'' آخر کار اسی شب وہ مر گیا۔ تب اس مجلس کے حاضرین نے نجم الدین سکندر سے فرمائش کی کہ وہ ایک رسالہ لکھیں جس سے حق واضح ہو جائے۔ اس بنا پر انھوں نے '' مرآۃ المذاہب فی کشف المناقب'' لکھی جس میں ایک مقدمہ، چار ارکان، پانچ مرآت اور ایک خاتمہ ہے۔

(الذریعہ جلد ۲۰)

وہ برار سے کشمیر گئے۔ پھر بنگال کا سفر کیا وہاں سے علی قلی بیگ اصفہانی سے وابستہ ہوئے جن کی فرمائش سے ان کے فرزند محمد تقی کے نام پر'' مرآۃ التقی'' لکھی۔

اپنے نام سکندر کی مناسبت سے انھوں نے اپنے کئی تصانیف کا نام'' مرآۃ'' یعنی آئینہ رکھا تھا۔ ان میں سے کئی مخطوطہ رسالوں کو آقائی بزرگ تہرانی نے ایران کے کتب خانوں میں دیکھا تھا۔ اور کئی کا ذکر الذریعہ میں کیا ہے۔

سکندر ہندی شاعر بھی تھے۔ فارسی میں سکندر اور عربی میں اسکندر تخلص کرتے تھے۔ ان کے قصائد و غزلیات کے دیوان کا تذکرہ آقائی بزرگ تہرانی نے کیا ہے۔

تصانیف

(۱) مرآۃ المذاہب فی کشف المناقب (۲) مرآۃ الآیات (۳) مرآۃ الجنان (۴) مرآۃ السعادۃ (۵) مرآۃ الشہود (۶) مرآۃ القلوب (ٹھیک سے پتہ نہیں چلتا کہ نمبر ۲ سے نمبر ۵ تک کے پانچ مرآت'' مرآت المذاہب والے مرآت ہیں یا اس سے الگ مستقل رسالے ہیں) (۷) مرآۃ الکرامہ (۸) مرآۃ الامثال (۹) مرآۃ التقی (۱۰) مرآۃ الحقیقہ فی اصطلاحات اہل الحال (۱۱) مرآۃ الازواج (۱۲) مرآۃ الحیاۃ (۱۳) مرآۃ الشروط فی آداب الدعاء (۱۴) چہار آئینہ (۱۵) التجوید (۱۶)

معرفۃ الذات والصفات من اہل العلم (۱۷) الاخلاق الجلیلہ (۱۸) الاعمال الصحیحہ (۱۹) حکایات دالۃ علی قدرۃ الخالق (۲۰) رسالۃ العروض والقافیہ (۲۱) منتخب اخلاق ناصری (۲۲) منتخب روضۃ الشہداء (۲۳) ہشت بہشت (۲۴) معرفت تقویم (۱۲ مرآت میں) (۲۵) گوہر شناسی۔

(طبقات اعلام الشیعہ ، الذریعہ)

سلامت علی

آپ لکھنو کے رہنے والے اور فخر العلماء والمجتہدین سید محمد محسن زنگی پوری طاب ثراہ (۱۳۲۵-۱۲۴۳) کے تلامذہ میں تھے۔ ہوگلی میں حدیث خواں کے عہدہ پر مامور تھے۔ (مطلع انوار صفحہ ۵۹۵) اصلاح جلد نمبر ۱۳ نمبر ۹ (رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ) میں مولانا سلامت علی صاحب دامت برکاتہ ہگلی کا تذکرہ ملتا ہے۔ نیز رسالہ حالات مناظرہ شیعیان بنگال (۲۴ پرگنہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مناظرہ میں شیعوں کی طرف سے اصل مناظر" جناب قبلہ وکعبہ مولانا سید غلام علی شاہ صاحب پنجابی" اور بطور ان کے معاون کے جناب مولانا مولوی شیخ سلامت علی صاحب ، باشندہ ہگلی کو نامزد کیا گیا تھا یہ رسالہ اصلاح ماہ صفر ۱۳۳۲ھ کے ساتھ چھپا تھا۔

سلمان احمد، حاجی، مبارکپوری

۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵

۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳

حاجی حکیم مولانا سلمان احمد صاحب ابن مولانا علی حماد صاحب مبارکپوری ، محلہ شاہ محمد پور (مبارکپور) میں ماہ رمضان ۱۳۵۴ھ / دسمبر ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اپنے وقت کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے اور سلمان احمد صاحب نے ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی پھر مدرسہ باب العلم (مبارک پور) میں داخل ہوئے اور وہاں سے جامع العلوم جوادیہ (بنارس) پہنچے جہاں سے فخر الافاضل کی سند حاصل کی ، دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد طب کا کورس مکمل کیا۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۹ء تک مدرسہ باب العلم (مبارکپور) کے پرنسپل رہے (دوران تعلیم سرکار ظفر الملۃ نے مولانا کو پکھناری (ضلع آرہ بہار) پیش نمازی کیلئے بھیجا تھا)

حدود ۱۹۸۰ء میں مولانا غلام عسکری صاحب مرحوم نے حاجی سلمان احمد صاحب کو سورن کوٹ (پونچھ، کشمیر) میں معین کیا کہ تنظیم المکاتب کی طرف سے جامعہ قائم کریں اور تدریسی فرائض انجام دیں چنانچہ وہاں جامعہ امامیہ قائم ہوا جس کی بقا اور ترقی مولانا سلمان احمد صاحب کے جوش و جذبہ کی مرہون منت تھی بعد میں بعض وجوہ سے یہ جامعہ سورن کوٹ سے منتقل ہو کر پہاڑ کے اوپر مومنین کی بستی میں چلا گیا۔

وطن سے دور پونچھ میں مولانا سلمان احمد صاحب نے ۲۷ مارچ ۱۹۸۳ء بروز یکشنبہ (۱۲ جمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ) انتقال فرمایا۔ لاش وہاں سے لکھنو لائی گئی اور وہاں سے آپ کے وطن مبارکپور پہنچی جہاں آپ کے جسد خاکی کو شیعہ عیدگاہ میں سپرد خاک کیا گیا۔

مولانا سید کرار حسین صاحب مرحوم نے اپنے ایک مضمون "ہم اکیلے ہی چلے تھے ---" میں

تحریر فرمایا ہے۔ "جامعہ (امامیہ پونچھ) اس وقت تک کام کرتا رہا جب تک مولانا سلمان احمد صاحب مرحوم حیات رہے میں تنظیم کے دفتر میں تھا خطیب اعظم تشریف نہیں رکھتے تھے نماز صبح کے وقت مولوی منیر صاحب اپنے ایک رفیق کے ہمراہ جب مولانا سلمان احمد مرحوم کی لاش لے کر آئے ان کی موت کے ساتھ جامعہ بھی دفن ہوگیا۔"

(مولانا فیروز عباس ابن مولانا علی ارشاد صاحب مبارکپوری اخبار تنظیم المکاتب (جشن سیمیں کا یادگاری مجلہ ۱۹۹۳ء)

سلمان حیدر سید

....../......

۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء

مولانا سید سلمان حیدر صاحب جامعۃ المنتظر (نوگانواں سادات، ضلع مراد آباد) کے پرنسپل تھے نجف سے واپسی کے بعد جامعہ عالیہ جعفریہ کے صدر مدرس رہے آپ اس مدرسہ کے بانیوں میں شامل تھے پھر حامد المدارس (پیہانی ضلع ہردوئی) کے پرنسپل رہے ماہنامہ المنتظر بھی انہیں کی نگرانی میں شائع ہوتا تھا۔ تذکرہ بے بہا جوان کے جد اعلیٰ کی تصنیف ہونے کی وجہ سے ان کا خاندانی ورثہ تھا اس میں اضافہ کے کام میں بھی دلچسپی لی تھی۔

۱۸، شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ/۱۱، فروری ۱۹۹۳ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا

(اصلاح جلد نمبر ۸۸ نمبر ۳ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ)

شمس الحسن، سید، بجنوری

....../......

۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء

مولانا سید شمس الحسن صاحب باشندہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے بڑے عبادت گزار نہایت خوش کردار دوستوں کے لئے باغ و بہار اور دشمنوں کے لئے صاعقہ شعلہ بار تھے۔ لکھنو میں تکمیل علوم کے لئے آئے اور ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی۔ خوش گفتار ذاکر اور بے عدیل واعظ تھے۔

شب جمعہ ۲، جنوری ۱۹۶۴ء/ ۴، رمضان ۱۳۸۳ھ میں رحلت فرمائی۔

(الجواد بنارس جلد نمبر ۱۵ نمبر ۲، ماہ فروری ۱۹۶۴ء)

صابر حسین، سید، امروہوی

۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء

بعد از ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء

مولانا سید صابر حسین نقوی امروہوی ابن جناب سید ذاکر حسین صاحب کی ولادت امروہہ میں ۱۹۱۵ء میں ہوئی ان کی تعلیم سید المدارس امروہہ سے شروع ہوئی اور بورڈ کے اردو، فارسی اور عربی کے امتحانات یہیں سے پاس کئے پھر سلطان المدارس میں درجہ سند الافاضل میں داخل ہوئے لیکن کچھ پریشانیوں کی وجہ سے تعلیم چھوڑنی پڑی اور سید المدارس (امروہہ) میں بطور مدرس کام کرنے لگے۔ پھر اسلامیہ اسکول (فیروز آباد) میں عربی ٹیچر کی حیثیت سے کام کیا اس کے بعد رضا لائبریری (رامپور اسٹیٹ) میں پانچ چھ سال تک کام کرتے رہے۔ ۱۹۶۰ء میں افریقہ (تانزانیہ) گئے جہاں

عروشا، سونگیا اور متاما جماعتوں میں امام جمعہ، و جماعت کی حیثیت سے خدمات انجام دیے راقم الحروف ایک ہفتہ تک متاما میں ان کا مہمان رہا تھا (اس وقت میں لنڈی میں مقیم تھا جو متاما سے تقریبا چالیس میل کے فاصلہ پر ہے)

متاما سے آپ امروہہ واپس آئے اور وہیں ۱۹۸۲ء کے بعد انتقال کیا۔

(انجمن وظیفہ سادات مومنین گولڈن جوبلی نمبر-ذاتی معلومات)

صادق اصفہانی

آقائے صادق بن صالح اصفہانی، اصفہان کے فضلاء و کملا میں تھے عہد صفوی میں ایران سے ہندوستان آئے۔ الذریعہ جلد نمبر ۱۳، میں ان کی دو تصنیفوں کا ذکر ملتا ہے۔ جن کے موضوعات ان کے علمی معیار کو بلندی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

(۱) شاہد صادق (مختلف موضوعات میں)

(۲) صبح صادق (علم رجال میں ایک مفصل کتاب ہے جو کئی مجلدات پر مشتمل ہے۔)

(الذریعہ جلد نمبر ۱۳)

صادق علی

ــہ ھلــہ ،

م ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء

آپ کا ذکر خیر میں نے بارہا الحاج علی محمد جعفر شریف مرحوم سے سنا کہ مولانا صادق علی صاحب بہت ہی مخلص اور بے باک واعظ تھے اور بلا خوف لومۃ لائم برائیوں سے روکتے اور اچھائیوں کی طرف رغبت دلاتے تھے ممباسا سے ماڈاگاسکر جانے کیلئے شیروانی ٹوپی وغیرہ پہن کر ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے آرام کرسی پر بیٹھ کر ایسٹ افریقن ایرویز کی گاڑی کے انتظار میں بیٹھے تھے تاکہ ممباسا ایرپورٹ جائیں اور اسی حالت میں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی ماڈاگاسکر کے بجائے آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ سنگ مزار پر تاریخ وفات ۴، رجب ۱۳۷۰ھ پنجشنبہ لکھی ہے۔ (۱۲، اپریل ۱۹۵۱ء) پہلے مجھے اتنی توجہ نہ ہوئی کہ ان کے ذاتی کوائف معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔

صبغۃ اللہ، سید

بعد ۱۲۷۰ھ/بعد ۱۸۵۳ء

سید صبغۃ اللہ بن السید جعفر الموسوی الدارابی المشہور بہ "کشفی، نجفی" تیرہویں صدی ہجری کے علماء میں تھے آپ لکھنو تشریف لائے تھے اور وہاں پر، بحر العلوم کے درہ منظومہ کی شرح لکھی دیباچہ میں اس کا نام مفتاح المفاتیح لکھا ہے لیکن نسخہ کی پشت پر مفاتیح الکلام درج ہے اور لکھا ہے کہ فی دار السلطنۃ لکھنو فی رجب ۱۲۷۰ھ اسے سلطان العلماء کے اشارہ سے شاہ اودھ کو ہدیہ کیا۔ فی سفر ہندوستان۔

ان کی ایک جلد سید باقر منصف الدولہ ابن سید محمد سلطان العلماء کو ۱۲۰۷ھ میں ہدیہ کی تھی۔

صغیر حسن سید

سید صغیر حسن زیدی الواسطی دہلوی المتخلص بہ شمس، مطبع یوسفی دہلی کے مالک تھے ان کی ایک تصنیف مجیفہ نور (سوانح حیات جناب سید نور اللہ شہید ثالث، آگرہ) کا ذکر الذریعہ میں ہے متعلق سادات کی دو جلدیں بھی غالباً انہیں کی تصنیف ہیں ان کے علاوہ ان کے آثار میں دو کتابیں اور ہیں۔

۱۔ سوانح عمری مختار ابن ابی عبید الثقفی

۲۔ ترجمہ مثیر الاحزان

صفدر حسین، سید نجفی

۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء

۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء

مولانا سید صفدر حسین نجفی جناب سید غلام سرور نقوی کے فرزند تھے آپ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں علی پور ضلع مظفر گڑھ کے ایک نواحی گاؤں میں پیدا ہوئے سات سال کی عمر میں ۱۹۴۰ء میں اپنے چچا علامہ سید محمد یار شاہ نجفی کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ۱۹۵۱ء میں اعلیٰ تعلیم کیلئے نجف اشرف تشریف لے گئے اور آیت اللہ شیخ تقی آل راضی، آیت اللہ الخوئی اور آیت اللہ محسن حکیم طباطبائی اور دیگر مجتہدین سے کسب فیض کرتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں پاکستان تشریف لائے۔

پاکستان آ کر آپ نے جامعۃ المنتظر میں بطور پرنسپل تدریس کے فرائض سنبھالے آپ کے خلوص محنت اور لگن نے جلد ہی آپ کو علماء کی صف میں ایک ممتاز درجہ عطا کر دیا اور مودت اہلبیت کے پرچم برداروں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔

آپ نے محض ۵۶ برس کی عمر میں ہزاروں علماء کی تربیت کی اور سیکڑوں دینی مدارس قائم کے آپ کے قائم کردہ دینی مدارس پاکستان اور دوسرے ملکوں میں دینی علوم کی ترویج میں مشغول ہیں۔

تصنیفات وتراجم

آپ نے تفسیر نمونہ کی ۲۷ جلدوں کا اردو ترجمہ کیا امام خمینی کے قیام نجف کے درمیان ان کی مشہور کتاب کا ولایت فقیہ کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا اور آیت اللہ سید محسن حکیم طباطبائی کی رحلت کے بعد پاکستان میں تقلید کیلئے امام خمینی کا نام پیش کیا۔ چنانچہ آپ پاکستان میں امام خمینی کے وکیل بھی تھے۔ آپ کا شمار ملت جعفریہ کے ان چند علماء میں ہوتا تھا جنہوں نے اپنی زندگی علوم محمد وآل محمد کی ترویج واشاعت کیلئے وقف کر دی تھی۔ مولانا سید صفدر حسین نجفی ایک بلند پایہ عالم دین اور معلم ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی وانسانی اصولوں کا نمونہ بھی تھے اس وقت وطن عزیز کے طول وعرض سمیت پاکستان سے باہر ایسے سیکڑوں دینی مدارس اور مراکز موجود ہیں جن کے قیام کی تحریک میں آپ پیش پیش تھے۔ ملک اور بیرون ملک آپ کے ہزاروں شاگرد تحریک اسلامی کے کام کو آگے بڑھانے میں سرگرم ہیں ملت اسلامیہ اور بالخصوص ملت جعفریہ کے درمیان آپ کی ذات ہمیشہ غیر متنازعہ اور بزرگ عالم دین کے طور پر تسلیم کی جاتی رہی ہے خصوصاً تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے قیام کے دوران آپ نے ملت کے وسیع تر مفاد کیلئے ایک متفقہ پلیٹ فارم کے قیام کیلئے جو کوششیں کیں وہ قومی تاریخ کا حصہ ہیں۔

آپ اپنے زہد و تقوی اور فہم و فراست کی بدولت معاشرے کے مختلف طبقات میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے

وفات

دورہ ایران کے دوران علالت کے سبب تہران اسپتال میں داخل کیا گیا وطن واپسی پر کراچی کے ایک اسپتال میں داخل ہو گئے لیکن وفات کے چند روز قبل اسپتال سے گھر چلے آئے تھے۔
آپ کی وفات کی خبر سے پورے ملک میں رنج و غم کی ایک فضا پیدا ہو گئی۔

(رضا کار، لاہور یکم تا ۸ دسمبر ۱۹۸۹ء)

صغیر حسن، سید، محمد آبادی

ح ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۴ء
ح ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء

مولانا سید صغیر حسن صاحب قصبہ محمد آباد گوہنہ (ضلع مئو) کے باشندے تھے آپ کے دادا سید حسن عباس صاحب اور مولانا سید الطاف حیدر صاحب کے والد سید مظاہر عباس صاحب سگے بھائی تھے اس طرح مولانا الطاف حیدر صاحب مولانا صغیر حسن صاحب کے چچا تھے۔

ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد سید صغیر حسن صاحب مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں آئے اور مولانا سید علی جواد صاحب طاب ثراہ کی زیر نگرانی تحصیل علم میں مصروف رہے پھر سلطان المدارس گئے جہاں آخر میں باقر العلوم اور ہادی الملۃ طاب ثراہما سے استفادہ کا موقع ملا

اگست ۱۹۲۴ء میں آپ سلطان المدارس میں مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ کے کاغذات میں

اس وقت آپ کی عمر تیس سال درج ہے اس حساب سے آپ کی پیدائش حدود ۱۸۹۴ء میں سمجھنی چاہئے۔

آپ نے تقریباً ۳۳ سال تک سلطان المدارس میں تدریسی خدمات انجام دیئے اور شاگردوں کی ایک کثیر تعداد کو فیض پہنچایا

مولانا ۱۹۵۷ء کے اواخر میں علیل ہوئے مرحوم کے بڑے صاحبزادے بغرض علاج آپ کو بلیا لے گئے جہاں وہ خود مقیم تھے آپ نے وہیں ۲۳، مارچ ۱۹۵۸ء/ ۲، رمضان ۱۳۷۷ھ کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وہیں دفن ہوئے۔

(سید علی امام صاحب محمد آبادی و چودھری سید سبط محمد صاحب نقوی)

ضامن حسین، سید، الحائری

سہ ھ/ سہ ء
۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء

مولانا سید ضامن حسین حائری کا مولد موضع لنڈی کچی ضلع کوہاٹ تھا ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں اپنے بزرگوں سے حاصل کرنے کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے نجف اشرف چلے گئے علم کے ذوق نے آپ کو بیس پچیس سال تک نجف میں روکے رکھا۔ واپس آکر اپنے گاؤں لنڈی کچی میں مستقل سکونت اختیار کی اور ترویج دین کا سلسلہ شروع کیا ایک مدرسہ جاری کیا اور بیباکی و حق گوئی کے ساتھ وعظ و پند کا سلسلہ قائم کیا جس کے نتیجے میں بہت سے تارک الصلوٰۃ افراد باقاعدہ نماز گذار بن گئے۔

آپ نے ۷۶ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

(پیام عمل لاہور ماہ تمبر ۱۹۷۸ء)

ضیاء اللہ، سید، فیض آبادی

مولانا سید ضیاء اللہ مولانا سید مظہر علی فیض آبادی کے بڑے صاحبزادے تھے ماہر معقولات ومنقولات تھے صاحب تحقیق وتصنیف تھے نماز جمعہ پر ان کا ایک قلمی رسالہ خدابخش لائبریری (پٹنہ) میں ہے آپ ایک عرصہ تک بھاگل پور (بہار) میں امام جمعہ وجماعت رہے مولانا کی وفات ان کے پدر بزرگوار کی زندگی میں ہوگئی۔

(الجواد بنارس اگست ۱۹۸۶ء)

طالب حسین کرپالوی، شہید

۱۳۷۲ھ/۱۹۵۱ء

۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

مولانا طالب حسین کرپالوی عمدہ خطیب اور تقریباً ایک سو کتابوں کے مصنف تھے مولانا سید محمد جابر جوراسی (مدیر اصلاح لکھنو) کی تحریر کے مطابق طالب حسین صاحب نے توحید پر پندرہ جلدیں سیرت رسول پر تیس جلدیں اور سیرت امیر المومنین پر پینتالیس جلدیں لکھی تھیں ہر جلد ایک خاص موضوع پر ہے اور اوسطاً ڈھائی تین سو صفحات پر مشتمل ہے مسئلہ تحریف قرآن والی جلد چھ سو سے زائد صفحات پر محیط ہے۔

راقم الحروف نے مولانا موصوف کو صرف ایک بار قم میں دیکھا تھا۔

۶، جولائی ۱۹۹۷ء/ یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ کو موٹر سائیکل پر سوار سپاہ صحابہ کے درندوں نے اس فعال محقق کو لاہور میں شہید کردیا۔ وقت شہادت ان کی عمر ۴۵-۵۰ سال کے قریب تھی۔

ظفر الحسن سید، آیۃ اللہ

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۰ء

۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

آیۃ اللہ مولانا سید ظفر الحسن صاحب اپنی ننھیال موضع خطیب پور ضلع اعظم گڑھ میں ۲۱، رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ (مطابق ۱۹۱۰ء) کو پیدا ہوئے آپ کے والد مولوی سید ضمیر الحسن صاحب ابن سید تصدق حسین صاحب موضع مٹھن پور ضلع اعظم گڑھ کے باشندے تھے جنہوں نے آپ کا تاریخی نام ظفر الحسن رکھا ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کر کے مدرسہ اسلامیہ نظام آباد ضلع اعظم گڑھ میں داخل ہوئے۔ پھر مدرسہ ایمانیہ بنارس میں تعلیم حاصل کی۔ پھر سلطان المدارس لکھنو گئے جہاں سے ۱۹۳۵ء میں صدر الافاضل کیا۔ لکھنو کے اساتذہ میں ہادی الملۃ مولانا سید محمد ہادی صاحب، مولانا سید محمد صاحب مولانا سید عالم حسین صاحب، مولانا عبدالحسین صاحب، مولانا سید الطاف حیدر صاحب اور مولانا سید ابن حسن صاحب نونہروی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ قیام لکھنو کے دوران لکھنو یونیورسٹی کے عربی وفارسی کے امتحانات بھی امتیاز کے ساتھ پاس کیے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۷ء تک آپ مدرسہ باب العلم مبارکپور (اعظم گڑھ) میں مدرس اعلیٰ رہے۔ ۱۹۳۷ء میں نجف اشرف تشریف لے گئے جہاں آپ نے آیت اللہ عبدالحسین رشتی، آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی آیت اللہ سید ضیاء الدین عراقی آیت اللہ سید جواد تبریزی، آیت اللہ ابراہیم رشتی، آیت اللہ سید جمال گلپایگانی اور آیت اللہ سید عبداللہ شیرازی طاب ثراہم سے کسب فیض کیا اور ان حضرات اور دوسرے علماء سے اجازہ ہائے اجتہاد لیکر ۱۹۴۰ء میں ہندوستان واپس آئے۔

۱۹۴۰ء سے زندگی کے آخری لمحات تک جامع العلوم جوادیہ بنارس کی خدمت میں مشغول رہے اولاً وائس پرنسپل کی حیثیت سے اور اسکے بعد پرنسپل کی حیثیت سے راقم الحروف نے جولائی

۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۶ء کے آخر تک آپ سے کسب فیض کیا۔

تلامذہ

باب العلم اور جوادیہ میں آپ کے طلباء کی فہرست طویل ہے۔ ان میں سے صرف چند نام یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

مولانا سید وزیر حسن صاحب، ڈاکٹر سید اقبال احمد صاحب، ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی، مولانا سید محمد مختار زنگی پوری، مولانا فیاض حسین ولید پوری، حکیم سید ظفر مہدی صاحب، اعظم گڑھ، حکیم سید ریاض حسن صاحب کراچی، مولانا سید محمد صاحب زنگی پوری (سابق پرنسپل مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ)، مولانا سید محمد حسینی صاحب، مولانا علی ارشاد صاحب مبارکپوری، مولانا سید کرار حسین صاحب مرحوم، واعظ، مولانا سید احمد حسن صاحب (پرنسپل مدرسہ ایمانیہ بنارس)، مولانا عابد حسین صاحب کراروی اور مولانا سید شمیم الحسن صاحب (جنہوں نے عراق سے واپس آنے کے بعد مدرسہ جوادیہ کی تقریباً ساری ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اور اب اپنے والد بزرگوار کی جگہ پر جامع العلوم جوادیہ کے پرنسپل ہیں۔)

الجواد

جنوری ۱۹۵۰ء سے آپ نے ماہنامہ الجواد کا اجراء کیا اور ایک عرصہ دراز تک اس کو ایسے مقالہ نگاروں کا تعاون حاصل رہا جن کی ہر تحریر تحقیق کا مرقع ہوتی تھی مجھے بھی دس سال تک (افریقہ جانے کے کچھ دنوں بعد تک) یہ شرف حاصل رہا کہ ان اساطین نقد و نظر کی صف نعال میں جگہ ملتی رہی۔

شاعری

آپ کے عربی اور اردو قصائد فصاحت و بلاغت اور روانی و سلاست کا مرقع ہوتے تھے اردو

میں آپ عاقل تخلص کرتے تھے اور بنارس کے مشاعروں میں قصائد کہہ کر اپنے بھانجے مولوی سید مناظر الحسن مرحوم کو اور دوسرے طلباء کو دیدیتے تھے دوسرے شاگردوں کے قصائد کی اصلاح مستزاد تھی راقم الحروف کو بھی آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے الجواد میں کبھی کبھی آپ کے قصیدے گمنام اعظمی کے نام سے چھپتے رہے ہیں عربی اشعار کا ایک نمونہ وہ طویل مرثیہ ہے جو آپ نے سرکار ناصر الملۃ کی وفات پر ۱۳۶۱ھ میں کہا تھا جس کا آخری شعر یہ ہے۔

لمانعیت به فقلت مورخا

ساد الجنان بنشره العقبات

۱۳۶۱ھ

اسی طرح حضرت حجۃ کی شان میں ایک قصیدہ دالیہ ہے۔

تصانیف

آپ کی ایک اردو تصنیف انتظار قائم آل محمد بہائیوں کی کتاب ظہور قائم آل محمد کے جواب میں تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ لیکن اس ایک نام سے صحیح صورت حال کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اشعار و قصائد کی طرح نہ جانے آپ کی کتنی تحریروں نے دوسروں کو مصنف بنا دیا۔ الجواد میں ایک طویل عرصہ تک تفسیر رضی چھپتی رہی اس میں بھی بڑی حد تک آپ کی قلمی کاوشوں کا حصہ تھا بابا خلیل داس کی چھ کتابیں (جنہیں حکومت نے ضبط کر لیا) انکے لئے بھی حوالوں کی فراہمی کافی حد تک ظفر الملۃ کی توجہ کی مرہون منت تھی۔ امیر المومنین علیہ السلام کا وہ فی البدیہہ خطبہ جس میں کہیں حرف الف نہیں آیا ہے آپ نے اس معجزانہ حیثیت کے حامل خطبہ کا اردو میں اس طرح ترجمہ کیا تھا کہ اس میں بھی کہیں الف نہیں ہے اور اس کے باوجود اس میں آورد محسوس نہیں ہوتی۔

مقدمہ غازی پور

زنگی پور میں ۲۱، رمضان کو جلوس نکلتا ہے۔ ایک سال ایک احراری شخص نے ایک زہریلا پمفلٹ تبرا کا لعنتی جلوس شائع کیا غازی پور کے سنی کلکٹر نے اسے اشتعال انگیز سمجھا اور اعلیٰ حکام سے اجازت لیکر اس احراری کے خلاف گورنمنٹ کی طرف سے مقدمہ دائر کردیا گورنمنٹ پلیڈر جو ہندو تھے انکو ہفتوں شب کے وقت بٹھا کر سرکار ظفر الملۃ نے صدر اسلام کی مفصل اسلامی تاریخ حوالوں کے ساتھ بتائی اور جب ڈسٹرکٹ جج کے یہاں مقدمہ شروع ہوا تو پندرہ دن تک مولانا مرحوم اجلاس میں حاضر رہے جہاں جج نے آپ کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دی تھی جبکہ فریق مخالف کے علماء کھڑے رہتے تھے اس مقدمہ کی شاندار کامیابی مولانا کی دینی خدمات کا ایک روشن نمونہ ہے۔

تنظیم المکاتب

تنظیم المکاتب کی تاسیس سرکار ظفر الملۃ اور مولانا سید غلام عسکری مرحوم کے باہمی مشورہ سے ہوئی تھی ادارہ کے قائم ہوتے ہی سرکار ظفر الملۃ نے ممبئی کے اپنے ایک معتقد کو اس سلسلے میں خط لکھا اور انہوں نے ۴۰ مکاتب کا خرچ اپنے ذمہ لے لیا تاسیس کے فوراً بعد ۴۰ مکاتب کے قیام سے ادارہ کی ساکھ بڑھی اور دوسرے علماء اور بزرگان قوم اس میں شامل ہوتے چلے گئے۔ سرکار ظفر الملۃ تنظیم المکاتب کے زندگی بھر صدر رہے۔

انجمن رفاہ المومنین

یوپی کے مشرقی اضلاع اور خاص طور سے اعظم گڑھ ضلع میں سرکار ظفر الملۃ کا جو اثر و رسوخ

تھا اس کی وجہ سے بہت سے مومنین باہمی تنازعات کے فیصلے کیلئے آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے مومنین میں مذہبی بیداری پیدا کرنے کی غرض سے آپ نے اعظم گڑھ ضلع میں انجمن رفاہ المومنین قائم کی تھی جس کا ایک بنیادی مقصد یہ تھا کہ مومنین میں اگر کوئی تنازعہ پیدا ہو تو کورٹ کچہری کی دوڑ لگانے کے بجائے حاکم شرع سے اس کا فیصلہ کرالیں۔ اس انجمن کا سالانہ جلسہ کسی ایک شہر یا دیہات میں (قرعہ اندازی کی بناء پر) منعقد کیا جاتا تھا۔ جس میں دو تین دن تبلیغی مجلسیں ہوتی تھیں اور انجمن کی رپورٹ اور حساب و کتاب پیش ہوتا تھا بعد میں سال میں دو تین جلسے ہونے لگے تھے اس انجمن کے ذریعے بہت سی سماجی اصلاحیں ہوئیں اور مومنین میں اتحاد و اتفاق کا جذبہ پیدا ہوا۔

بیماری اور وفات

ایک عرصہ سے ہائی بلڈ پریشر میں مبتلا تھے اور اس عالم میں بھی مومنین کے مسائل و مشاکل حل کرنے میں مشغول رہتے تھے مدرسہ کے علاوہ شہر بنارس اور اضلاع اعظم گڑھ و غازی پور کی ایک ایک شیعہ آبادی کی دادرسی کرتے رہتے تھے آخر شب ہفدہم ماہ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۸۳ء جبکہ مدرسہ میں آپ کی بنا کردہ ۱۷، ربیع الاول کی محفل مقاصدہ کا انتظام عروج پر تھا اور شعراء و سامعین آکر بیٹھے ہوئے تھے کہ سرکار ظفر الملۃ مولانا سید ظفر الحسن خدمت رسول و آل رسول میں پہنچے تاریخی نام ظفر الحسن الملۃ کے پہلے سید کے اعداد (۷۴) جوڑ دینے سے سنہ وفات نکلتا ہے۔ یہ سرکار ظفر الملۃ کی زندگی کا ایک مختصر خاکہ تھا لیکن اس سے انکی علمی انتظامی اور سماجی خدمات کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ مولانا سید ظفر الحسن صاحب بلاشبہ ایک عظیم اور عہد آفرین ہستی کے مالک تھے آپ کو بیک وقت مجتہد فقیہ مفسر محدث متکلم فلسفی منطقی ادیب شاعر صحافی ناقد مصنف اور بہترین مترجم نیز مذہب حق کا نگراں مدارس دینیہ کا پاسبان، جامعہ جوادیہ کا زعیم علمائے اسلام کا ندیم قوم و ملت کا نگہبان مجالس و

محافل کی جان، غرباء و مساکین کا ہمدرد اور بے نوا یتیموں اور بیواؤں کا ملجا و ماویٰ مسجدوں اور امام باڑوں کیلئے مرکز نصرت اور محراب و منبر کیلئے باعث زینت پیکر خلق و انکسار اور عابد شب زندہ دار بھی کچھ کہنا بجا ہے۔

اولاد

مولانا سید ظفر الحسن صاحب طاب ثراہ پر اللہ تعالیٰ نے جو افضال و انعام کئے تھے ان میں ایک اہم نعمت یہ تھی کہ انکے سب بیٹے اور داماد خواہ انہوں نے مدرسوں میں پڑھا ہو یا کالجوں میں پوری طرح پابند مذہب صاحب کردار ہیں اور امامت نماز کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپ نے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں یادگار چھوڑیں (۱) حجۃ الاسلام مولانا سید، شمیم الحسن صاحب جو اپنے پدر بزرگوار کے صحیح معنوں میں جانشین ہیں۔ (۲) ور الحسن جو انجینیر بھی ہیں اور ذاکر و پیش نماز بھی ہیں۔ (۳) حکیم سید خوشنود حسن جنہوں نے جوادیہ سے عالم پاس کر کے طبیہ کالج پٹنہ سے طب کی اعلیٰ سند حاصل کی اور اب نظام آباد میں مطب کر رہے ہیں۔ (۴) سید علی الحسن صاحب جو جامعہ ملیہ دلی میں انجینیر نگ کے شعبہ کے ہیڈ ہیں اور کمپیوٹر کی ایک فیلڈ میں دنیا کے مانے ہوئے ماہرین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ (۵) سید ولی الحسن صاحب جنہوں نے علیگڑھ اور بنارس دونوں جگہوں سے فارسی میں ایم اے کیا اور اب ایران میں ہیں (۶) سید رضی الحسن صاحب جو بندر امام خمینی پیٹرو کیمکل لمیٹیڈ میں انجینئر ہیں۔

ظفر حسن، سید، ادیب اعظم

۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء-۹

۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب کے والد سید دلشاد علی صاحب امروہہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے جہاں ادیب اعظم کی ولادت ۱۸۹۱ء/۹-۱۳۰۸ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم امروہہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ سے فاضل پاس کیا۔ لکھنؤ سے واپس آ کر سرکاری نصاب تعلیم کی طرف توجہ فرمائی۔ اور الہ آباد و پنجاب یونیورسٹی سے ملا، منشی فاضل وغیرہ کے امتحانات پاس کئے۔ ان امتحانات کی تیاری امروہہ کے مشہور و معروف فارسی و عربی کے ادیب کامل مولانا سید جواد حسین صاحب (خویش سرکار نجم العلماء) کے زیر تعلیم رہ کر کی۔ لکھنؤ جانے سے قبل آپ نے فقیہہ لاثانی فاضل نبیل عالی جناب مولانا سید اولاد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ لکھنؤ میں سرکار نجم العلماء اور خطیب اہلبیت مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم و جناب مولانا سید عالم حسین صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔

مذہب کی محبت میں آپ نے پرائیویٹ طور پر انگریزی بھی پڑھی۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ ایس۔ ایل کا امتحان پاس کیا۔

ملازمت

۱۹۱۲ء سے ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۰ء تک آپ کانپور میں تھیوسوفیکل اسکول میں ہیڈ مولوی رہے۔ جب یہ اسکول کالج ہو گیا تو آپ بحیثیت پروفیسر کام کرتے رہے۔ ۱۹۱۶ء میں آپ کے والد ماجد سید دلشاد علی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اب آپ کو وطن سے

قریب رہنے کی فکر ہوئی۔ ۱۹۲۰ء میں آپ کا تقرر بطور ہیڈ مولوی پارکر ہائی اسکول مراد آباد میں ہوگیا۔ یہ اسکول بھی چند سال بعد کالج ہوگیا۔ ۱۹۱۴ء تک آپ اس کالج میں رہے۔

ذاکری

۱۹۱۴ء میں کانپور سے ذاکری شروع کی جس کا سلسلہ ۱۹۸۰ء تک جاری رہا۔ آپ کا شمار ہندوستان کے صف اوّل کے واعظین میں تھا۔ امروہہ محلّہ جعفری میں، ماہ صفر کے عشرۂ اول میں شب کو مجلس پڑھتے رہے۔ رات کو تین بجے وہاں سے مراد آباد جانا شام کو پانچ بجے واپسی۔۔ دن میں اسکول کی ڈیوٹی۔ کھانا رات کو بعد مجلس ۱۱ بجے کھاتے تھے دس روز تک اتنی سخت محنت کرنا انہی کا کام تھا مقامی ہونے کے باوجود اہل وطن آپ کی تقریر بیحد پسند کرتے تھے۔ ۱۹۲۰ء سے ایک عشرہ یکم محرم سے ۱۰ رمحرم تک ریاست پٹیالہ میں خلیفہ خاندان کے عزاخانے میں پڑھتے رہے تقسیم ملک کے بعد جب وہ خاندان لاہور منتقل ہوگیا اور مئی ۱۹۵۰ء میں ادیب اعظیم بھی کراچی تشریف لے گئے۔ تو پھر یہ سلسلہ شروع ہوا اور ۳۶ سال لاہور میں ایسٹ روڈ خلیفہ لاج میں ذاکری فرماتے رہے۔ واعظین کرام کی فہرست میں شاید ہی کوئی واعظ آپ کو ایسا نظر آئے جس نے ایک ہی منبر پر ۵۰ سال تک مجلیس پڑھی ہوں۔

کراچی پہونچ کر ناظم آباد میں اپنا ذاتی مکان تعمیر کیا جو ظفر منزل کہلاتا ہے۔ ایک دینی مدرسہ جامعہ امامیہ کے نام سے قائم کیا۔

تصانیف

تقریباً ۶۲ (باسٹھ) سال آپ علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ دماغ اتنا رسا اور طبیعت اتنی روشن کہ جس مضمون پر قلم اٹھاتے دریا بہادیتے تھے جس مضمون پر تقریر کرتے اس کے کسی پہلو کو تشنہ

نہیں رکھتے تھے رسالہ نور میں بعض بعض مضامین متعدد قسطوں میں شائع ہوتے رہے جیسے حقیقت انسانیہ، اسلام فطری دین ہے۔ روحوں کی حاضرات علامہ برزخی کا مکالمہ وغیرہ نور ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ بہت سے اخبار وجرائد میں آپکے مضامین چھپتے رہے ہیں۔ آپ کے ادبی خدمات کی قدر یوپی گورنمنٹ کے محکمہ تعلیم نے بھی کی اور ایک عرصہ تک آپ کے تصنیفات بطور ٹکسٹ بک کالجوں ہائی اسکولوں اور ورنیکلر مدارس میں پڑھائی جاتی رہیں کئی مرتبہ آپ کو مضمون نویسی پر گورنمنٹ اور پبلک سوسائیٹیوں کی طرف سے انعامات بھی ملے ادیب اعظم کی تصنیفات دوقسم کی ہیں۔ اول وہ کتابیں جو محکمہ تعلیم کی ضرورت کے لحاظ سے لکھیں۔ دوم وہ کتابیں اور رسائل جو دینی خدمت کے لئے لکھے گئے آپ کی توجہ نظم سے زیادہ نثر پر رہی مگر جب آپ نظم لکھتے تھے تو خوب لکھتے تھے۔ اصول کافی کے ترجمہ کے علاوہ مناقب ابن شہر آشوب کا ترجمہ مجمع الفضائل کے نام سے دوجلدوں میں کیا۔ تفسیر القرآن کے نام سے ان کا قرآن کا اردو ترجمہ ۱۹۷۲ء میں شائع ہوچکا ہے۔

وفات

۸ رمئی ۱۹۸۹ء (= ۲ رشوال ۱۴۰۹ھ) کو بروز دوشنبہ ساڑھے دس بجے دن میں کراچی (پاکستان) میں وفات پائی اور اسی روز ۶ بجے شام کو جامعہ امامیہ میں سپرد خاک کئے گئے۔

(الواعظ، مئی- جولائی ۸۹ء ج ۲۶ ش۔ ۴، ۵، ۶ "مضمون سید جہذب الحسن۔ امروہہ محلّہ حقانی ضلع مراد آباد، شوال ذیقعدہ -ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ)

قریب رہنے کی فکر ہوئی۔ ۱۹۲۰ء میں آپ کا تقرر بطور ہیڈ مولوی پارکر ہائی اسکول مراد آباد میں ہوگیا۔ یہ اسکول بھی چند سال بعد کالج ہوگیا۔ ۱۹۱۴ء تک آپ اس کالج میں رہے۔

ذاکری

۱۹۱۴ء میں کانپور سے ذاکری شروع کی جس کا سلسلہ ۱۹۸۰ء تک جاری رہا۔ آپ کا شمار ہندوستان کے صف اوّل کے واعظین میں تھا۔ امروہہ محلّہ جعفری میں، ماہ صفر کے عشرۂ اول میں شب کو مجلس پڑھتے رہے۔ رات کو تین بجے وہاں سے مراد آباد جانا شام کو پانچ بجے واپسی۔۔ دن میں اسکول کی ڈیوٹی۔ کھانا رات کو بعد مجلس ۱۱ بجے کھاتے تھے دس روز تک اتنی سخت محنت کرنا انہی کا کام تھا مقامی ہونے کے باوجود اہل وطن آپ کی تقریر بیحد پسند کرتے تھے۔ ۱۹۲۰ء سے ایک عشرہ یکم محرم سے ۱۰ر محرم تک ریاست پٹیالہ میں خلیفہ خاندان کے عزاخانے میں پڑھتے رہے تقسیم ملک کے بعد جب وہ خاندان لاہور منتقل ہوگیا اور مئی ۱۹۵۰ء میں ادیب اعظیم بھی کراچی تشریف لے گئے۔ تو پھر یہ سلسلہ شروع ہوا اور ۲۶ سال لاہور میں ایسٹ روڈ خلیفہ لاج میں ذاکری فرماتے رہے۔ واعظین کرام کی فہرست میں شاید ہی کوئی واعظ آپ کو ایسا نظر آئے جس نے ایک ہی منبر پر ۵۰ سال تک مجلیس پڑھی ہوں۔

کراچی پہونچ کر ناظم آباد میں اپنا ذاتی مکان تعمیر کیا جو ظفر منزل کہلاتا ہے۔ ایک دینی مدرسہ جامعہ امامیہ کے نام سے قائم کیا۔

تصانیف

تقریباً ۶۲ (باسٹھ) سال آپ علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ دماغ اتنا رسا اور طبیعت اتنی روشن کہ جس مضمون پر قلم اٹھاتے دریا بہا دیتے تھے جس مضمون پر تقریر کرتے اس کے کسی پہلو کو تشنہ

نہیں رکھتے تھے رسالہ نور میں بعض بعض مضامین متعدد قسطوں میں شائع ہوتے رہے جیسے حقیقت انسانیہ، اسلام فطری دین ہے۔ روحوں کی حاضرات علامہ برزخی کا مکالمہ وغیرہ نور ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ بہت سے اخبار و جرائد میں آپکے مضامین چھپتے رہے ہیں۔ آپ کے ادبی خدمات کی قدر یوپی گورنمنٹ کے محکمہ تعلیم نے بھی کی اور ایک عرصہ تک آپ کے تصنیفات بطور ٹکسٹ بک کالجوں ہائی اسکولوں اور ورنیکلر مدارس میں پڑھائی جاتی رہیں کئی مرتبہ آپ کو مضمون نویسی پر گورنمنٹ اور پبلک سوسائیٹیوں کی طرف سے انعامات بھی ملے ادیب اعظم کی تصنیفات دو قسم کی ہیں۔ اول وہ کتابیں جو محکمہ تعلیم کی ضرورت کے لحاظ سے لکھیں۔ دوم وہ کتابیں اور رسائل جو دینی خدمت کے لئے لکھے گئے آپ کی توجہ نظم سے زیادہ نثر پر رہی مگر جب آپ نظم لکھتے تھے تو خوب لکھتے تھے۔ اصول کافی کے ترجمہ کے علاوہ مناقب ابن شہر آشوب کا ترجمہ مجمع الفضائل کے نام سے دو جلدوں میں کیا۔ تفسیر القرآن کے نام سے ان کا قرآن کا اردو ترجمہ ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

وفات

۸ر مئی ۱۹۸۹ء (= ۲ر شوال ۱۴۰۹ھ) کو بروز دوشنبہ ساڑھے دس بجے دن میں کراچی (پاکستان) میں وفات پائی اور اسی روز ۶ بجے شام کو جامعہ امامیہ میں سپرد خاک کئے گئے۔

(الواعظ، مئی - جولائی ۸۹ء ج ۲۶ ۔ش۔ ۴، ۵، ۶ "مضمون سید مجتبیٰ مذہب الحسن ۔ امروہہ محلہ حقانی ضلع مراد آباد، شوال، ذیقعدہ ۔ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ)

ظفر مہدی، شیخ، جونپوری

....../......

۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء

مولانا ظفر مہدی صاحب قبلہ جونپور کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سلطان المدارس میں داخل ہوئے اور صدر الافاضل کیا۔ مولانا سید ظفر الحسن صاحب (پرنسپل جامع العلوم جوادیہ) کے ہمدرس اور گہرے دوست تھے۔ ۱۹۳۸ء کے ایک اخبار میں مولانا کے علم اور تقدس کا اعتراف کرتے ہوتے ان کے قومی خدمات کو سراہا گیا تھا۔ ختم تعلیم کے بعد ایک عرصہ تک حسین گنج ہائی اسکول (حسین گنج ضلع سیوان، بہار) میں اردو اور فارسی کے ٹیچر رہے۔ ساتھ ہی ساتھ حسین گنج کی مسجد میں امام جمعہ و جماعت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ بعض اخبارات کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ۱۹۷۲ء میں رانچی (بہار) میں امام جماعت تھے۔ معلوم نہیں یہ سلسلہ کب سے کب تک جاری رہا۔

مولانا بہت ہی نیک سیرت، مخلص، اور عالم باعمل تھے حدت ذہن سے دو مرتبہ دماغ مختل ہو گیا تھا لیکن پھر تندرست ہو گئے۔ حدود ۱۹۵۸ء میں جوادیہ (بنارس) میں مدرس مقرر ہوئے تھے (یعنی رانچی کا سلسلہ بنارس کے بعد شروع ہوا ہوگا)۔ آخر عمر میں جوادیہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے اور وہیں سے ۸ ردسمبر ۱۹۸۵ء (=۲۵/ربیع الاول ۱۴۰۶ء) کو راہی جنت ہوئے۔

(اصلاح رجب المرجب ۱۴۰۶ھ، مطلع انوار، ذاتی معلومات)

ظفر مہدی سید، اثیم

سید ظفر مہدی المتخلص بہ اثیم، ابن سید حسن ابن سید علی نقوی جرول ضلع بارہ بنکی کے سادات موسوی میں سے تھے اور علی نگر جرول کے تعلقہ دار تھے انہوں نے اپنا نسب نامہ اپنی کتاب "روض الصادقین" کے مقدمے میں دیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علم و فضل کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے۔ یعنی دولتِ علم اور دولتِ دنیا دونوں سے مالا مال تھے موصوف فارسی نظم ونثر پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ کتاب کے سر ورق پر ان کے لئے "حبر علام اور بحر طمطام راس المتالہین رئیس المورخین والمتکلمین" کے القاب لکھے ہیں اور بجا لکھے ہیں۔

یہ کتاب امیر المومنین علیہ السلام کی سوانح عمری کے طور پر ہے۔ اس کی تصنیف ۱۲۹۲ھ میں شروع ہو کر ۱۳۰۱ھ میں ختم ہوئی تھی۔ اس لئے اس کا تاریخی نام "روض الصادقین (۱۲۹۲ھ) الملقب بہ سیرۃ المتقین (۱۳۰۱)" ہے۔ (الذریعہ جلد یازدہم میں اس کا نام روض الصادقین فی احوال النبی وامیر المومنین لکھا ہے، جو غلط ہے)۔

کتاب ایک مقدمہ، پانچ روضوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ میرے کتب خانے میں پہلا حصہ ہے جو مطبع عین الفیوض (جرول) میں رئیسانہ اہتمام سے چھپا ہے۔ اس میں شروع میں پوری کتاب کی مفصل فہرست مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کی روائح القرآن کی طرز پر ۲۳۶ صفحات پر محیط ہے۔ اس کے بعد امیر المومنینؑ کے اسماء والقاب خوشنما پھولدار چوکھٹوں میں حروف تہجی کی ترتیب سے دیئے ہیں جو اسم اعظم کے ہم عدد (۱۱۱۲) ہیں اور ۴۸ صفحات تک چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد صفحہ نمبر ۱ سے صفحہ نمبر ۲۱۸ تک معجزات کے ہم عدد ۵۲۱ معجزات درج ہیں معلوم نہیں باقی جلدیں چھپ گئی تھیں یا نہیں۔

حمد و نعت و منقبت وغیرہ مسجع و مقفّٰی عبارت میں ہے۔ حمد پروردگار میں اپنی ایک فارسی نظم درج کی ہے۔ نعت میں ۶۰ شعر کا ایک قصیدہ لکھا ہے جو صنعتِ تلمیع میں ہے یعنی اس کا پہلا مصرعہ اردو اور دوسرا فارسی میں ہے۔ دو شعر بطور نمونہ:

تمنا ہے خلیل اللہ کو اوس کی باغبانی کی　　عصا برداری او مفخرِ موسیٰ عمرانی
مقدر تھا کہ ہوئے ان سے نورِ کبریا ظاہر　　ازیں باعث ز اسماعیل برگردید قربانی

منقبت میں ۵۴ اشعار کا فارسی قصیدہ ہے جسے نجف میں بروز عید غدیر ارتجالاً نظم کر کے آقائی سید علی طباطبائی (صاحب ریاض المسائل) کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے پہلے دونوں شعر یہ ہیں۔

زلف مشکین زلیخا گشت مستور حجاب　　یوسفِ زریں قبا از رخ بر افگندہ نقاب
لیلی پردہ نشین اندر حجاب حجلہ شد　　قیس مجنوں زد بصحرا خیمہ زرّیں طناب

صاحب الذریعہ نے ان کو "الحکیم" لکھا ہے۔ شائد طب میں بھی دخل رہا ہوگا۔

ظہیر الدین کشمیری، فیض آبادی

ملا ظہیر الدین کشمیری ملا جواد کے فرزند اور ملا محمد علی پادشاہ کے پوتے تھے۔ لکھنؤ کے افاضل میں تھے اور علم و کمال نیز صلاح و تقویٰ کے حامل تھے۔

صاحب نجوم السماء نے ۱۲۸۶ھ میں لکھا تھا کہ ملا ظہیر الدین کی اولاد ابھی موجود ہے۔

(الکرام البررۃ جلد ۲ ص ۶۸۳)

عابد حسین، شیخ، نجفی

۱۳۴۷/۱۹۲۹

۱۴۱۲/۱۹۹۲

مولانا شیخ عابد حسین کی پیدائش ۵ رجنوری ۱۹۲۹ء (۲۳ ررجب ۱۳۴۷ھ) کو بنارس میں ہوئی تھی۔ آپ ایک جید عالم فاضل تھے۔ آپ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے عاشق و شیدائی تھے۔ جہاں بھی جاتے امام زمانہ ع کی زیارت اور ان حضرت سے متعلق اعمال میں مومنین کو ضرور شریک کرتے۔

آپ نے ۱۳ رجنوری ۱۹۹۲ (۸ ررجب ۱۴۱۲ھ) کو لکھنؤ میں رحلت فرمائی اور حسینیہء غفرانمآب میں دفن ہوئے۔ آپ کے فرزندوں میں ایک مولانا ناصر مہدی صاحب ہیں۔

(اصلاح جلد ۷ ۸ رمضان ۱۴۱۲ / مارچ ۱۹۹۲)

عابد حسین، مولوی، حکیم

۱۲۹۷/۱۸۸۰

۱۳۷۰/۱۹۵۱

حکیم مولوی عابد حسین ابن حکیم محمد عبد اللہ قاضی سعد اللہ پورہ (بنارس) میں ۱۰ ررجب المرجب ۱۲۹۷ھ/ ۱۸ رجون ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں داخل ہوئے۔ پھر سلطان المدارس سے صدر الافاضل کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کی سند فرسٹ ڈویژن میں حاصل کی۔ آپ فلسفہ اور منطق میں بڑی مہارت رکھتے تھے

یہاں تک کہ سنی علماء مولوی ابو القاسم صاحب اور مولوی عبد الآخر صاحب اپنے شاگردوں کو فلسفہ اور منطق پڑھنے کے لئے مولوی عابد حسین صاحب کے پاس بھیجتے تھے۔

لندن مشن اسکول (موجودہ نام کنگ میموریل کالج) میں فارسی اور اردو کے استاد مقرر ہوئے لیکن آزادی کی جدوجہد کے سلسلے میں نوکری سے استعفا دیدیا۔ خود اپنا مطب بھی کرتے تھے۔ اپنے محلے کی مسجد میں امامت بھی کرتے تھے اور خطیب بھی تھے۔

یکم جون ۱۹۵۱ء/ ۲۵ رشعبان ۱۳۷۰ھ کو اس دار فانی سے رحلت کی۔

(سید شمیم الحسن پرنسپل جوادیہ، الجواد جلد ۲۵ نمبر ۳ رمضان وشوال ۱۴۱۴

عابد علی، سید، جونپوری

جناب سید عابد علی صاحب محلہ ملاٹولہ (جونپور) کے رہنے والے ایک انتہائی محتاط ومتورع عالم تھے جو مورد عنایات معصومین علیہم السلام تھے۔ ان کے فرزند اکبر میرزاہد علی صاحب کا بیان تھا کہ جب ان کے والد پہلی مرتبہ زیارات عتبات عالیات کے لئے روانہ ہوئے تو اہل وعیال بھی ہمراہ تھے۔ اس وقت جونپور سے بمبئی کا سفر بیل گاڑیوں یا دوسری ایسی ہی سواریوں کے ذریعہ طے کیا جاتا تھا۔ اثنائے راہ میں آپ آشوب چشم میں مبتلا ہوئے اور تکلیف کی شدت سے زندگی سے مایوس ہوگئے وہیں کسی قصبہ میں کرایہ پر مکان لیکر مقیم ہوئے۔ وہاں ایک متعصب سنی حکیم رہتا تھا آپ اس کے پاس بغرض علاج گئے اسے جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ محبان حیدر کرار ہیں تو آنکھوں کو دیکھ کر نہایت رعونت سے کہا کہ اس آزار کا علاج نہیں ہے اگر آنکھیں پھوٹ نہ گئیں تو بینائی تو یقیناً ضایع ہوجائے گی۔ آپ اس پر عناد رویہ سے دل برداشتہ ہوگئے اور کہا کہ مجھے علاج کرانا منظور نہیں ہے۔

اگر میں روضۂ مبارک سید الشہداء کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکا تو پھر مرجانا ہی بہتر ہے۔ آپ جس مکان میں فروکش تھے اس کے زنانہ حصے میں عورتیں مقیم تھیں۔ آپ باہری دالان میں زمین پر فرش بچھوا کر لیٹے۔ شدت درد سے نیند نہیں آتی تھی مناجاتیں کرتے ہوئے نصف شب گذر گئی اچانک پورا مکان ایک ایسی خوشبو سے بھر گیا جیسی کبھی دماغ تک نہ پہنچی تھی اور ایسا نور ظاہر ہوا کہ آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ ایسے میں کسی شخص نے پشت کی طرف سے داہنے شانہ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کہ اے عابد علی! کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ جو کیفیت ہے وہ ظاہر ہے اور حاجت بیان نہیں ہے۔ فرمایا کہ تو دعائے نور کیوں نہیں پڑھتا، جواب دیا کہ مجھے یاد نہیں ہے۔ اور نہ کوئی ایسی کتاب ساتھ ہے جس میں یہ دعا لکھی ہو۔ فرمایا کہ ہم بھیجدیں گے۔ اب عابد علی صاحب کے دل میں خیال آیا کہ یہ کوئی خدا رسیدہ بزرگ ہیں جو میرے حال پر اس طرح مہربانی فرمارہے ہیں۔ چاہا کہ کروٹ بدل کر چہرہ انور دیکھیں۔ کروٹ بدلنا ممکن نہ ہوا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر دامن پکڑنا چاہا مگر وہ بھی ممکن نہ ہوا اس وقت فرمایا اے عابد علی! یہ زمانۂ غیبت ہے تو ہم کو نہیں دیکھ سکتا۔ لے اب ہم جاتے ہیں۔ تو صحیح تندرست ہوگیا۔ شکر بجالا۔ اب نہ وہ آشوب چشم تھا نہ کرب واضطراب۔ بعد نماز صبح تعقیبات میں مصروف تھے کہ ایک حبشی نے آکر سلام کیا اور ایک سبز رنگ کا کاغذ عابد علی صاحب کو دیا اور کہا کہ صاحب نے دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ نظروں سے غایب ہوگیا۔ مولوی صاحب نے کاغذ کو کھولا تو اس میں دعائے نور مرقوم تھی۔ اسے پابندی سے پڑھتے رہے۔ جب پڑھتے پڑھتے دعا بالکل یاد ہوگئی تو کاغذ پر سے حروف غایب ہوگئے۔ البتہ وہ سبز کاغذ آپ کے پاس محفوظ رہا جو حسب وصیت ان کے کفن میں رکھدیا گیا۔

آپ نے کئی مرتبہ زیارتیں کیں اور کربلائے معلّٰی کے قیام کے زمانہ میں حرم اقدس میں نماز جماعت بھی پڑھاتے تھے۔

آخری بار زیارت کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو بیل گاڑی کے ذریعہ بمبئی پہنچے ایک

مسافر خانہ میں قیام کیا۔ جہاز کا ٹکٹ خرید لیا کچھ دوسرے حضرات بھی زیارت کے لئے جا رہے تھے اور وہیں مقیم تھے۔ آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ جب آپ لوگ جہاز پر سوار ہوں تو مجھے بھی سوار کرلیجئے گا ان حضرات نے آپ کا سامان جہاز پر اٹھوا دیا لیکن ابھی آپ کو سوار نہ کرا سکے تھے کہ جہاز چھوٹ گیا۔ جب آپ کو جہاز چھوٹ جانے کی اطلاع ملی تو نہایت اضطراب کے ساتھ امام زمانہ کو پکارتے ہوئے سمندر کے کنارے ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کر وضو کرنا شروع کیا کہ نماز پڑھ سکیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی چیز بہتی ہوئی ان کی طرف چلی آ رہی ہے جب وہ قریب پہنچی تو ان کی وہی گٹھری تھی جس میں ان کا مختصر ساز ادراہ، ایک معمولی بستر، جائے نماز، حمائل، اوراد و وظائف کی کتاب، جہاز کا ٹکٹ اور ایک جوڑا کپڑا تھا جو چھوٹ جانے والے جہاز پر چلا گیا تھا۔ اسے اٹھایا تو کہیں سے وہ گٹھری بھیگی تک نہ تھی۔ نماز شکر ادا کی۔ فارغ ہوئے تو ایک شخص آیا کہ آپ عراق جانا چاہتے ہیں تو چلئے ہمارا جہاز جا رہا ہے موصوف اس دوسرے جہاز سے بصرہ پہنچے۔ اس واقعے کی اطلاع مومنین کربلا کو ہوئی تو علماء وفضلاء آپ کی ملاقات کو آئے اور حرم اقدس میں چراغاں کیا گیا۔

آپ نے اس واقعہ کی اطلاع جونپور میں اپنے چھوٹے فرزند آقائی سید محمد حسن صاحب مجتہد کو دی خط ملا تو آقائی موصوف اپنی اہلیہ، ہمشیرہ اور بیٹے کے ساتھ کربلا گئے۔ دونوں مخدرات اذن دخول پڑھے بغیر حرم میں داخل ہو گئیں۔ جب اس کی اطلاع مولانا عابد علی صاحب کو ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور بغیر اذن دخول حرم میں داخل ہونے سے منع کیا۔ ان کی سرزنش سے متاثر ہو کر دو روز تک عورتیں حرم نہیں گئیں۔ مولانا موصوف نے شب میں خواب میں امام مظلوم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تم نے ان کو زیارت سے کیوں روک دیا۔ عرض کیا کہ مولا! یہ لوگ دعائے اذن دخول یاد کرلیں گی تو جائیں گی۔ مولانا نے فرمایا اے عابد علی! یہ گویا اہلبیت میں سے ہیں ان کو زیارت کے لئے جانے دو۔ چند دنوں بعد آپ وہیں کربلا میں علیل ہوئے اور اسی علالت میں انتقال فرمایا۔ شب

میں حسب معمول تمام اوراد و اعمال بجالائے۔ نماز صبح کے اول وقت کسی نے دق الباب کیا۔ مولانا محمد حسن صاحب (جو اتفاقاً خود بھی علیل تھے) دروازہ پر آئے تو دیکھا کہ آقائی شیخ زین العابدین مازندرانی کھڑے ہیں۔ سلام ودعا کے بعد شیخ صاحب موصوف نے دریافت کیا کہ آپ کے والد ماجد کیسے ہیں۔ عرض کی کہ وہ سو رہے ہیں۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ وہ سو نہیں رہے ہیں ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور امام مظلوم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی تجہیز وتکفین کے فرائض ادا کروں۔ اب جو آ کر دیکھا تو واقعی مولانا سید عابد علی صاحب رحلت فرما چکے تھے۔ سید الشہداء کے حکم کے بموجب تمام مراسم تجہیز وتکفین ادا کئے گئے اور حرم اقدس میں دفن کئے گئے۔

(بیان سید ابن حسن نانپاروی)

عابد علی قزلباش

آغا عابد علی قزلباش مرادآباد کے رہنے والے اور فن تاریخ میں یکتا تھے۔ شبلی نعمانی کی الفاروق پر مفصل تنقید لکھی جس کا نام ہے الفرق فی تزئیف الفاروق۔

عاشق عباس، سید

۱۹۱۰/۱۳۲۸

۱۹۶۶/۱۳۸۵

مولانا سید عاشق عباس صاحب ہمدانی جناب سید حسین صاحب مرحوم ساکن منصور نگر (لکھنؤ) کے فرزند تھے۔ ۱۹۱۰ء/ ۱۳۲۸ھ میں ولادت ہوئی۔ سلطان المدارس سے صدر الافاضل کیا۔ اسی دوران اردو اعلیٰ قابلیت، اور دبیر کامل کے امتحانات پاس کئے۔ اور طب کی تعلیم بھی پوری طرح حاصل کی۔

۱۹۳۲ء سے ۱۹۶۶ء تک خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد بمبئی میں امام جمعہ و جماعت رہے اور مجالس بھی پڑھتے رہے۔ راقم الحروف نے ۱۹۵۹ء (نومبر) میں پہلی بار افریقہ جاتے ہوئے بمبئی میں مرحوم کی خدمت میں حاضری دی تھی۔ مرحوم بمبئی میں کچھ دنوں حکیم سید کلب حسین صاحب مرحوم کے مطب پر بھی بیٹھے تھے۔

آپ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے۔ اگرچہ باقاعدہ طور پر کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی تھی۔ چند غزلیں اور قصائد ان کی یادگار ہیں۔

۱۳ اپریل ۱۹۶۶ء (۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ) کو رحلت کی۔

(سید محمد عباس فرزند)

عباس حسین، سید، شمس العلماء

۱۹۲۶/۱۳۴۵

شمس العلماء سید عباس حسین صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر تھے ۱۷ محرم الحرام ۱۳۴۵ھ/ ۲۸ جولائی ۱۹۲۶ء کو رحلت فرمائی۔

اصلاح جلد ۳۰ نمبر ۳ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

عباس علی، نجفی

۱۹۲۴/۱۳۴۳

۱۹۹۸/۱۴۱۹

مولانا عباس علی نجفی ابن حاجی حسن علی لغاری مہدی آباد واگھر یجی ضلع میرپور خاص میں ۱۹۲۴ء (۱۳۴۳ھ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد زمیندار تھے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری اسکول واگھر یجی میں حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے چچا حجۃ الاسلام مولانا غلام مہدی نجفی سے دینی علوم حاصل کرنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ جامع علویہ مشارع العلوم (حیدرآباد) میں داخل ہوئے جہاں سید العلما مولانا سید ثمر حسن زیدی سے کسب فیض کیا۔ ۱۹۶۳ء میں آپ نجف اشرف تشریف لے گئے۔ جہاں آیۃ اللہ سید الخوئی اور آیۃ اللہ سید محمد باقر الصدر شہید وغیرہما سے علمی فیوض حاصل کئے۔ آیۃ اللہ حکیم کے سیاسی دروس میں بھی بھرپور شرکت کی۔ نجف اشرف میں آپ کے ہم عصروں میں شہید عارف حسین الحسینی، علامہ طالب جوہری اور حافظ سید ریاض حسین وغیرہم کے نام نمایاں ہیں۔

۱۹۷۰ء میں عراق سے واپسی پر مدرسہ مشارع العلوم میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا بعد میں کچھ عرصہ بلال ٹرسٹ آف پاکستان کی تبلیغی تربیت گاہ سے وابستہ رہے۔ اس تربیت گاہ سے علیحدگی کے بعد جب مولانا غلام مہدی نجفی نے دانش گاہ جعفریہ کی بنیاد رکھی تو مولانا عباس علی اس سے وابستہ ہو گئے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ سندھ کے مختلف اضلاع میں تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں ۲۳ جنوری ۱۹۸۳ء کو مولانا غلام مہدی کی رحلت کے بعد آپ دانش گاہ جعفریہ کے سرپرست قرار پائے۔ آپ کی دن رات کی محنت اور لگن کے نتیجے میں تین سال کے عرصے میں ڈھائی ایکڑ رقبے پر پھیلے ہوئے مدرسہ میں ایک خوبصورت مسجد، اساتذہ اور طلبہ کے لئے علیحدہ علیحدہ دو ہوسٹل اور وضو خانہ

سمیت مختلف شعبہ جات قائم ہوئے۔ اس سلسلے میں سیٹھ الطاف حسین بھوجانی ہر ہر قدم پر آپ کے ساتھ رہے۔ مولانا نے طلبہ کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کیں۔

۱۹۹۳ء میں دانش گاہ کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنی توجہ سندھ کے پسماندہ علاقوں میں دینی تعلیم کے فروغ پر مرکوز کر دی۔ آپ روزانہ مختلف شہروں اور قصبوں کا دورہ کرتے اور وہاں کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ عوام اور خواص کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ مخیّر حضرات خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماہانہ طریقے سے اپنا مالی تعاون پیش کرتے۔ صوبہ سندھ میں ۷۱ مدارس کا قیام، بے شمار مدرسین اور ائمہ مساجد کے لئے ماہانہ وظائف اور سادات و غیر سادات مومنین کی امداد کا ماہانہ انتظام آپ کی دینی اور فلاحی خدمات کا ثبوت ہیں۔

مولانا اعلیٰ پایہ کے خطیب بھی تھے۔ محرم الحرام میں مختلف شہروں میں مجالس سے خطاب فرماتے۔ اتحاد بین المسلمین پر زور دیتے۔ ہر نوچندی جمعرات کو محفل حسینی (حیدرآباد) میں درس تفسیر دیتے۔ قدم گاہ مولا علی (حیدرآباد) کے دفتر میں ہر جمعہ اور ہر ہفتہ کو پابندی کے ساتھ بیٹھتے تھے۔

آپ کو عربی پر بھی عبور تھا۔ عربی میں شاعری بھی کی اور فی البدیہہ تقریریں بھی کیں۔ آپ سندھ کے پسماندہ علاقوں میں دینی تعلیم و تربیت کا انتظام مستقل بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے تھے۔ اپنے آخری دنوں میں قرآن پر خصوصی توجہ دے رہے تھے۔

یکم اگست ۱۹۹۷ء کو آپ نے حیدرآباد والے دفتر میں مصروف دن گذارا۔ پانچ بج کر ۲۵ منٹ پر دفتر کے فرش پر بیٹھے بیٹھے اچانک طبیعت خراب ہوئی۔ اسی حالت میں اہل و عیال کے حق میں دعا کی اور تین دفعہ یا علی کا ورد کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ پہلی نماز جنازہ محفل حسینی (حیدرآباد) میں رات کو گیارہ بجے مولانا لئیق حسین نجفی نے پڑھائی۔ دوسری نماز جنازہ ۲ اگست کو علامہ سید ساجد علی نقوی نے بارہ بج کر ۲۰ منٹ پر دانش گاہ جعفریہ واگھریجی میں پڑھائی اور اسی

دانش گاہ کے احاطے میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کے پانچ بیٹوں میں تین عالم ہیں۔

آپ کے چچا زاد بھائی مولانا محمد حسن مہدوی قمی کو آپ کا جانشین مقرر کیا گیا ہے۔

(مختصر سوانح حیات شائع کردہ دانش گاہ جعفریہ واگھریجی)

عبدالجواد، سید، نقوی

سید عبدالجواد نقوی سید العلماء سید حسین علیین مکان کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ تذکرۃ العلماء اور ورثۃ الانبیاء میں آپ کو "ازہد الناس" کہا گیا ہے۔ فاضل تقی جلیل تھے۔

(مطلع انوار / تکملہ نجوم السماء جلد ۲ ص ۳۰۲)

عبدالحکیم، ملا، کشمیری

صاحب نجوم السماء نے ملا محمد علی پادشاہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ملا عبدالحکیم کے شاگرد تھے جن کو "راست گو" کہا جاتا تھا۔ یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسے عالم عارف کا استاد خود بھی ایک عالم بزرگ ہوگا۔

(نجوم السماء، تکملہ نجوم السماء جلد دوم ص ۲۲)

عبدالحکیم سیالکوٹی

۱۰۶۷/۱۶۵۶

جناب ملا عبدالحکیم سیالکوٹی عہد شاہ جہاں و اورنگ زیب کے مشہور عالم اور استاد تھے۔ ان کے والد کا نام شمس الدین تھا آقائے بزرگ تہرانی نے ریاض العلماء جلد سوم ص ۷۱ کے حوالے سے لکھا ہے کہ عبدالحکیم سیالکوٹی اکابر علماء اور مشاہیر فضلاء میں تھے زندگی بھر سنی مشہور رہے۔ لیکن مرنے کے بعد جب وہ وصیت نامہ کھولا گیا جو اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا تو اس میں اپنے شیعہ عقیدہ کا کھلم کھلا اظہار کیا تھا اور ایک مقفل صندوق میں ایک مفصل رسالہ اثبات امامت امیر المومنین اور ابطال دلائل مخالفین ان کا تصنیف کیا ہوا نیز شیعہ مذہب کی دوسری کتابیں اسی صندوق میں ملیں۔ ان کے فرزند کا نام ابو البہادی تھا۔

سید اطہر عباس رضوی مرحوم نے اپنی A Socio-intellectual history میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور ایک ایرانی امیر دربار (ملا شفیعائی یزدی) کے درمیان ایک مباحثہ کا ذکر کیا ہے جو ۹ ذی الحجہ ۱۰۶۰ھ / ۲۳ نومبر ۱۶۵۰ کو دربار شاہجہانی میں ہوا تھا۔ شاہ جہاں نے علامی سعد اللہ خاں وزیر کو حکم مقرر کیا تھا۔ موضوع مباحثہ آیہ ایاک نعبد وایاک نستعین کے "و" کا معنی تھا۔ ایک طویل مباحثہ کے بعد سعد اللہ خان نے دونوں فریقوں کو یکساں قرار دیا۔

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے شریف جرجانی، علامہ تفتازانی اور دوانی کی کتابوں پر حواشی اور شرحیں لکھی ہیں۔ الذریعہ میں ان کی تین کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ (۱) العقائد السیالکوٹیہ (۲) عقائد عبدالحکیم (۳) اثبات الامامۃ۔ ان کے علاوہ تفسیر بیضاوی اور شرح مواقف پر ان کے حواشی کا ذکر ملتا ہے۔ سبحۃ المرجان میں آپ کی تاریخ وفات ۱۸ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ لکھی ہے۔

(طبقات اعلام الشیعہ جلد ۵ ص ۳۰۳ الذریعہ جلد ششم A Socio intellectual history Vol.2,p 224

عبدالحمید، سید

۱۳۸۲/۱۹۶۳

مولوی سید عبدالحمید صاحب مرحوم کا وطن موضع پتلا غوث پور ضلع اعظم گڈھ تھا مرحوم کا قیام زیادہ تر ممبئی میں رہتا تھا۔ راقم الحروف کے والد ماجد سے مرحوم کے اچھے تعلقات تھے۔ اور راقم الحروف نے اپنے بچپن میں ایک دو بار ان کو دیکھا تھا۔ مرحوم نے اپنے موضع میں ایک مسجد اور امام باڑہ کی تعمیر کرادی مگر اپنے خام مکان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ سیرت ابوذر و سلمان کا ایک زندہ نمونہ تھے۔

مرحوم نے ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ / ۳ مئی ۱۹۶۳ کو انتقال فرمایا۔

(ذاتی معلومات، الجواد اگست ۱۹۶۳، ماہ ربیع الاول ۱۳۸۳ء)

عبدالخالق، یزدی

رسالہ شیعہ (کھجوہ) میں آپ کا نام یوں لکھا ہے۔ "نخبۃ العرفاء، خلاصۃ الفضلاء، جناب مولوی مرزا عبدالخالق یزدی" آپ ریاست کھمبات (گجرات) میں امام جماعت تھے۔

آپ کی دو کتابوں کے نام مل سکے ہیں: (۱) براہین الحجاب (۲) منہج المعاد۔ اس دوسری کتاب میں ضروریات مذہب اور اصول دین و فروع دین کو عام فہم اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔

(رسالہ شیعہ کھجوہ)

سید عبدالرسول (منے جان آقا)

—/—

۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء

آپ مولانا سید نیاز حسن برقی کے تیسرے فرزند تھے۔ اپنے والد سے علوم دینیہ حاصل کئے۔ ایام عزا کی مجلسوں اور خدمت خلق سے شغف رہا۔ ایام عزا میں صبح سے شام تک دورے کی مجلسوں میں مصروف رہتے۔ کتاب دیکھ کر چند جملے پڑھ دیتے اور اتنا ہی کافی ہوتا۔ داد و دہش کا عالم یہ کہ جو کچھ ہوتا سائل کو دیدیتے۔ رمضان میں روزہ داروں کا بڑا خیال رکھتے۔ مومنین کی تجہیز و تکفین کی خدمت کی اہمیت طاعون اور انفلوئنزا جیسی وباؤں کے موقع پر ظاہر ہوئی۔ روزانہ سیکڑوں موتیں ہونے لگیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ مولانا کو میتوں کے درمیان کئی راتیں گذارنی پڑیں۔ ادھر تغسیل، ادھر تکفین، ادھر تلقین، ادھر تدفین، حکومت وقت کو جب مولانا کی اس بے لوث خدمت کا علم ہوا تو اس نے اعتراف خدمت کے طور پر مسٹر سروجنی نائیڈو کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں وزیر اعظم یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد نے ایک سونے کا تمغہ مولانا کے گلے میں ڈالا۔ آخر عمر میں زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہوئے۔ واپسی کے بعد بیمار ہوئے۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ/ ۹ فروری ۱۹۴۷ء کو انتقال فرمایا اور دائرہ میر مومن میں دفن ہوئے۔

(راحت عزمی و نعمت اللہ موسوی)

عبدالرشید، شیخ، کوپاگنجی

ح ۱۲۶۰/۱۸۴۴

۱۳۲۹/۱۹۱۱

مولوی شیخ عبدالرشید ابن مولوی محمد نصیر الدین کوپاگنج ضلع اعظم گڈھ کے باشندے تھے۔ (مطلع انوار میں کوپال گنج غلط لکھا ہے۔) تحصیل علم کے شوق میں لکھنؤ آئے اور سید احمد علی محمد آبادی جیسے زبردست مجتہد اور مدرس سے کسب فیض کیا۔ ان کے دوسرے اساتذہ تھے تاج العلماء، ممتاز العلماء اور جناب سید ابراہیم صاحب وغیرہ۔ قریب بدرجۂ اجتہاد تھے۔ جسمانی طور پر پستہ قد اور لاغر تھے۔ مگر بہت دلیر اور جلالی تھے۔ آپ کے تلامذہ میں آپ کے فرزند مولوی عطا حسین صاحب کے علاوہ مولوی کاظم حسین اور مولوی غلام حسین صاحبان قابل ذکر ہیں۔

مناظرہ میں کامل تھے۔ ایسے مختصر مگر مسکت جواب دیتے تھے کہ فریق مخالف کو خاموش ہو جانا پڑتا تھا۔ آپ کے مریدوں میں ایک صاحب تھے بندہ علی۔ انھوں نے پوربی زبان میں ایک طویل منقبت ترجیع بند کے طور پر لکھی تھی۔ جس میں تقریباً ہر بند کی بجز علیہ وجی ہر بند کے آخر میں جو شعر دہرایا جاتا تھا اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ بندہ علی علی کا بندہ ہے۔ مرشد نے یعنی شیخ عبدالرشید نے یہ منقبت سنی تو یہ حکم دیا کہ اسے لوگوں کے سامنے پڑھو۔ جب بندہ علی نے مجمع عام میں یہ منقبت سنائی تو علمائے اہل سنت نے فتوی دیا کہ بندہ علی کافر ہو گیا ہے۔ وہ پریشان ہو کر مرشد کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے پوچھو کہ کیا تم نے قاعدہ بغدادی بھی نہیں پڑھا ہے۔ کیونکہ اس کے آخر میں اللہ تعالی کے اسمائے حسنی دیئے ہوئے ہیں۔ اس میں دیکھو کہ خدا کا نام علی ہے کہ نہیں۔ کون ہے جسے علی کا بندہ ہونے سے انکار ہے۔ یہ جواب سن کر دوسرا فتوی دیا گیا کہ بندہ علی کافر نہیں بلکہ مسلمان ہے۔

موتا محمد پنجتن میں آپ ہی کے فیض سے شیعہ مذہب کی ابتدا ہوئی۔ مولانا نے ۶۹ رسال کی

عمر میں بعارضہ طاعون ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ/ ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو انتقال کیا۔

تصانیف

احسان الحسیبی (فارسی) ازجار الجائمین (عربی) صبح فصیح، حل طبل، رجع الجبار، خفض الموہب، الرسالۃ الیومیہ (عربی) انجم المتون (عربی، منطق)

(تذکرۂ بہار، الجواد، ماہ مارچ ۱۹۷۴ء)

عبدالعلی، سید، جونپوری

۱۱۹۰/ ۱۷۷۶

سید عبدالعلی جونپوری اور مولوی گلشن علی انصاری جونپوری کے درمیان اکثر ادبی مسائل پر بحث ہوتی رہتی تھی۔ اس سلسلے میں مولوی گلشن علی نے ایک کتاب بنام کوہ قاف لکھی تھی۔ جس کے جواب میں سید عبدالعلی نے عنقاء مغرب لکھی۔ سید عبدالعلی نے ۷ رجب المرجب ۱۱۹۰ھ/ ۲۳ اگست ۱۷۷۶ء کو بروز جمعہ رحلت فرمائی۔

(تکملۂ نجوم السماء ج ۲ ص ۲۱-۲۳)

عبدالعلی، مرزا

۱۳۲۸/ ۱۹۱۰

الحاج مرزا حکیم عبدالعلی صاحب رئیس پٹنہ کے انتقال کی خبر اصلاح جلد ۱۳ نمبر ۱ میں چھپی تھی (یعنی محرم ۱۳۲۹ھ میں) اس سے اندازہ ہوا کہ ان کی وفات ۱۳۲۸ھ کے اواخر میں ہوئی ہوگی۔ اصلاح لکھتا ہے کہ: "موصوف" نامور اطبائے پٹنہ سے تھے جنکی مسیحائی کا ڈنکا بجتا تھا"۔

چونکہ ماضی قریب تک علم الابدان اور علم الادیان لازم وملزوم تھے۔ اس لئے آپ کا ذکر اس تذکرہ علماء میں کیا گیا۔

عبدالعلی خاں بھیک پوری

استاذ محترم مولانا محمد مصطفےٰ جوہر مرحوم نے اپنی کشکول میں اپنے کچھ خطوط جو عربی یا فارسی میں زمانۂ تحصیل علم میں یا مدرسہ عباسیہ سے بعض احباب کو لکھے تھے ان کو نقل کیا تھا۔ ان میں سے پہلا خط "جناب مولوی عبدالعلی خاں صاحب مرحوم صدر الافاضل بھیک پوری" کے نام تھا۔ استاذ محترم نے لکھا ہے کہ عبدالعلی صاحب مرد فاضل تھے۔ علوم رسمیہ اور خصوصاً ادب عربی میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ ایک دو سال مدرسہ اسلامیہ (کجھوہ) کے مدیر رہے اور مرض دق میں انتقال فرمایا" ــــہ" کا نشان بنا ہے لیکن اس پر کوئی سال نہیں لکھا ہے۔ میں نے اس کشکول کے بہت سے صفحات کی فوٹو کاپی مرحوم کی اجازت سے کرلی تھی۔ عبدالعلی خان صاحب کے نام کا خط ادب کے اعلیٰ معیار پر فائز ہے۔ یہ خط ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ روز دوشنبہ کو لکھا گیا تھا۔ اس طویل خط کی ابتدائی

چند سطریں کاتب و مکتوب الیہ کی یادگار کے طور پر درج کی جاتی ہیں:

باسمہ سبحانہ

الحمد لله الذي تسبح له الاطيار في اوكارها+ ويحمده من في السموت والارض طائعا او كارها + رفع السموت بغير عمد وامسک + و دحى الارض عليها الجبال لها و تدام سک + زين بالعيون انسانا + وزان العيون انسانا+فضل الانسان بين مخلوقاته و كرمه + و شرفه في سائر مبدعاته و اكرمه۔

(مولانا محمد مصطفیٰ کی ذاتی بیاض یا کشکول)

بعد میں سید منظور دو عالم بجیک پوری نے بتایا کہ موصوف مدرسہ سلیمانیہ میں بھی مدرس رہے تھے۔

عبد العلی سید، دیو کٹھیاوی

۱۱۶۲/۱۷۴۹

۱۲۴۳/۱۸۲۷

مولانا سید عبد العلی صاحب موضع دیو کٹھیا، ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں غازی پور سے زنگی پور کی طرف جانے والے راستے پر زنگی پور سے تقریباً تین میل پہلے بیسو نامی ندی کے کنارے پر واقع ہے۔ مولانا عبد العلی وہیں ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں متولد ہوئے۔ وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد فیض آباد گئے جہاں مُلا محمد علی پادشاہ کشمیری سے تکمیل کی۔ مُلا محمد علی پادشاہ اس وقت شہر فیض آباد کے امام جماعت تھے۔ وہ اپنے اس شاگرد کی لیاقت اور تقدس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ

ان کی مدح میں فارسی میں نظم کہی۔ وہ اشعار لچھمی نرائن نے اپنے فارسی کے رقعات میں درج کئے ہیں۔ سید عبد العلی کو آقائی محمد باقر حائری اصفہانی نے اجازہ مرحمت فرمایا تھا۔ جب ملا محمد علی پادشاہ پیرانہ سالی کی وجہ سے معذور ہو گئے تو ان کی تجویز پر ۱۱۸۳ھ میں نواب اودھ نے مولانا عبد العلی کو فیض آباد کا پیش نماز مقرر کیا۔ جب ملا محمد علی پادشاہ کی تحریک پر سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خان نائب السلطنت نے ۲۷؍رجب ۱۲۰۰ھ/۲۶؍مئی ۱۷۸۶ء کو غفران مآب کی امامت میں لکھنؤ میں پہلی نماز جمعہ قائم کی تو اسی روز فیض آباد میں مولانا عبد العلی کی امامت میں نماز جمعہ قائم ہوئی۔ نواب آصف الدولہ نے مولانا موصوف کو دو گاؤں بطور جاگیر عطا کئے تھے جن کی آمدنی ایک ہزار روپیہ سالانہ تھی۔ اس جاگیر کا ایک بڑا حصہ خاتمۂ زمینداری تک ان کے خاندان کے قبضے میں رہا۔ اگرچہ ایک گاؤں کے بڑے حصے پر اغیار نے قبضہ کر لیا تھا۔

مولانا نے دیو کٹھیا میں ایک وسیع مسجد تعمیر کی تھی جو اب تک موجود ہے۔ انھوں نے اپنے ایک فرزند، سید کلب علی کو لکھنؤ بھیجا جہاں انھوں نے غفران مآب سے علوم دینیہ حاصل کئے۔ بہت صاحب علم و کمال تھے لیکن انھوں نے عین عالم جوانی میں داغ مفارقت دیا۔ مولانا کے دوسرے فرزند سید محمد کا نام بھی غفران مآب کے شاگردوں کی فہرست میں ملتا ہے۔ (کچھ تذکرہ نگاروں نے مولانا سید عبد العلی کو بھی غفران مآب کا شاگرد بنا دیا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔) مولانا بڑے عابد و زاہد تھے محرم کا چاند نظر آتے ہی رونے اور ذکر سید الشہداء سننے اور سنانے کے علاوہ کوئی مشغلہ نہیں رہ جاتا۔ کھانا پینا اور حجرہ سے باہر نکلنا بھی کم ہو جاتا تھا۔ ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء میں انھوں نے فیض آباد میں وفات پائی اور حیدر گنج میں ''مولوی کا باغ'' (جو ان کا خاندانی قبرستان ہے) میں ایک حجرہ میں دفن ہوئے۔

(تذکرہ بے بہا ص ۲۱۲، مطلع انوار ص ۳۱۰، الجواد ماہ اگست ۱۹۸۶ء)

عبداللہ، القزوینی

مولیٰ عبد اللہ القزوینی شاہ طہماسپ (یاشاہ عباس) صفوی کے دور میں ایران سے ہندوستان آئے اور قطب شاہی سلاطین سے منسلک ہوگئے۔ یہاں آکر فارسی میں شرح حدیث الغدیر لکھی جسے الذریعہ میں "کتاب جلیل حسن الفوائد" لکھا گیا ہے۔ اور صاحب ریاض کا یہ خیال نقل کیا گیا ہے کہ اسے مصنف نے حیدرآباد میں لکھا تھا۔

عبداللہ، مجلسی

ح ۱۰۳۰ھ/

ح ۱۰۸۴ھ/ ۱۶۷۳ء

ملا محمد تقی مجلسی اول کے تین فرزند تھے۔ ملا عزیز اللہ مجلسی، ملا عبداللہ مجلسی اور ملا محمد باقر مجلسی۔ ملا محمد باقر مجلسی جو علامہ مجلسی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں ایران میں رہے لیکن ملا عبداللہ مجلسی ہندوستان آئے اور یہیں رہ گئے بعد میں ملا عزیز اللہ مجلسی بھی یہاں تشریف لائے۔

ملا عبداللہ نے اپنے والد ماجد اور آقائی حسین خوانساری سے کسب فیض کیا تھا۔ جب ان کے والد ماجد نے ۱۰۷۰ھ میں اصفہان میں رحلت فرمائی تو ملا عبداللہ ہندوستان چلے آئے اور یہیں رہ گئے۔ (میں نے کہیں پڑھا تھا کہ آپ حسین آباد مونگیر میں تھے اب حوالہ یاد نہیں آتا) ملا صاحب موصوف بڑے مقدس، محدث اور فقیہ تھے۔ ان کی علامہ مجلسی سے خط و کتابت رہتی تھی۔ علامہ مجلسی نے ان کے کچھ سوالات کا جواب المسائل الہندیہ کے نام سے لکھا تھا۔

ملا عبداللہ نے ۱۰۸۴ھ/ ۱۶۷۳ء کے حدود میں رحلت فرمائی۔ آپ کے تصنیفات میں شرح تہذیب الاحکام اور حاشیہ حدیقۃ المتقین ہیں جن سے آپ کے فضل و کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔

اولاد: محمد نصیر، زین الدین، محمد تقی

(طبقات اعلام الشیعہ جلد پنجم ص ۳۵۴)

عبداللہ، ملا، پیر پیائی

ح ۱۳۰۸/ ح ۱۸۹۰

ح ۱۳۹۸/ ح ۱۹۷۸

ملا عبداللہ قصبہ پیر پائی ضلع پشاور کے رہنے والے تھے اور سنی گھرانے کے چشم و چراغ تھے آپ نے اپنے بزرگوں سے ضروری دینی تعلیم حاصل کی۔ ان معلومات نے آپ کے اندر تلاش حق کا ایک بیقرار جذبہ پیدا کردیا۔ جس کی بنا پر آپ نے اطراف عالم میں گھومنا شروع کردیا۔ اہل ہنود کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کے لئے آپ نے ہندوستان جاکر سنسکرت سیکھی اور مندروں میں بھی حاضری دی۔ مگر آپ کی تشفی نہ ہوئی۔ ہندوستان سے آپ افغانستان گئے اور بخی صاحب کے مزار پر چند سال قیام کرکے اہل سنت کی مذہبی کتابیں بالاستیعاب دیکھیں مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اب آپ حج وزیارت کے لئے پاپیادہ روانہ ہوئے۔ ایران و عراق کے مقدس مقامات کی زیارتوں کے بعد آپ مکہ معظمہ پہنچے اور حج سے مشرف ہوئے۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کرکے کئی عالموں سے تبادلۂ خیالات کیا۔ پھر مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ یہاں بھی آپ کے شکوک رفع نہ ہوسکے اب آپ واپس کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف پہنچے عراق سے ایران گئے اور قم میں زعیم حوزہ سے ملے جنھوں نے قم کی قیمتی لائبریریوں کے دروازے ان کے لئے کھلوادیئے۔ آخر کار بحار الانوار کے مطالعہ نے آپ کو پوری طرح مطمئن کردیا۔ اور آپ نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا۔ ایران سے پاکستان واپس آکر موضع شیر کوٹ میں ملک وہاب علی کے یہاں قیام کیا۔ یہیں آپ کی پہلی ملاقات علامہ عبد العلی ہردی سے ہوئی۔ مومنین شیعہ بنگش آپ کی ہدایتوں سے مستفید ہوتے رہے۔ دور دراز کے علاقوں سے لوگ آپ کے پاس آکر اپنی گتھیاں سلجھاتے رہے۔ آپ نے تمام عمر ارشاد و ہدایت میں گذاردی۔ اپنی وفات سے دو سال قبل آپ نے علاقہ غیر تیراہ کے موضع کلایہ میں تارک الصلوۃ لوگوں کو اپنے مواعظ حسنہ سے پابند

ارکان دین بنا دیا۔ آپ کے پاؤں میں ایک معمولی سا زخم ہوا جس نے ناسور کی شکل اختیار کر لی اور وہی آپ کی وفات کا سبب بنا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی سعی سے تعمیر شدہ عظیم الشان امام باڑہ میں دیوار سے متصل قبر کھود کر اس میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ وقت وفات آپ کی عمر ۸۸ رسال تھی۔

(پیام عمل، لاہور ستمبر ۱۹۷۸ء)

عبد علی بیگ

آغا عبد علی بیگ قزلباش دہلوی صاحب علم و کمال مصنف تھے جس پر ان کی کتاب آیات جلی فی شان مولانا علی گواہ ہے۔

عبد الفتاح، سید

سید عبد الفتاح المعروف بہ اشرف علی گلشن آبادی ہندی۔ الذریعہ میں ان کی تصنیف اشرف اللغات کا ذکر ملتا ہے۔ جو ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی کی لغت ہے۔ یہ حصہ مصادر افعال پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ جو اسماء سے متعلق ہے۔ اس کا نام مجامع الاسماء ہے۔ یہ لغت ہندوستان میں ۱۲۸۷ھ میں طبع ہوئی۔

(الذریعہ)

عبد المجید، حکیم، مولانا، مبارک پوری

۱۳۲۸ھ / ۱۹۰۸

۱۳۹۷ / ۱۹۷۷

حکیم مولانا عبد المجید صاحب ابن علی احمد صاحب اپنے وطن محلہ پرانی بستی بکھری قصبہ مبارک پور میں حدود ۱۹۰۸ء میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں داخلہ لیا۔ پھر جامع العلوم جوادیہ سے فخر الافاضل اور سلطان المدارس (لکھنؤ) سے سند الافاضل کیا۔ اس کے بعد بنارس میں علم طب حاصل کیا۔ وطن میں مطب کرتے تھے۔ جب مولانا سید ظفر الحسن صاحب عراق تشریف لے گئے تو مولانا عبد المجید صاحب نے باب العلم (مبارکپور) میں مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے تدریس و نظامت کے فرائض انجام دیئے۔

۶۹ سال کی عمر میں ۸ رجب المرجب ۱۳۹۷ ہجری / ۲۶ جون ۱۹۷۷ء کو وطن میں رحلت کی۔

(لائق حسن فرزند مولانا موصوف)

عبد المجید سید فیض آبادی

سید عبد المجید فیض آبادی اعلیٰ درجہ کے فضل و کمال پر فائز تھے ظل ممدود میں سلطان العلماء سید محمد کا ایک خط ان کے نام درج ہے جس میں ان کے لئے حسب ذیل القاب استعمال کئے ہیں: البحر القمقام، الفاضل المجید البارع المجید، المہذب، الوحید، ذی الفکر والرائ السدید"

آغا بزرگ تہرانی نے اس خط سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سید عبد المجید مذکور کو کربلا میں سید ابراہیم قزوینی (صاحب ضوابط) سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

(ظل ممدود الکرام البررۃ جلد ۲ صفحہ ۷۱۳)

ارکان دین بنادیا۔ آپ کے پاؤں میں ایک معمولی سازخم ہوا جس نے ناسور کی شکل اختیار کرلی اور وہی آپ کی وفات کا سبب بنا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی سعی سے تعمیر شدہ عظیم الشان امام باڑہ میں دیوار سے متصل قبر کھود کر اس میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ وقت وفات آپ کی عمر ۸۸ رسال تھی۔

(پیام عمل، لاہور ستمبر ۱۹۷۸ء)

عبد علی بیگ

آغا عبد علی بیگ قزلباش دہلوی صاحب علم وکمال مصنف تھے جس پر ان کی کتاب آیات جلی فی شان مولانا علی گواہ ہے۔

عبدالفتاح، سید

سید عبدالفتاح المعروف بہ اشرف علی گلشن آبادی ہندی۔ الذریعہ میں ان کی تصنیف اشرف اللغات کا ذکر ملتا ہے۔ جو ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی کی لغت ہے۔ یہ حصہ مصادر افعال پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ جو اسماء سے متعلق ہے۔ اس کا نام مجامع الاسماء ہے۔ یہ لغت ہندوستان میں ۱۲۸۷ھ میں طبع ہوئی۔

(الذریعہ)

عبدالمجید، حکیم، مولانا، مبارک پوری

ح ۱۳۲۸/۱۹۰۸

۱۳۹۷/۱۹۷۷

حکیم مولانا عبدالمجید صاحب ابن علی احمد صاحب اپنے وطن محلہ پرانی بستی بکھری قصبہ مبارک پور میں حدود ۱۹۰۸ء میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں داخلہ لیا۔ پھر جامع العلوم جوادیہ سے فخر الافاضل اور سلطان المدارس (لکھنؤ) سے سند الافاضل کیا۔ اس کے بعد بنارس میں علم طب حاصل کیا۔ وطن میں مطب کرتے تھے۔ جب مولانا سید ظفر الحسن صاحب عراق تشریف لے گئے تو مولانا عبدالمجید صاحب نے باب العلم (مبارکپور) میں مدرس اعلی کی حیثیت سے تدریس ونظامت کے فرائض انجام دیئے۔

۶۹ سال کی عمر میں ۸ رجب المرجب ۱۳۹۷ ہجری/۲۶ جون ۱۹۷۷ء کو وطن میں رحلت کی۔

(لائق حسن فرزند مولانا موصوف)

عبدالمجید سید فیض آبادی

سید عبدالمجید فیض آبادی اعلی درجہ کے فضل وکمال پر فائز تھے ظل ممدود میں سلطان العلماء سید محمد کا ایک خط ان کے نام درج ہے جس میں ان کے لئے حسب ذیل القاب استعمال کئے ہیں: ''البحر القمقام، الفاضل المجید البارع الجید، المہذب، الوحید، ذی الفکر والرائ السدید''

آغا بزرگ تہرانی نے اس خط سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سید عبدالمجید مذکور کو کربلا میں سید ابراہیم قزوینی (صاحب ضوابط) سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

(ظل ممدود الکرام البررۃ جلد ۲ صفحہ ۷۱۳)

عبدالوہاب دہلی

گیارہویں صدی

عبدالوہاب ابن عبدالرحمان دہلی دہلی کے رہنے والے تھے۔ مغلیہ سلطنت کا دور تھا۔ ۱۰۶۳ ہجری میں ایک ایرانی تاجر حاجی علی رضا، ہندوستان آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک صاحب علم و فضل مولانا عبدالحی شیرازی بھی آئے تھے۔ ان حضرات کا قیام عبدالوہاب کے مکان کے قریب ہی تھا۔ اور شیرازی سے ان کی مذہبی گفتگو چھڑ گئی۔ ان مباحثات کے نتیجے میں عبدالوہاب شیعہ ہو گئے۔ ان کے والد خود صاحب علم تھے اور خطاطی کے ماہر تھے۔ پہلے تو انہوں نے خود ہی بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی۔ جب عاجز ہو گئے تو علمائے دہلی کو جمع کر کے ان سے مدد مانگی۔

عبدالوہاب نے اپنے شیعہ ہونے کے اسباب اور اپنے والد اور دوسرے علماء سے مباحثات کی تفصیل ابصار المستبصرین میں لکھی ہے جس کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے انہوں نے یہ کتاب ۱۰۶۳ ہجری میں لکھی تھی (الذریعہ جلد اول میں اس کا سنہ تصنیف ۱۰۳۲ ہجری لکھا ہے جو درست نہیں ہے) میں نے اس رسالہ کا ترجمہ اردو میں کیا تھا اور رہبر منزل نام رکھا تھا یہ ترجمہ پریس سے گم ہو گیا۔ ابصار المستبصرین قاچاری عہد میں ایران میں چھپی تھی۔ میں نے اسے حسین گنج میں دیکھا تھا لیکن اس کا موقع نہ ملا کہ اپنے قلمی نسخہ سے اس کا مقابلہ کرتا۔

۱۰۷۳ ہجری میں دہلی کے ایک سنی عالم سے ان کا مناظرہ قضیہ قرطاس کے موضوع پر ہوا۔ اس مناظرہ اور چند دوسرے مباحثوں کی تفصیل انھوں نے "احتجاج دہلی" کے نام سے اسی سال لکھی۔ جس کا ایک خطی نسخہ مرکز احیاء میراث اسلامی (قم۔ ایران) میں موجود ہے۔ یہ انیس صفحہ کا رسالہ ہے۔ الذریعہ میں غالباً اسی کو "مناظرۃ عبدالوہاب الہندی" کے نام سے درج کیا ہے۔

(ابصار المستبصرین۔ الذریعہ۔ فہرست نسخہ ہائے خطی مرکز احیاء میراث اسلامی)

عزیز الحسن، سید، نقوی

و ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

سید عزیز الحسن نقوی شکار پور ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے آپ کی پوری زندگی خوجہ جماعتوں میں گذری۔ پھر افریقہ چلے گئے جہاں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۲ء تک خوجہ شیعہ اثنا عشری سپریم کونسل سے وابستہ رہے۔ پھر کمن ڈانی (تانزانیا) میں رہے۔ ۱۹۶۷ء سے ماڈاگاسکر میں مقیم رہے۔ جولائی ۱۹۷۶ء میں وطن واپس آ گئے۔

صرف ایک دن بیمار رہ کر شب ۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ ہجری / ۷ جولائی ۱۹۷۸ء شب پنجشنبہ میں ایک بجے رات کو رحلت فرمائی۔

آپ کے فرزند سید ظہیر الحسن صاحب نقوی ایک عرصہ تک پٹیو ہاؤس (بمبئی) سے وابستہ رہے۔ انکے علاوہ تین بیٹیاں یادگار چھوڑیں۔

(الہدیٰ جولائی ۱۹۷۸ء، ج ۹ و نمبر ۹ و ذاتی معلومات)

عصمۃ اللہ، ملا سہارنپوری

و ۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹-۳۰ء

صاحب مآثر الکرام نے ملا عصمۃ اللہ سہارنپوری کو علمائے اہل سنت میں شمار کیا ہے۔ مگر اس وقت جو ان کی اولاد سہارنپور (محلہ کوٹ میر) میں آباد ہے وہ سب شیعہ ہیں اور ملا صاحب کو بھی شیعہ

بتاتے ہیں۔ چونکہ اورنگ زیب کے استاد تھے اس لئے تقیہ میں تھے۔ ۱۳۱۱ ہجری کے قریب ایک مقدمہ اس مسجد کے بارے میں ہوا تھا جو کوٹ میر میں واقع ہے اور وہاں ملا صاحب کی پختہ قبر بھی ہے۔ اس مقدمہ میں ملا صاحب کا شیعہ ہونا ثابت ہو گیا تھا اور شیعوں کی فتح ہوئی۔ فتحیابی مقدمہ کے دن نماز بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ پورے شہر کے مومنین جمع تھے اور صاحب تذکرہ بے بہانے نماز پڑھائی تھی۔

ملا صاحب، نابینا ہو گئے تھے مگر آنکھ والوں کی رہنمائی فرماتے تھے۔ عمر کا زیادہ حصہ درس و تدریس میں گذرا۔ ۱۰۳۹ ہجری میں انتقال فرمایا۔

تصانیف

شرح تشریح الافلاک (بنام باب تشریح الافلاک)

شرح خلاصہ الحساب (بنام انوار خلاصہ الحساب) حاشیہ شرح ملا جامی۔

(تذکرہ بے بہا صفحہ ۲۰۸، مطلع انوار صفحہ ۳۲۲، طبقات اعلام الشیعہ جلد پنجم صفحہ ۳۶۶)

علی سید بھیک پوری

۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء

۱۲۸۵/۱۸۶۸

قدوۃ العارفین مولانا سید علی ابن سید حیدر علی بھیک پوری بہار کے پہلے شیعہ مجتہد تھے آپ کا اصلی نام سید پیر علی تھا جسے سید العلماء علیین مکان نے ناپسند کیا اور ان کی فرمائش کے مطابق آپ نے اسے سید علی کر دیا۔

آپ کا سنہ ولادت کہیں درج نہیں ہے لیکن بوقت وفات یعنی ۱۲۸۵ ہجری میں آپ کی عمر ستر سال تھی اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۱۵ میں ہوئی ہوگی۔

تقریباً پندرہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے شوق میں گھر والوں کو خبر کئے بغیر پیدل چھپرہ پہنچے تقریباً دس سال وہاں مشغول درس رہے۔ وہاں کے ایک سجادہ نشین نے (جو غالباً آپکے استاد بھی تھے) آپ کو اپنا جانشین بنانا چاہا۔ درگاہ کی جاگیر میں کئی گاؤں اور آمدنی کے دوسرے ذرائع تھے جو سجادہ نشین کے ذاتی تصرف میں رہتے تھے۔ اس دنیاوی بکھیڑے سے بچنے کے لئے آپ پا پیادہ لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ایک مہینہ میں یہ سفر طے ہوا۔ یہ غازی الدین حیدر شاہ اودھ کا دور تھا۔ لکھنؤ پہنچ کر آپ نے ایک مسجد میں قیام کیا تین دن فاقہ سے گذر گئے لیکن آپ نے غیرت کے مارے کسی سے اپنا حال نہ بیان کیا۔ آخر بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ بارالٰہا اگر میرا رزق دنیا میں نہیں رہا تو موت کی سختی مجھ پر آسان کر دے ورنہ روزی ملنے کی کوئی سبیل پیدا کر۔ دعا ختم ہوتے ہی کسی نے در مسجد پر آپ کا نام لے کر پکارا کہ چلئے فلاں جگہ طلاب کی دعوت ہے۔ آپ وہاں پہونچے اس رئیس نے کوئی نذر کی تھی جس کے مطابق ہر طالب علم کو کھانوں سے بھرا ہوا ایک خوان (جو کئی دنوں کے لئے کافی ہوتا) اور پانچ روپے پیش کئے گئے۔ وہ کھانا اور روپیہ جتنے دنوں چلا اس عرصہ میں آپ کے لئے وظیفہ کا انتظام ہو گیا اور آپ نے درس لینا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ سید العلماء سید حسین علیین مکان کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ انہیں جناب نے آپ کے نام میں ترمیم فرمائی جیسا کہ اوپر درج کیا گیا۔

سید العلماء نے آپ کو کسی رئیس زادہ کی تعلیم کے لئے پندرہ روپیہ ماہوار پر مقرر کرا دیا تا کہ آپ کسی تشویش کے بغیر تحصیل علم کی طرف توجہ کر سکیں۔ قیام وطعام کا انتظام بھی رئیس کی حویلی ہی میں تھا۔ لیکن سید علی صاحب کے چہرہ پر کبھی خوشی کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ رئیس ان کی پرہیز گاری اور

علم وفضل سے بہت متاثر تھے اس لئے یہ سوچتے ہوئے کہ شائد یہ مشاہرہ کم ہے۔ انہوں نے تیس روپے ماہوار کر دیا لیکن سید علی صاحب کا انقباض خاطر اور بڑھ گیا آپ کی دنیا سے بے توجہی کا عالم یہ تھا کہ جو تنخواہ ملتی اسے بستر کے نیچے ڈال دیتے۔ ایک روز بستر جھاڑا گیا تو ایک کثیر رقم برآمد ہوئی۔ آپ نے اسی روز رئیس سے قطع تعلق کرلیا۔ رئیس نے سید العلماء سے عرض کیا کہ اگر رقم کم ہو تو میں اور بھی اضافہ کرنے کو تیار ہوں۔ سید علی صاحب نے سید العلماء سے کہا کہ رقم تو میرے توقعات سے بڑھ کر تھی لیکن ایک تو بچوں کو تعلیم دینے میں جو وقت صرف ہوتا تھا وہی مجھ پر بار تھا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر یونہی رقم جمع ہوتی رہی تو مجھ پر حج واجب ہو جائے گا اور میں اتنی مدت تک کے لئے تحصیل علم سے محروم ہو جاؤں گا جو میرے لکھنؤ آنے کا مقصد ہے۔ اس کے بعد سید العلماء علیین مکان نے اپنے صاحبزادوں سید محمد تقی صاحب (ممتاز العلماء) اور سید علی نقی صاحب (زبدۃ العلماء) کی تعلیم پر آپ کو مامور فرمایا۔

بارہ سال تک علیین مکان سے فیض حاصل کرنے کے بعد آپ نے (حدود ۱۲۵۲ھ میں) وطن کا قصد فرمایا۔ جب آپ دوبارہ لکھنؤ جانے لگے تو بہت سے افراد آپ کے ساتھ لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے اور اس طرح ان اطراف کے لوگوں کا تحصیل علم کی غرض سے لکھنؤ آنا جانا شروع ہو گیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے وطن میں قیام کر کے جمعہ و جماعت کا قیام فرمایا امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مشغول ہو گئے۔ جن لوگوں نے کبھی قبلہ کی طرف منہ نہیں کیا تھا پانچوں وقت کی نماز کے پابند ہو گئے۔ جو لوگ تاڑی شراب میں ڈوبے رہتے تھے وہ ان منہیات سے ایسے تائب ہو گئے کہ زمینداریوں میں جو تاڑ اور کھجور کے درخت تھے ان کو بھی کٹوا دیا۔

حدود سنہ ۱۲۵۵ میں راجا مومن علی خان رئیس پورنیہ نے علیین مکان سے فرمائش کی کہ کسی صاحب فضل وکمال عالم کو پورنیہ بھیجیں اور یہ بھی لکھا کہ جو بزرگ تشریف لائیں گے ان کو قیام وطعام

کے علاوہ مبلغ ساٹھ روپے ماہوار ہدیہ پیش کیا جائے گا۔ علیین مکان نے سید علی صاحب کو لکھا جب تک سید علی صاحب وہاں پہنچیں ایک ایرانی فاضل وہاں پہنچ گئے تھے۔ جنہیں راجا صاحب نے اس جگہ کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ سید علی صاحب واپس وطن کے لئے روانہ ہوئے۔ چھپرا پہنچے تو وہاں کے رؤسا نے وہاں قیام کرنے کی استدعا کی۔ آپ وہاں چند سال دینی خدمات میں مشغول رہے۔ سنہ ۱۲۵۸ھ آتے آتے حالات بدلے اور آپ چھپرہ چھوڑ کر مظفر پور تشریف لے گئے جہاں نواب سید محمد کاظم علی خاں (عرف چھوٹے میرن صاحب) کے یہاں ایک نہایت قلیل مشاہرہ پر ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ تقریباً دو سال اسی گم نامی اور بے قدری کے عالم میں گذرے۔

اسی دوران لکھنؤ کا ایک چرب زبان نائی علماء کا لباس پہن کر مظفر پور آیا۔ اس کی ظاہری وضع قطع سے اہل مظفر پور مرعوب ہو گئے اور اسے اپنا پیش نماز بنالیا۔ کچھ دنوں بعد فاضل نبیل مولانا سید علی صاحب لکھنوی کسی سلسلہ میں مظفر پور تشریف لائے تو پیش نماز صاحب پر نظر پڑی۔ آپ نے فوراً پوچھا: تو یہاں کب آیا؟ حاضرین سخت حیران ہوئے کہ علماء آپس میں تو تڑاق سے گفتگو کرتے ہیں؟ تب مولانا موصوف نے فرمایا کہ "ارے بھئی! یہ تو ہمارا نائی ہے۔ حجامت کی اصلاح جانتا ہے نہ کہ شریعت کے مسائل" اس کے بعد جب مولانا موصوف مولانا سید علی صاحب سے ملے تو آپ کے تبحر علمی اور فضائل نفسانی سے بہت متاثر ہوئے اور عوام کی جہال پروری پر اور بھی تعجب اور افسوس ہوا۔ الغرض انہوں نے نواب سید محمد تقی خان صاحب رئیس کمرہ مظفر پور کو مشورہ دیا کہ وہ مولانا سید علی صاحب کو اپنی نوتعمیر مسجد میں اقامۂ جمعہ و جماعت کی دعوت دیں۔ اس وقت سے اہل مظفر پور نے آپ کی قدر پہچانی اور معتقد ہو گئے۔

شادیاں اور اولادیں

آپ کی عمر کا نصف سے زیادہ حصہ تحصیل علم میں گذرا۔ تقریباً چالیس سال کی عمر میں (یعنی حدود ۱۲۵۹ھ میں) اپنے والدین کی پسند سے کٹوکھر ضلع سارن میں شادی کی۔ ان کے بطن سے کئی اولادیں ہوئیں لیکن سب کی سب ایام رضاعت میں فوت ہو جاتی تھیں جس سے آپ بہت رنجیدہ رہتے تھے آخر احباب کے اصرار سے بنگرہ ضلع مظفر پور میں دوسری شادی کی جس سے دو بیٹے ہوئے جو آگے چل کر جلیل القدر عالم ہوئے یعنی مولانا سید محمد مہدی مصنف لواعج الاحزان اور مولانا حکیم ڈاکٹر سید محمد جواد۔

وفات

۷۰ رسال تک جہد و ریاضت کی زندگی بسر کر کے آپ نے بیس صفر ۱۲۸۵ھ[1] بروز اربعین مظفر پور میں بہ عارضہ فالج انتقال فرمایا۔ جنازہ دوسرے روز اٹھایا گیا۔ مولوی مرزا محمد ہادی صلحاء لکھنوی مولف خلاصۃ المصائب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی تاریخ وفات لفظ ''غفرہ'' سے نکلتی ہے اس سے مختصر مادۂ تاریخ ناممکن تھا کیونکہ اس میں ہزار کے لئے ایک حرف، سیکڑہ کے لئے ایک حرف، دہائی کے لئے ایک حرف اور اکائی کے لئے ایک حرف ہے۔

زہد و قناعت

آپ نے ہمیشہ سلمان و ابوذر جیسی زندگی بسر کی۔ کھانا بدمزہ کھاتے لباس موٹا پہنتے، اکثر تخت یا بورے پر بغیر فرش کے سو رہتے۔ سفر کے دوران سواری ساتھ ہوتے ہوئے بھی کوسوں پیدل چلتے۔ کسی کا نذرانہ قبول نہ کرتے۔

---

[1] تقویم کے حساب سے یہ تاریخ ۱۲ رجون ۱۸۶۸ء سے مطابق تھی۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

آپ کی پہلی شادی میں بارات جب کٹوکھر پہنچی تو سسرال والوں نے دستور زمانہ کے مطابق گانے باجے کا انتظام کیا تھا۔ آپ نے منع کیا لیکن وہ لوگ نہ مانے تو آپ نے شادی والا جوڑا اتار کر سادہ لباس پہن لیا اور پیدل بھیک پور کے لئے روانہ ہو گئے۔ تب وہ لوگ دوڑے آئے اور گانا باجا رخصت کر دیا گیا اور بڑی منت سماجت کر کے آپ کو کٹوکھر واپس لائے۔

ایک مرتبہ آپ اپنی دوسری سسرال بنگرہ میں مقیم تھے۔ پڑوس میں گانا شروع ہو گیا۔ آپ ان لوگوں کو روکنے پر قادر نہ تھے اس لئے نصف شب کے قریب وہاں سے پا پیادہ مظفر پور کے لئے روانہ ہو گئے۔

تقدیر معیشت اور جود و سخاء

آپ کو چھپرہ یا مظفر پور میں کبھی فارغ البالی نصیب نہ ہوئی۔ لیکن آپ نے اپنے اخراجات کو اس طرح سمیٹا تھا کہ اسی قلیل شہریہ کے اندر رہتے ہوئے گھریلو اخراجات پورے کرتے تھے اور اس بجٹ کا ایک حصہ داد و دہش کے لئے بھی مخصوص کر رکھا تھا۔ غریبوں اور حاجت مندوں کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ بہت سی غریب لڑکیوں کی شادیوں کے اخراجات برداشت کئے۔ وطن میں اپنی جیب خاص سے ایک مسجد بنوائی اور ایک کنواں کھدوایا۔

آپ کا مستجاب الدعوات ہونا

جب آپ چھپرہ تشریف لے گئے اس وقت وہاں زبردست خشک سالی تھی۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ اپنے اپنے طور پر دعائیں کر کے تھک چکے تھے۔ آپ نے نماز استسقاء پڑھائی۔ ابھی نماز کے اعمال ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

اسی طرح ایک مرتبہ مظفر پور میں خشک سالی سے سب لوگ پریشان تھے۔ عیدالاضحیٰ کی نماز کے لئے آپ سب مومنین کو لے کر باہر گئے سر برہنہ ہوکر بارش کے لئے دعا کی اور فوراً مینہ برسنے لگا۔

ایک دلچسپ واقعہ

ایک مرتبہ آپ چھپرہ میں کسی رئیس کے مہمان ہوئے۔ چونکہ میزبان کو اہل دنیا ہر وقت گھیرے رہتے تھے اس لئے آپ نے میزبان کے ایک غیر مسکونہ مکان میں شب باشی پسند کی۔ لوگوں نے کہا اس مکان پر جنات کا تسلط ہے لیکن آپ نے توجہ نہ کی۔ نصف شب کے بعد ایک پیر مرد سفید ریش، سبز عمامہ باندھے ہوئے، عصا بدست ظاہر ہوئے اور سلام علیک کے بعد کہا کہ میں قوم جن کا ایک فرد ہوں اور اس مکان میں سکونت رکھتا ہوں۔ آپ کو قیام کے لئے بہت سے مکانات مل جائیں گے جبکہ میرے لئے یہی ایک مکان ہے لہٰذا آپ اس مکان کو چھوڑ دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے آپ کی فرمائش مان لینے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ لیکن رات آدھی سے زیادہ گذر چکی ہے۔ اور اگر میں اس وقت یہاں سے منتقل ہونا چاہوں تو بہتیرے افراد کے آرام میں خلل ہوگا۔ آپ مجھے مومن معلوم ہوتے ہیں اور یقیناً اس کو پسند نہیں کریں گے کہ ایک مومن کے آرام کے لئے متعدد مومنین کو تکلیف پہنچائی جائے۔ لہٰذا آپ آج کی رات جس طرح ہو بسر کر لیں، میں صبح کو چلا جاؤں گا اس پیر مرد نے آپ کی بات مان لی اور نظروں سے غائب ہوگیا۔

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید محمد مہدی صاحب نے آپ کے حالات پر مشتمل ۲۰ صفحات کا ایک فارسی رسالہ تحفۃ الابرار لکھا تھا۔ مذکورہ بالا حالات میں نے اسی تحفۃ الابرار اور اپنی تالیف شجرہ طیبہ سے اقتباس کر کے لکھے ہیں۔ (مطلع انوار میں آپ کے حالات میں بہت سے تسامحات ہیں جنکے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے)۔

علی، سید، فیض آبادی

—/—

۱۳۱۵/ ۸ـ۱۸۹۷

مولانا سید علی صاحب، مولانا سید محمد ابن سید عبدالعلی دیوکٹھیاوی کے فرزند اکبر تھے۔ بہت ہی روشن ضمیر و خوش تدبیر، بڑے عابد و زاہد اور صاحب تقویٰ تھے عالم متبحر اور صاحب عزت ہونے کے ساتھ بہت ہی باوقار تھے۔ ان کے والد ماجد کی وفات کے بعد نواب واجد علی شاہ مرحوم نے سید علی صاحب کو فیض آباد کا امام جمعہ و جماعت مقرر کیا۔ جب کبھی فیض آباد سے دیوکٹھیا جانے کا قصد فرماتے تھے تو تقریباً دس بارہ چوبدار ان کی حفاظت کے لئے ہمرکاب ہوتے تھے۔ اس وقت کا انگریز گورنر ان سے بہت متاثر تھا اور اپنے کمرے میں مولانا مرحوم کا فوٹو لگا رکھا تھا۔

آپ نے ۱۳۱۵ھ/ ۸ـ۱۸۹۷ء میں رحلت فرمائی۔ اور آبائی مقبرہ "مولوی کا باغ" میں دفن ہوئے۔

اولاد

سید محمد حسین اور تین بیٹیاں۔

سید، علی، رضوی، لکھنوی

۱۳۲۵/ ۱۹۰۵

۱۴۰۶/ ۱۹۸۵

مولانا سید علی صاحب باقر العلوم جناب سید محمد باقر صاحب اعلی اللہ مقامہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت ۲۰؍ مئی ۱۹۰۵ء/ ۷؍ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ کو لکھنؤ میں ہوئی ابتدائی

اسی طرح ایک مرتبہ مظفر پور میں خشک سالی سے سب لوگ پریشان تھے۔ عیدالاضحی کی نماز کے لئے آپ سب مومنین کو لے کر باہر گئے سر برہنہ ہو کر بارش کے لئے دعا کی اور فوراً مینہ برسنے لگا۔

ایک دلچسپ واقعہ

ایک مرتبہ آپ چھپرہ میں کسی رئیس کے مہمان ہوئے۔ چونکہ میزبان کو اہل دنیا ہر وقت گھیرے رہتے تھے اس لئے آپ نے میزبان کے ایک غیر مسکونہ مکان میں شب باشی پسند کی۔ لوگوں نے کہا اس مکان پر جنات کا تسلط ہے لیکن آپ نے توجہ نہ کی۔ نصف شب کے بعد ایک پیر مرد سفید ریش، سبز عمامہ باندھے ہوئے، عصا بدست ظاہر ہوئے اور سلام علیک کے بعد کہا کہ میں قوم جن کا ایک فرد ہوں اور اس مکان میں سکونت رکھتا ہوں۔ آپ کو قیام کے لئے بہت سے مکانات مل جائیں گے جبکہ میرے لئے یہی ایک مکان ہے لہٰذا آپ اس مکان کو چھوڑ دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے آپ کی فرمائش مان لینے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ لیکن رات آدھی سے زیادہ گذر چکی ہے۔ اور اگر میں اس وقت یہاں سے منتقل ہونا چاہوں تو بہتیرے افراد کے آرام میں خلل ہوگا۔ آپ مجھے مومن معلوم ہوتے ہیں اور یقیناً اس کو پسند نہیں کریں گے کہ ایک مومن کے آرام کے لئے متعدد مومنین کو تکلیف پہنچائی جائے۔ لہٰذا آپ آج کی رات جس طرح ہو بسر کر لیں، میں صبح کو چلا جاؤں گا اس پیر مرد نے آپ کی بات مان لی اور نظروں سے غائب ہو گیا۔

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید محمد مہدی صاحب نے آپ کے حالات پر مشتمل ۴۰ صفحات کا ایک فارسی رسالہ تحفۃ الابرار لکھا تھا۔ مذکورہ بالا حالات میں نے اسی تحفۃ الابرار اور اپنی تالیف شجرۂ طیبہ سے اقتباس کر کے لکھے ہیں۔ (مطلع انوار میں آپ کے حالات میں بہت سے تسامحات ہیں جنکے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے)۔

علی، سید، فیض آبادی

۱۳۱۵/۸-۱۸۹۷

مولانا سید علی صاحب، مولانا سید محمد ابن سید عبد اعلیٰ دیوکھیاوی کے فرزند اکبر تھے۔ بہت ہی روشن ضمیر، خوش تدبیر، بڑے عابد و زاہد اور صاحب تقویٰ تھے عالم متبحر اور صاحب عزت ہونے کے ساتھ بہت ہی باوقار تھے۔ ان کے والد ماجد کی وفات کے بعد نواب واجد علی شاہ مرحوم نے سید علی صاحب کو فیض آباد کا امام جمعہ و جماعت مقرر کیا۔ جب بھی فیض آباد سے دیوکھیا جانے کا قصد فرماتے تھے تو تقریباً دس بارہ چوبدار ان کی حفاظت کے لئے ہمرکاب ہوتے تھے۔ اس وقت کا انگریز گورنر ان سے بہت متاثر تھا اور اپنے کمرے میں مولانا مرحوم کا فوٹو لگا رکھا تھا۔

آپ نے ۱۳۱۵ھ/۸-۱۸۹۷ء میں رحلت فرمائی۔ اور آبائی مقبرہ "مولوی کا باغ" میں دفن ہوئے۔

اولاد

سید محمد حسین اور تین بیٹیاں۔

سید، علی، رضوی، لکھنوی

۱۳۲۵/۱۹۰۵

۱۴۰۶/۱۹۸۵

مولانا سید علی صاحب باقر العلوم جناب سید محمد باقر صاحب اعلی اللہ مقامہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت ۲۰ مئی ۱۹۰۵ء/۱۷ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ کو لکھنو میں ہوئی ابتدائی

تعلیم گھر کے ماحول میں ہوئی۔ اس کے بعد سلطان المدارس میں داخلہ لیکر وہاں کے درسیات کی تکمیل کی۔ پھر عراق تشریف لے گئے۔ عراق سے واپسی کے بعد سلطان المدارس میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ اپنے برادر بزرگ مولانا سید محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ (پرنسپل سلطان المدارس) کی وفات کے بعد آپ بطور پرنسپل منتخب ہوئے اور آخری لمحات تک اس ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔ عربی ادب سے خصوصی دلچسپی تھی۔ حماسہ اور متنبی کے اشعار برمحل استعمال کرتے تھے کچھ عربی قصائد و مراثی ان کی یادگار ہیں۔ آپ نے دعائے سمات اور صحیفۂ کاملہ کا اردو ترجمہ کیا تھا۔

۲۵ دسمبر ۱۹۸۵ء/ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ کو صبح کے وقت رحلت فرمائی اور غفران مآب کے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔

(الواعظ جمادی الاخری ۱۴۰۶ھ جلد ۴۳ نمبر ۲)

علی سید، رضوی، گوپال پوری

۱۳۳۰/۱۹۱۲

۱۴۰۰/۱۹۸۰

مولانا سید علی رضوی آیۃ اللہ سید راحت حسین رضوی گوپال پوری کے دوسرے صاحبزادے اور ان کے علوم کے وارث تھے۔ آپ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ کو نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ عراق اس وقت ترکی کے زیر اقتدار تھا۔ ۱۸-۱۹۱۴ کی دوسری جنگ عظیم میں مولانا سید راحت حسین صاحب بہ ہزار دشواری ماہ صفر ۱۳۳۴ھ (= دسمبر ۱۹۱۵ء) میں مع اہل و عیال وطن واپس آئے۔ مولانا سید علی صاحب نے اپنے والد ماجد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لکھنؤ

گئے۔ وہاں سے واپسی پر اپنے والد ماجد کی مشہور تفسیر انوار القرآن کی ماہوار اشاعت کا سلسلہ گوپال پور سے شروع کیا۔ (اس سے پہلے یہ تفسیر کھجوے رسالہ الشمس کے نام سے ماہوار چھپتی تھی) راقم الحروف نے اسی دور میں گرمیوں کی ایک تعطیل میں مولانا سید علی صاحب سے فلسفہ کی ایک کتاب پڑھی تھی۔

۱۹۴۳ء کے قریب آپ ماہ رمضان کے لئے اترولہ (ضلع گونڈہ) بلائے گئے۔ آپ کے پرمغز بیانات، مخلصانہ وعظ و نصیحت اور حق گوئی کا اثر جناب راجہ صاحب اترولہ اور مومنین اترولہ پر ایسا پڑا کہ ان حضرات نے بصد اصرار آپ کو اترولہ ہی میں روک لیا۔

قیام اترولہ کے دور میں آپ قم تشریف لے گئے اور آیۃ اللہ بروجردی کی زیر سرپرستی علوم دینیہ کی تحصیل کے اعلی مدارج طے کئے۔ پھر اترولہ واپس آئے۔ کئی برسوں کے بعد بعض وجوہ سے جناب راجہ صاحب اترولہ سے اختلافات پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے آپ نے ریاست سے تعلق ختم کر لیا۔ لیکن مومنین کے اصرار سے اترولہ ہی میں مقیم رہ کر مومنین کی رہنمائی فرماتے رہے اور اترولہ کو وطن ثانی بنا لیا۔

مولانا اعلی پایہ کے ذاکر اور واعظ تھے۔ اردو شاعری میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ عالیؔ تخلص کرتے تھے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی مدح میں کہے ہوئے ایک قصیدہ کے دو شعر جو یاد رہ گئے ہیں یہاں بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔

گر گیا ہے یوسف کنعان یثرب چاہ میں — اور یعقوب مدینہ یاد ربانی میں ہے

باپ کے دل کا کنول پھولا ہے سطح آب پر — اور سفینہ الفت مادر کا طغیانی میں ہے

تصنیفات

آپ کی سب تصنیفیں اردو میں ہیں: الفریدۃ الناجیہ (مطبوعہ) تفسیر رموز التنزیل تین جلدیں (مطبوعہ) مناہج العرفان (مطبوعہ) جنات المعارف پانچ جلدیں (مطبوعہ) ان کے علاوہ مسعودی کی اثبات الوصیہ کا اردو ترجمہ ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔

دوران طالب العلمی میں آپ نے کرسچین کالج (لکھنؤ) میں مسیحیوں سے ایک کامیاب مناظرہ کیا تھا جسے یہاں درج کرنے میں خوف تطویل ہے۔

۸ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ / ۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء کو امرو ہہ میں رحلت فرمائی اور وہیں دفن ہوئے۔

(ذاتی معلومات، رموز التنزیل کا گرد پوش، دوست کی یاد)

علی ارشاد، شیخ نجفی

۱۳۳۵/ ۱۹۲۷

۱۴۰۸/ ۱۹۸۷

مولانا شیخ علی ارشاد نجفی مولانا علی حماد صاحب مبارک پوری (دیکھئے احوال) ابن مولانا علی سجاد صاحب کے فرزند تھے۔ آپ اپنے وطن مالوف مبارک پور (ضلع مئو) میں ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ / مئی ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کر کے مدرسہ احیاء العلوم میں داخل ہوئے پھر ایک سال مدرسہ باب العلم مبارک پور میں رہے۔ وہاں سے مدرسہ ناصریہ (جونپور) تشریف لے گئے وہاں سے جامع العلوم جوادیہ (بنارس) آ گئے۔ جوادیہ میں آپ راقم الحروف سے ایک یا دو درجہ

نیچے تھے لیکن بورڈنگ میں رہنے والے تمام طلبا ایک دوسرے کے دوست تھے۔ درس نظامی کے ساتھ ساتھ آپ نے الہ آباد بورڈ اور لکھنؤ یونیورسٹی کے امتحانات بھی دیے اور تکمیل الطب لکھنؤ سے طب کی اعلی سند حاصل کی۔ فخر الافاضل کرنے کے بعد آپ ۱۹۴۹ء میں نجف تشریف لے گئے جہاں تقریبا سات سال کسب فیض کیا۔ نجف اشرف سے واپسی کے بعد آپ نے مبارک پور اور اس کے نواح میں تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں اس کے بعد وثیقہ عربی کالج (فیض آباد) میں بطور وائس پرنسپل، پھر مدرسہ باب العلم (مبارک پور) میں بطور پرنسپل خدمات انجام دیے۔ اس کے بعد مدرسہ جعفریہ (رحیم پورہ۔ گجرات) اور مدرسہ حسینیہ (مالیگاؤں۔ مہاراشٹر) میں خدمات انجام دیے۔ ۱۹۷۶ء میں آپ نے مستقل طور سے وطن میں قیام کا ارادہ کیا تو شیعہ جامع مسجد (مبارک پور) کی امامت جمعہ و جماعت اپنے ذمہ لے لی۔ اور آخر تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ اسی دوران جامع مسجد کی تولیت اور انتظام (جو ماضی میں بھی اسی خانوادے کے علماء سے متعلق تھے) آپ کے ذمہ آ گئے۔ اس مسجد کی نئی اور پر شکوہ عمارت آپ کی سعی بلیغ اور مومنین مبارک پور کے تعاون کا نتیجہ ہے۔

مولانا علی ارشاد صاحب فقیہ و عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوددار با کردار شخصیت کے مالک تھے۔ نجف اشرف کے مجتہدین کرام کے اجازت آپ کی علمی صلاحیت اور بلندی کردار پر گواہ ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں آپ حج بیت اللہ اور عتبات عالیات کی زیارتوں سے مشرف ہوئے۔

تراجم و تصانیف

آپ نے ایران کے کئی علمائے کرام کی کتابوں کے ترجمے کئے۔ ۱۹۸۶ء میں ایران کی بین الاقوامی "اندیشہ اسلامی کانفرنس" میں شرکت کیلئے تہران گئے تو سازمان تبلیغات اسلامی (تہران) کی فرمائش پر رہبریت در حکومت اسلامی و روابط آنان با قوائی سہ گانہ کے عنوان سے ایک کتابچہ لکھا جو

فارسی ہی میں سازمان تبلیغات کی طرف سے طبع ہو کر کانفرنس میں تقسیم کیا گیا۔

وفات

مولانا نے ۱۳ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ/ ۸ر ستمبر ۱۹۸۷ء کو دوپہر کو رحلت فرمائی اور دوسرے روز دس بجے دن میں شیعہ عیدگاہ میں مدفون ہوئے۔

(فیروز عباس، مبارک پوری)

علی اصغر، سید، عابدی

مولانا سید علی اصغر عابدی صاحب جونپور کے ایک گاؤں توی میں پیدا ہوئے۔ مجواں ضلع اعظم گڈھ میں ننیہال تھی وہیں پرورش پائی۔ مدرسہ ناصریہ (جونپور) میں تعلیم حاصل کی۔ اور بہت جلد عربی اور فارسی ادب میں بڑا مقام حاصل کرلیا۔ فارسی میں ان کا کلام سہل ممتنع کی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے (اس وقت یہ کنگ کالج تھا۔) پرنسپل ایک انگریز تھا جس کا نام بیری تھا۔ اس نے مولانا سے فارسی پڑھی۔ کبھی کبھی اپنے نام کی مناسبت سے مزاحاً کہتا تھا۔ مولانا! یک بیری وصد عیب۔ اس نے مولانا کے فیض صحبت سے فارسی پر عبور حاصل کرلیا تھا۔ مولانا کی ایک نظم حیدرآباد دکن میں پڑھی گئی تو ایک ایرانی ادیب نے بے ساختہ کہا کہ "ایں مال ایران است" یہ حالات مولانا کے نواسے اور میرے ہمدرس مولانا حکیم سید ریاض حسن صاحب (مقیم کراچی) نے لکھ کر دیئے تھے۔ انھیں نے لکھا ہے کہ مولانا علی اصغر صاحب نے اپنے ریٹائرمنٹ کے وقت بیری صاحب سے اپنی جگہ کے لئے مولانا سید علی نقی صاحب کی سفارش کی تھی چنانچہ اس نے مولانا علی نقی صاحب کا تقرر اس جگہ پر کردیا۔

(ریاض حسن کراچی)

علی جواد، سید زنگی پوری، بنارسی

۱۲۷۳/۱۸۵۷

۱۳۳۹/۱۹۲۰

قدوۃ العلماء، العارفین مولانا سید علی جواد صاحب زنگی پوری ربیع الثانی ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں وطن مالوف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد سید محمد طاہر صاحب کا انتقال ۱۲۷۵ھ میں ہوا جب آپ کی عمر صرف دو سال تھی۔ آپ کے نانا سید عنایت حسین صاحب پاروی کی شادی قاضی مولوی افضل علی خان عرف میر منو صاحب ساکن تیلیا نالہ (بنارس) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جس کی وجہ سے ان کے عیال بنارس ہی میں مقیم رہے اور سید علی جواد صاحب بھی وہیں رہ گئے۔ اب ان حضرات کا وطن گویا بنارس ہی ہوگیا۔

ابتدائی تعلیم مولوی امداد علی صاحب بنارسی اور مولوی رضا حسین صاحب نونہروی سے حاصل کرنے کے بعد آپ لکھنؤ گئے جہاں مدرسۂ ایمانیہ میں داخل ہوئے۔ یہ مدرسہ علامہ کنتوری اور جناب سید ابو صاحب اعلی اللہ مقامہما کی تحریک پر ۱۲۸۹ میں قائم ہوا تھا۔ جناب سید علی حیدر صاحب قبلہ مجتہد اعلی اللہ مقامہ اس کے مدرس اعلیٰ تھے۔ آپ مدرسے سے مشاہرہ نہیں لیتے تھے۔ صرف گھر سے مدرسہ تک آنے جانے کا پالکی کا کرایہ لیتے تھے۔ سید علی جواد صاحب نے مولانا علی حیدر صاحب قبلہ کے علاوہ جناب سید ابو صاحب، سید حسن صاحب اور تاج العلماء علی محمد صاحب طاب ثراہم سے کسب فیض کیا۔ اور درجہ اجتہاد تک پہنچے۔ آیۃ اللہ شیخ زین العابدین مازندرانی نے بھی آپ کو اجازہ مرحمت فرمایا تھا۔

جواد العلماء کے روحانی فیوض کا ذکر جامع طریقے سے سید مرتضیٰ حسین فاضل نے مطلع انوار میں ان الفاظ میں کیا ہے۔ "مولانا علی جواد صاحب نے بنارس کو دار الاسلام بنانے میں جو محنت کی ہے

اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہندوؤں کا سب سے بڑا مرکز جہاں صدیوں سے مسلمان ہندو ثقافت سے ہندو نما ہو چکے تھے مولانا علی جواد صاحب نے اپنی پاک باطنی، ریاضت، علم و عمل، وعظ و نصیحت سے انقلاب پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کو ہندوؤں سے جدا کیا۔ انھیں اسلامی تعلیمات سے باخبر کیا۔ ان کے ہاتھ کا کھانا ختم کرایا۔ مسلمانوں سے دوکانیں کھلوائیں۔ ان میں عزت نفس اور احساس مذہب پیدا کیا۔ شیعہ سنیوں کو شیر و شکر کیا اور ہندوؤں سے دشمنی نہ پیدا ہونے دی۔ محبت کا پیغام اور اخلاق کا درس دیا۔ آپ کی مجلسوں میں ہندو مسلمان سب شریک ہوتے تھے۔ تین تین چار چار گھنٹے کے بیان میں کسی کی دل آزاری نہ فرماتے۔

"دور دور سے لوگ مجلس و وعظ میں شرکت کے لئے آتے تھے۔ خدا نے زبان میں تاثیر اور بیان میں درد دیا تھا۔ عید غدیر و عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۷ ربیع الاول، ۱۳ رجب اور ۲۸ صفر کی مجلسیں دور دور تک مشہور تھیں۔"

اوپر لکھنؤ کے مدرسہ ایمانیہ کا ذکر آیا ہے۔ جناب ابو صاحب اور علامہ کنتوری طاب ثراہما نے ۱۲۸۹ھ (یعنی ۱۸۷۲ء) کے لگ بھگ یہ مدرسہ قائم کیا اور اسی کے نہج پر دوسرے کئی شہروں میں اسی نام سے مدارس قائم کرائے جن میں مصبیہ (میرٹھ) اور ایمانیہ (بنارس) ابھی زندہ ہیں اور ایمانیہ (مظفر پور) ماضی قریب تک اچھی حالت میں تھا اب اس کا حال قابل رحم ہے۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے شہروں کے مدارس بھی اسی ۱۲۸۹ھ کے لگ بھگ قائم ہوئے ہوں گے۔ مولانا علی جواد صاحب جو ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ مدرسہ ایمانیہ (بنارس) کے موسس (پندرہ سال کی

عمر میں) نہیں ہو سکتے۔ تجلیات اور مطلع انوار اور تذکرہ بے بہا میں آپ کے موسس ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ جو صریحاً غلط ہے۔[۱] البتہ یہ قرین قیاس ہے کہ اپنے دور مرجعیت میں آپ نے اس مدرسہ کو حیات تازہ بخشی ہوگی۔ کیونکہ آپ اس کے مدرس اعلیٰ ہو گئے تھے آپ نے مسلمانوں کی اقتصادی اور تعلیمی ترقی کا ڈول ڈالا۔ فلاح الاخوان اور تہذیب الاخلاق کے نام سے دو ادارے قائم کئے جن کے ذریعے معاشی فلاح و بہبود اور تجارتی ترقی کے منصوبے بروئے کار لائے گئے۔ اپنی اولاد کو بھی بہترین تربیت دی تھی۔ مولانا محمد سجاد صاحب کو اپنے سامنے امامت مسجد اور درس و تدریس کی خدمت سونپ دی تھی۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے سید محمد مرتضیٰ آپ کی وفات سے چھ مہینہ پہلے رحلت کر گئے تھے۔ اس حساب سے سید محمد مرتضیٰ نے رمضان یا شوال ۱۳۲۸ھ میں وفات پائی ہوگی۔ مولانا علی جواد صاحب کی نسل سید محمد مرتضیٰ سے چلی کیونکہ مولانا سید محمد سجاد صاحب کے صرف تین

---

[۱] مطلع انوار صفحہ نمبر ۳۴۹-۳۵۰ میں سید علی جواد صاحب کے والد کا نام سید محمد لکھا ہے۔ اور یہ کہ آپ دس سال کے تھے کہ والد ماجد نے رحلت کی ان کے اساتذہ میں جناب سید ابو صاحب اور جناب سید حیدر علی صاحب کے نام حذف کر دئے ہیں اور میر آغا صاحب کا نام بڑھا دیا ہے۔

حالانکہ میر آغا صاحب کا ذکر نہ گوہر منثور میں ہے، نہ تذکرہ بے بہا میں آپ مدرسہ ایمانیہ کے موسس نہیں تھے۔ جیسا کہ اوپر وضاحت سے لکھا گیا ہے۔ آپ کے بیٹے محمد مرتضیٰ کو مطلع میں اتقی لکھا گیا ہے۔ ان سب تسامحات پر متن کتاب میں تبصرہ کرتا بیان کی روانی میں خلل ڈالتا۔ اس لئے انھیں یہاں حاشیہ میں درج کر دیا ہے تاکہ بعد کے آنے والے مطلع کے بیانات سے غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

بیٹیاں تھیں۔ محمد مرتضیٰ کی اولاد کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

محمد مرتضیٰ

ملا حسن — ملا محمد طاہر — طیبہ خاتون

ملا احمد حسن — اصغر حسن — محمود حسن — مقصود حسن
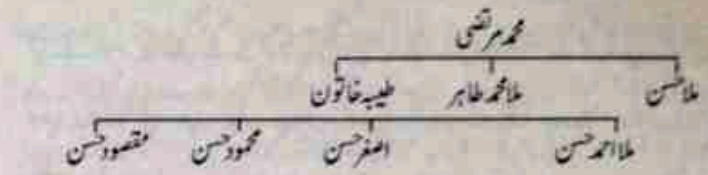
جواد العلماء نے بنارس میں ۱۳۳۹ھ میں رحلت فرمائی اور وہیں دفن ہوئے۔ رسالۂ اصلاح کے مطابق تاریخ وفات ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء) تھی۔

(گوہر منثور، تذکرۂ بے بہا، اصلاح، مطلع انوار)

علی جواد، سید، بھیک پوری

-/-

۱۹۶۵/۱۳۸۵

مولانا سید علی جواد بھیک پوری مولانا سید علی سجاد صاحب مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ (دیکھئے احوال) آپ نے سلطان المدارس سے صدر الافاضل کیا تھا۔ ایک عرصہ تک یوگانڈا میں مختلف خوجہ شیعہ اثنا عشری جماعتوں میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ سن ۱۹۶۰ء کے قریب وہاں سے واپس آئے تو اپنے والد ماجد کی جگہ پر گلزار باغ (پٹنہ) میں پیش نماز مقرر ہوئے۔ ۲۲ رجب ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرمایا۔

(ذاتی معلومات۔ منظور دو عالم بھیک پوری)

علی جواد، سید، الہ آبادی

۱۹۰۰/۱۳۱۸ھ

۱۹۸۲/۱۴۰۳

مولانا سید علی جواد صاحب بسونہ ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ سن ۱۹۲۰ء کے قریب سلطان المدارس (لکھنؤ) سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ آپ ایک اچھے ذاکر اور مورخ، مقرر اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔

۲ مارچ ۱۹۸۳ء (۲۹ جمادی الاولیٰ سن ۱۴۰۳ھ) بروز جمعہ ۸۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ (اس طرح تخمیناً آپ کی ولادت سن ۱۹۰۰ء کے حدود میں ہوئی ہوگی)

(الجواد جلد ۵، ۳ اپریل ۱۹۸۳ء)

علی حسن، شیخ

۱۹۳۰/۱۳۴۸

۱۹۹۲/۱۴۱۳

مولانا شیخ علی حسن صاحب مرحوم اپنے وطن محلہ دوسی پورہ (بنارس) میں ۲۸ فروری سن ۱۹۳۰ء (۲۹ رمضان ۱۳۴۸ھ) کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا شیخ کاظم حسین صاحب مرحوم سے حاصل کر کے جامع العلوم جوادیہ (بنارس) میں داخل ہوئے جہاں سے تکمیل کے بعد فخر الافاضل ہوئے۔ یہاں سے لکھنؤ گئے اور تکمیل الطب (لکھنؤ) میں داخل ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ سلطان المدارس میں داخلہ لیا۔ اور وہاں سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ وطن واپس آنے پر بنارس گرگم میں بطور طبیب ملازم ہوئے اور قاضی سعد اللہ پورہ کی نئی مسجد میں آخر عمر تک امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کے علمی بیانات سے مومنین بہت ہی فائدہ اٹھاتے تھے۔ آپ بیک وقت حکیم

حاذق، ادیب اور خطیب آل محمدؐ تھے۔ مولانا ایک بار حج اور دو بار زیارات عتبات عالیات سے مشرف ہوئے تھے۔ آپ نے ۱۳؍صفر المظفر ۱۴۱۳ھ/ ۱۳؍اگست ۱۹۹۲ء کو وفات پائی۔ اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔ قطعہ تاریخ کے دو مصرعے ہیں

عالم کے ذی حیات کو بس ہے ممات حق　　　جزار لوح قبر پہ لکھو وفات حق

۱۹۹۲ء　　　۱۴۱۳ھ

(مولانا نعیم الحسن صاحب بہاری)

علی حسین، سید، عمدۃ العلماء، کجھوئی

۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۰ء
۱۳۵۲/ ۱۹۳۳

عمدۃ العلماء جناب مولانا سید علی حسین صاحب قبلہ امام جمعہ و جماعت ریاست مرشد آباد نے چھ سال کی طویل علالت کے بعد ۵۴ رسال کی عمر میں ۱۱ر جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ (۳۱ر اگست ۱۹۳۳ء) کو اپنے وطن کجھوا میں انتقال کیا۔ مرحوم مدرسہ سلطان المدارس کے ممتاز تعلیم یافتہ افراد میں اور جناب باقر العلوم اعلی اللہ مقامہ کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ ۱۳۲۳ھ سے ریاست مرشد آباد میں دینی خدمات آپ سے متعلق ہوئیں۔ آپ تقدس، ورع، سادگی وغیرہ اوصاف میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اور ہر دل عزیزی تو ایسی تھی کہ شاید کسی شخص کو آپ سے کبھی شکایت یا رنج نہ پہونچا ہو۔ جس وقت آپ منبر پر تشریف لے جاتے، مجلسوں کی رونق بڑھ جاتی۔

آپ کی وفات کے وقت آپ کے والد جناب زبدۃ العلماء مولانا السید غلام صادق صاحب (عمر ۸۶ سال) زندہ تھے" (دیکھئے احوال) (اصلاح ماہ رجب ۱۳۵۲ھ)

۱۳۵۲ھ میں ۵۴ رسال عمر ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۹۸ھ میں ہوئی ہوگی۔

علی حسین، سید، کجھوئی

۱۳۰۹/ ۱۸۹۲
۱۴۰۲/ ۱۹۸۲

مولانا سید علی حسین صاحب رضوی موضع کجھوا (ضلع سیوان) کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۰ر شعبان ۱۳۰۹ھ (۱۰ر مارچ ۱۸۹۲ء) بروز جمعہ ہوئی۔ آپ مولانا حکیم سید محمد صالح عرشی کے چھوٹے اور مولانا سید مرتضی حسین کے بڑے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سلطان المدارس گئے اور جناب باقر العلوم اعلی اللہ مقامہ سے کسب فیض کیا۔ صدر الافاضل کرنے کے بعد اسی مدرسہ میں بطور مدرس مقرر ہوئے اور ریٹائرمنٹ کے وقت تک وہیں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پچاس سال تک کراری ضلع الہ آباد میں ماہ رمضان المبارک میں امامت کرتے رہے۔ کراری ہی میں مولانا تھوڑی سی بلندی سے گر گئے اور شدید چوٹ آئی پھر اس کے بعد وہاں نہ جا سکے۔ لکھنؤ میں مسجد دیوان ناصر علی میں قیام رہتا تھا۔ ۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ (۳ر جولائی ۱۹۸۲ء) کو وہیں وفات پائی۔

اخلاف میں ڈاکٹر سید وارث حسین صاحب اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

(ذاتی معلومات، الجواد جلد ۲۲ شمارہ ۹ شعبان ۱۴۰۳ھ)

علی حماد، شیخ، مبارک پوری

١٩٠٧/١٣٢٥

١٩٥٣/١٣٧٢

مولانا علی حماد صاحب قبلہ مولانا علی سجاد صاحب مبارک پوری کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت وطن میں ١٣ر جمادی الثانیہ ١٣٢٥ھ/ ٢٥ر جولائی ١٩٠٧ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم سنی مدرسہ احیاء العلوم (مبارک پور) میں حاصل کر کے سلطان المدارس (لکھنؤ) گئے جہاں سے صدر الافاضل کیا۔ الہ آباد بورڈ سے فاضل طب کیا۔ طب کو اپنا ذریعہ معاش قرار دیا۔ اور اپنے محلے کی جامع مسجد میں امامت فرماتے رہے۔

مولانا نے اصلاح المومنین کے نام سے ایک تحریک شروع کی جس کے ذریعے شادی بیاہ میں گانے باجے کو روک کر اس کی جگہ سہرا پڑھنے کا رواج قائم کیا۔

آپ کے خلف الرشید مولانا علی ارشاد صاحب نجفی مرحوم تھے۔ مولانا علی حماد صاحب قبلہ نے ٢٩ر شوال ١٣٧٢ھ/ یکم جولائی ١٩٥٣ء کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

علی رضا، سید، زائر

ـــ طـــ ء

١٩١٦/١٣٣٤

مولوی سید علی رضا صاحب بھیک پوری جناب سید احسان علی صاحب کے صاحبزادے تھے۔ (دیکھئے احوال) آپ نے جناب مفتی سید محمد عباس صاحب سے علوم حاصل کئے تھے۔ اچھے شاعر اور مداح اہل بیت تھے اور زائر تخلص کرتے تھے۔ یکم شعبان ١٣٣٤ھ (= ٣ر جون ١٩١٦ء) کو

وطن مالوف میں وفات پائی۔ رسالہ اصلاح جلد ١٩ شمارہ ٨ شعبان ١٣٣٤ھ میں آپ کی خبر وفات ان الفاظ میں چھپی تھی۔

"اکابر افاضل موضع بھیک پور ضلع سارن سے تھے۔ جن کو مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ سے تلمذ تھا۔ اگرچہ آپ امامت جماعت نہیں کرتے تھے مگر وہ ہر طرح جامع کمالات تھے۔ علوم معقول و نقلیہ میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ اور فن شاعری میں تو وحید زمانہ تھے۔ مگر افسوس کہ ایسا بزرگ یکم شعبان کو رہگرائے فردوس بریں ہو جائے۔ جناب ممدوح الالقاب نہایت مہذب اور بہت کثیر الاحباب تھے۔ افسوس کہ آپ کے اعقاب سے کوئی نہ رہا۔"

(اصلاح جلد ١٩ شمارہ ٨ [illegible])

علی زہاد، زنگی پوری

ـــ طـــ ء

١٩١٩/١٣٣٧

مولانا سید علی زہاد جناب مولانا سید محمد لطیف زنگی پوری (دیکھئے احوال) کے فرزند تھے۔ علم کلام میں متبحر تھے۔ خطابت کا یہ عالم تھا کہ خطیب اہل بیت سید سبط حسن صاحب قبلہ کبھی کبھی اپنی جگہ پر ان کو بھیج دیتے تھے۔ عنفوان شباب میں مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کیا اور وہیں معقولات کے مدرس مقرر ہوئے۔ شادی کے تین چار سال بعد عین جوانی میں بہ مقام محمد آباد گوہنہ ٢١ر ذیقعدہ ١٣٣٧ھ (١٨ر اگست ١٩١٩ء) کو راہی دار بقا ہوئے۔ خبر وفات اصلاح ماہ ذیقعدہ ١٣٣٧ھ میں ان الفاظ میں چھپی تھی۔

"اس کمسنی میں درجہ ممتاز الافاضل مدرسۂ ناظمیہ میں پاس کیا قوت بیانیہ اوج اعلیٰ درجہ کی تھی۔ تمام علماء اس کو اپنا نور چشم سمجھتے۔ اور مکارم اخلاق و آداب کا مجموعہ تھا۔ ہر طرح بے مثل تھا۔ صورت ایسی پاکیزہ و اخلاق ایسے محمود"

استاذی العلام مولانا سید محمد رضی اعلی اللہ مقامہ زنگی پوری سے ان کے گہرے روابط تھے۔ اور دونوں دوستوں کے درمیان عربی میں مراسلت رہتی تھی۔ علامہ سید محمد رضی صاحب کے ایک عربی خط کی نقل میرے پاس ہے۔ جو مرسل الیہ کو ۱۵ رجون ۱۹۰۹ء ملا تھا۔ لیکن آج کل کے انحطاط علمی کو دیکھتے ہوئے اسے یہاں درج کرنا بے فائدہ سمجھتا ہوں۔

قیس زنگی پوری (سید علی عباد) آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ (دیکھئے احوال)

علی سجاد، سید، بھیک پوری

۱۳۸۰/۱۹۶۱

مولانا سید علی سجاد صاحب بھیک پوری سید علی حسین صاحب ابن سید علی نقی صاحب ابن سید سبحان علی صاحب ابن سید سلامت علی صاحب کے فرزند تھے۔ آپ کے پردادا سید سبحان علی صاحب جناب سید احسان علی صاحب (دیکھئے احوال) کے بھائی تھے۔ مولانا علی سجاد صاحب نے سلطان المدارس سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد امام باندی بیگم وقف اسٹیٹ کی گلزار باغ (پٹنہ) کی مسجد میں امام جماعت رہے۔ جب نواب سید محمد صاحب مرحوم متولی وقف مذکور نے ۱۳۲۹ھ میں مدرسہ عباسیہ قائم کیا تو جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ میں جناب باقر العلوم اعلی اللہ مقامہ کے مشورے سے مولانا سید علی سجاد صاحب کو مدرسہ کا مدرس اول بنایا گیا اور آپ نے پیش نمازی کے علاوہ یہ

اضافی ذمہ داری بھی سنبھالی۔ ماہ صفر ۱۳۳۲ھ میں مولانا محمد مصطفیٰ صاحب جوہر نائب مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے مدرسہ عباسیہ میں آئے اور اسی سال ۱۳ رجب کو ان کو مدرس اعلیٰ بنایا گیا۔ اور اس طرح تقریباً پندرہ مہینے کے بعد مولانا علی سجاد صاحب مدرسہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا مرحوم سے راقم الحروف نے آدھی مختصر نافع (کتاب الوقف سے آخر تک) سبقاً پڑھی تھی۔ سنہ ۱۹۶۰ء کے قریب آپ پٹنہ چھوڑ کر وطن واپس آ گئے۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ بصرہ پہنچتے ہی وفات پائی۔ اور کربلائے معلیٰ میں مدفون ہوئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بصرہ پہنچ کر طائر روح اشتیاق زیارت میں قفس عنصری کو چھوڑ کر پرواز کر گیا اور جسد خاکی بعد میں وہاں پہنچا۔

آپ نے مولانا سید علی جواد صاحب مرحوم جیسا خلف صالح دنیا میں چھوڑا (دیکھئے احوال)

(ذاتی معلومات منظور و عالم بھیک پوری)

علی ظہیر رضوی، لکھنوی

۵۰-۱۳۴۹/۱۹۳۱

۱۴۰۲/۱۹۸۲

مولانا سید علی ظہیر رضوی لکھنوی ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ شیعہ کالج میں معلم اور شیعہ عربی کالج میں دینیات کے استاد تھے۔ مولانا نے ایک مکتب کی بنیاد بھی رکھی جو آج تک امام باڑہ میرن صاحب مرحوم میں چل رہا ہے۔ آپ ۸ رجولائی ۱۹۸۲ء (۱۶ رمضان ۱۴۰۲ھ) کو راہی ملک بقا ہوئے۔

(الجواد جلد ۵ شمارہ ۵ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ)

علی عباد، قیس، زنگی پوری

عالم تبحر، طبیب حاذق مولانا سید علی عباد صاحب زنگی پوری کو دنیا ان کی شاعری کے حوالے سے پہچانتی ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ قیس زنگی پوری نے حکیم علی عباد کے مراتب وفضائل کو چھپا دیا۔

خوش مزاج، بذلہ سنج، چھوٹوں میں چھوٹے، بڑوں میں بڑے، عربی ادب کے ماہر، اردو کے مسلم الثبوت شاعر اور استاد، سید تھے قیس چچا۔ ان کی زندگی استغنا کے محور پر گردش کرتی تھی۔

آپ مولانا سید محمد لطیف زنگی پوری کے دوسرے بیٹے تھے۔ مدرسۃ الواعظین میں ممتاز الافاضل تک تعلیم پوری کی۔ معلوم نہیں کیا پیچ پڑا کہ آخری امتحان کا پرچہ چھوڑ کر امتحان گاہ سے نکل آئے۔

طب کو ذریعہ آمدنی نہیں بنایا۔ زمینداری تھی اسی سے عزت وآبرو سے زندگی بسر ہوگئی۔

جس زمانہ میں خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب دہلوی ریاست رام پور میں شعبۂ تفسیر کے انچارج تھے۔ اور استاذی العلام مولانا سید محمد رضی زنگی پوری تفسیر لکھ رہے تھے۔ خطیب اعظم نے قیس زنگی پوری کی شاعرانہ عظمت کا تذکرہ بڑی نفس سے کیا۔ نواب صاحب بالقابہ نے ان کو رام پور بلا لیا۔ شاہی مہمان خانہ میں رہتے تھے۔ اور سو روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ چند مہینوں یہ سلسلہ چلا۔ ایک شب کسی درباری نے صحبت خاص میں نواب صاحب مرحوم سے قیس صاحب کے اس مشہور قصیدہ کا ذکر کیا جو امام چہارم علیہ السلام کی مدح میں ہے۔ (شان زین العابدین، ایوان زین العابدین)۔ نواب صاحب نے سننے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ قیس چچا کو خبر کی گئی۔ آپ نے استغفار کیا اور منع آجانے پر قصیدہ سنانے سے انکار کردیا۔ نتیجہ جو ہونا چاہئے تھا وہ ہوا یعنی رام پور کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

موصوف کے دو عربی خطوط کی نقلیں (جو اپنے فرزند مولانا سید محمد یوشع صاحب فیضی کو لکھے تھے) میرے پاس موجود ہیں۔

علی نقی، سید، نقوی، سید العلماء

۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء

۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء

سید العلماء سید علی نقی جناب ممتاز العلماء ابوالحسن (منن صاحب) کے فرزند تھے۔ جو شمس العلماء سید ابراہیم بن جنت مآب سید تقی بن سید العلماء سید حسین علیین مکان ابن غفران مآب سید دلدار علی کے فرزند تھے۔ مولانا سید علی نقی ۲۶ رجب ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ ابھی آپ کی عمر ۳۔۴ سال کے درمیان تھی کہ آپ کے والد ماجد ۱۳۲۷ھ میں مع متعلقین تکمیل علوم کے لئے نجف اشرف تشریف لے گئے۔ آپ کی عمر ۹ برس کی تھی جب ۱۳۳۲ھ میں آپ کے والد گرامی ہندوستان واپس آئے۔ اس وقت تک آپ کی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں ختم ہوچکی تھیں۔ لکھنؤ واپس آکر آپ کے والد صاحب طاب ثراہ نے آپ کی تعلیم اپنے ذمے رکھی۔ والد کی علالت کے زمانے میں آپ کے برادر معظم مولانا سید محمد عرف میرن صاحب آپ کو پڑھاتے تھے۔ سرکار سید العلماء نے مدرسۃ الواعظین اور سلطان المدارس دونوں جگہ داخلہ لیا۔ مدرسۃ الواعظین کے فاضل اور سلطان المدارس کے سند الافاضل کا ایک ہی ساتھ امتحان دیا۔ پھر دوسرے سال دونوں درجوں کے قسموں کا اور تیسرے سال ممتاز الافاضل اور صدر الافاضل کا ایک ہی ساتھ امتحان دیا اور اس ذیل میں نجم الملۃ اور جناب باقر العلوم دونوں سے تلمذ حاصل ہوا۔ عربی ادب میں آپ کی مہارت اور فی البدیہہ قصائد ومراثی لکھنے کے اسی دور میں بہت سے مظاہرے ہوئے اور عربی شعر وادب میں آپ کے اقتدار کو شام ومصر وعراق کے علماء نے قبول کیا۔ علامہ امینی "صاحب الغدیر" نے آپ کا ایک قصیدہ "الغدیر" میں شامل کیا ہے۔ اور آقائے بزرگ تہرانی طاب ثراہ نے شیخ طوسی کے حالات کو آپ کے لکھے ہوئے مرثیے پر ختم کیا ہے۔ طالب علمی میں ہی سرفراز لکھنؤ، الواعظ لکھنؤ اور شیعہ لاہور میں آپ کے

علمی مضامین شائع ہونے لگے تھے۔ اور ۳۔۴ کتابیں بھی عربی اور اردو میں اسی زمانے میں شائع ہوئیں۔ تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ کچھ عرصے تک بحیثیت مدرس ناظمیہ میں بھی معقولات کی تدریس کی اس دور کے شاگردوں میں مولانا محمد بشیر صاحب فاتح ٹکسلا۔ علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری اور جناب حیات اللہ انصاری شامل تھے۔

سفرِ عراق

سید العلماء ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں تکمیل علم کے لئے عراق تشریف لے گئے۔ قیام عراق کا پانچ سالہ دور مرحوم کی زندگی کا ایک زریں باب ہے۔ ان پانچ برسوں میں آپ نے فقہ واصول میں وہ ملکہ پیدا کیا کہ اس دور کے ۳ مجتہدین یعنی آیۃ اللہ اصفہانی آیۃ اللہ نائینی اور آیۃ اللہ سید ضیاء الدین عراقی نے آپ کو واضح الفاظ میں اجتہاد کے اجازے دیئے۔ علم کلام اور دفاع مذہب میں آپ کی مہارت کا لوہا سید محسن امین عاملی، شیخ جواد بلاغی، شیخ محمد حسین کاشف الغطاء اور سید عبدالحسین شرف الدین موسوی نے مان لیا۔

نجف میں عربی تصانیف

نجف پہنچ کر سب سے پہلے جو کتاب آپ نے تصنیف کی وہ وہابیت کے خلاف تھی جو بعد میں کشف النقاب عن عقائد عبدالوہاب کے نام سے شائع ہوئی۔ عراق وایران کے مشہور اہل علم نے اس کتاب کو ایک شاہکار قرار دیا۔ دوسری کتاب " اقالۃ العاثر فی اقامۃ الشعائر" ماتم وغیرہ کے جواز میں۔ تیسری کتاب "السیف الماضی علی عقائد الاباضی" خوارج کی رد میں چار سو صفحہ کی کتاب ہے۔ اس کے علاوہ بھی دو تین عربی تصانیف فقہ استدلالی میں ہیں۔

پانچ سال بعد رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ میں جب سید العلماء ہندوستان واپس آئے تو

مندرجہ بالا تین مراجع تقلید کے علاوہ دوسرے مجتہدین کبار نے بھی آپ کو اجازہ ہائے اجتہاد دیئے تھے۔ مثلاً آیۃ اللہ شیخ عبدالکریم یزدی حائری (موسس حوزہ علمیہ قم) آیۃ اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی، آیۃ اللہ سید ابراہیم معروف بہ میرزا آقائے شیرازی، آیۃ اللہ شیخ ہادی آل کاشف الغطاء، آیۃ اللہ میرزا علی یزدانی، آیۃ اللہ شیخ محمد حسین تہرانی، آیۃ اللہ شیخ محمد کاظم شیرازی، آیۃ اللہ میرزا ابوالحسن مشکینی، اور آیۃ اللہ سید سبط حسن مجتہد

سید العلماء نے علم تفسیر اور علوم قرآن نیز عقائد اور علم کلام سے متعلق جو تحقیقی تصانیف اردو میں لکھے ہیں۔ ان کی فہرست بہت طویل ہے۔

وہابیت کے خلاف تحریک: جب وہابیوں نے حجاز پر اپنا تسلط قائم کیا اور ۱۹۲۵ء میں اہل بیت اطہارؑ، ازواج نبیؐ، اور صحابہ کبار کے مزارات کو منہدم کردیا۔ اس وقت ہندوستان کے تمام مسلمانوں خصوصاً شیعوں میں تلاطم برپا ہوگیا۔ فرنگی محل میں انجمن خدام الحرمین قائم ہوئی۔ شیعوں کی طرف سے سرکار نجم الملۃ کی سرپرستی میں وہابیت کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی اس میں سید العلماء اپنے استاد کے قوت بازو تھے۔ اس سلسلے میں جو کتابیں اپیلیں اور مضامین لکھے گئے۔ ان کا ذکر اس مضمون کو بہت طویل کردے گا۔

امامیہ مشن

۱۳۵۰ھ میں آپ کی تشریف آوری کے بعد سید ابن حسین صاحب نقوی مرحوم نے امامیہ مشن کی بنیاد رکھی۔ جس کا خاص مقصد تھا سید العلماء کی اردو کتابوں اور تحریروں کی نشرواشاعت۔ ابتدائی دور میں اس میں بہت ہی وقیع اور موقر کتابیں شائع ہوئیں۔ اگرچہ آخری دور میں یہ ۸۔۸ اور ۱۶۔۱۶ صفحات کے مختلف پمفلٹوں کی اشاعت تک محدود ہوگیا۔

یادگار حسینی

۱۳۶۱ھ میں امام حسین کی شہادت کو ۱۳۰۰ سال پورے ہو رہے تھے۔ اس مناسبت سے دو۔ تین۔ سال قبل سے آپ نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں یہ تحریک پھیلائی کہ ۱۳۶۱ھ میں یادگار حسینی اس طرح منائی جائے کہ جس میں ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگوں کو شریک کیا جائے۔ اور وہ لوگ امام حسین سے اپنی عقیدت کا اظہار کریں۔ یادگار حسینی کا ایک سب سے بڑا منصوبہ واقعہ کربلا پر ایک مبسوط کتاب شائع کرنا تھا۔ اس کتاب کی تدوین کے لئے ایک ایڈیٹوریل بورڈ کی تشکیل کی گئی۔ لیکن غیر منقسم ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ممبران بورڈ کا اجتماع عملاً غیر ممکن ثابت ہوا۔ آخر میں سید العلماء نے ایک میٹنگ میں جس میں صرف چند حضرات شریک تھے۔ یہ صورت تجویز کی کہ وہ خود کتاب لکھ کر بورڈ کی میٹنگ میں استصواب رائے کے لئے پیش کردیں۔ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ (=فروری-مارچ ۱۹۴۳ء) میں اس کتاب کا مسودہ طبع کرا کے بورڈ کے ممبران کے پاس بغرض استصواب بھیجا گیا۔ ادارہ یادگار حسینی لکھنؤ نے اس ضمن میں ایک فیصلہ یہ کیا کہ اس مسودہ شہید انسانیت کے بچے ہوئے نسخوں کو قیمتاً عام پبلک کو فروخت کیا جائے۔ مقصد چاہے نیک رہا ہو لیکن اس اقدام نے قوم میں انتشار اور افتراق پیدا کردیا۔ مسودہ شہید انسانیت کی مخالفت ہوئی اور کھل کر ہوئی۔ قضیہ اس حد تک بڑھا کہ چالیس چالیس برس کے نکاح طلاق کا شکار ہوگئے۔ بیٹا باپ کا اور بھائی بھائی کا دشمن ہوگیا۔ یہ وہ ہنگامہ خیز دور تھا جب ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اور آخرکار ۱۵ اگست کو ہندوستان اور پاکستان تقسیم ہوگئے۔ لیکن قوم کی تمام تر توجہ شہید انسانیت کے حق یا باطل ہونے پر مرتکز رہی۔ علمی مسائل میں اختلافات خود شہر لکھنؤ میں پہلے بھی اٹھتے رہے تھے۔ لیکن وہ مناظرہ یا ردو قدح تحریراً ہوتی تھی اور وہ بھی اکثر فارسی زبان میں۔ اسلئے عوام الناس تک اس کا اثر

بہت زیادہ نہیں پہونچتا تھا۔ شہید انسانیت کے سلسلے میں ایک قیامت یہ ہوئی کہ جمہور کو میدان مناظرہ اور عوام الناس کو علمی مسائل کا قاضی بنادیا گیا۔ اور اس طرح یہ آگ بیسوں برس تک بھڑکتی رہی۔ میرا مقصد اس تحریر سے شہید انسانیت کی تائید یا تردید نہیں ہے۔ میں صرف اس تکلیف دہ صورت حال کا تذکرہ کررہا ہوں جو اس قضیے سے پیدا ہوگئی تھی۔

خطابت

سید العلماء کی خطابت کا ایک خاص رنگ تھا جو عبارت آرائی اور سستی نکتہ آفرینی کے بجائے علم اور تحقیق پر مبنی تھا۔ اور ایک گھنٹہ کی مجلس میں حقائق و معارف کے کتنے دروازے وا ہوجاتے تھے ان کی تقریر اور تحریر میں بہت کم فرق ہوتا تھا۔ دوسری خاص بات ان کی تقریروں میں یہ تھی کہ ہر مذہب و ملت کا ماننے والا اسے اطمینان قلب کے ساتھ سن سکتا تھا۔ اور فیض یاب ہوسکتا تھا۔ کسی جملے سے کسی کی دل آزاری کا خطرہ نہیں تھا۔

لکھنؤ یونیورسٹی

عراق سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۳۲ء میں آپ لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے وابستہ ہوگئے۔ اور ستائیس برس تک طلباء کو فیض پہونچاتے رہے۔

علیگڈھ یونیورسٹی

۱۹۵۹ء میں علیگڈھ یونیورسٹی نے آپ کو شیعہ دینیات کے شعبے میں بحیثیت ریڈر مدعو کیا اور آپ علیگڈھ منتقل ہوگئے۔ پھر آپ شیعہ دینیات کے پروفیسر بنائے گئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے علیگڈھ ہی میں سکونت اختیار کرلی۔ ۱۹۷۷ء میں لکھنؤ کے کچھ شرپسندوں نے آپ کے لکھنؤ کے مکان میں آگ لگادی۔ جس میں ہزاروں قیمتی کتابیں جل کر راکھ ہوگئیں۔ اس میں آپ کے عربی

تصانیف کے غیر مطبوعہ مسودات بھی تلف ہو گئے جس کا ان کو آخر عمر تک صدمہ رہا۔

وفات

آپ نے یکم شوال روز عیدالفطر ۱۴۰۹ھ/۱۸ رمئی ۱۹۸۹ء کو لکھنؤ میں رحلت فرمائی۔ اور وہیں سپردِ خاک کئے گئے۔

تصانیف

آپ کے تصانیف کی جو فہرست کتابچہ سید العلماء میں چھپی ہے وہ ایک سو اکتالیس کتابوں اور کتابچوں پر مشتمل ہے۔ بخوف طوالت اسے نقل کرنے سے اجتناب کرنا پڑا۔

علی نقی، سید، صفی لکھنوی

۱۲۷۸/۱۸۶۲

صفی لکھنوی (مولانا سید علی نقی) کے مورث اعلیٰ شاہ مبارک غزنی سے آکر دہلی میں آباد ہوئے۔ پھر سید جلال مرحوم نے پنجاب کی سرحد پر قصبہ پچھوڑ کو آباد کیا۔ جاٹ گردی کے زمانے میں اودھ میں آکر آباد ہو گئے۔

صفی مرحوم یکم رجب المرجب ۱۲۷۸ھ/ ۳ر جنوری ۱۸۶۲ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مولوی نجم الدین صاحب کاکوروی سے درسیات فارسی اور شیخ حافظ علی صاحب ملیح روی سے درسیات عربی حاصل کئے۔ نیز مولانا سید احمد علی صاحب سے (جو بعد میں آپ کے خسر ہوئے) اور سید حسین صاحب سے (جو آپ کے بڑے چچا تھے اور سلیمان قدر کے اتالیق تھے) معقولات و منقولات کا

درس لیا۔ طب کا فن اپنے عزیز اور مشہور طبیب سید باقر حسین صاحب مرحوم سے حاصل کیا۔ اشن آباد نائٹ اسکول اور کنگ کالجیٹ لکھنؤ میں انٹرنس تک انگریزی تعلیم حاصل کی۔ یہ تعلیمی سلسلے ۱۸۷۹ء تک جاری رہے۔ اس کے بعد لال اسکول (لکھنؤ) میں انگریزی کے معلم مقرر ہوئے۔ پھر سرکاری ملازمت میں داخل ہوئے۔ اور محکمۂ دیوانی کے مختلف عہدوں پر سلطان پور اور رائے بریلی وغیرہ میں رہے۔ بالآخر ۱۹۲۱ء میں جج خفیفہ (لکھنؤ) کی سرشتہ داری کے عہدہ سے پنشن لی۔

شیعہ کانفرنس کے جلسوں میں تقریباً ہر سال ایک مسدس قومی حالات کے تبصرہ پر بھی پڑھتے تھے۔ ان نظموں کا مجموعہ لختِ جگر کے نام سے شائع ہوا۔ قوم نے آپ کو لسان القوم کا خطاب دیا۔ ایک سال آپ خود شیعہ کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے اور اپنا خطبہ صدارت نظم میں پیش کیا۔

عنایت علی، سید

افسوس کہ آپ کے نجی حالات معلوم نہ ہو سکے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ مئی ۱۹۱۱ء میں وزیرآباد ریلوے اسٹیشن پر ملازم تھے اور بہترین مناظرین میں شمار کئے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ جناب سید غلام شاہ (موضع کوٹ عنایت خاں، وزیرآباد) کے گھر پر ایک انتہائی متعصب سنی نتھی خان سے مناظرہ کیا۔ دونوں کی رائے سے لالہ جیون مل کو حکم قرار دیا گیا۔ نتھی خان سید عنایت علی شاہ کے دلائل و براہین کے سامنے نہ ٹک سکے اور مجلس مناظرہ سے فرار کر گئے۔

دوسرا مناظرہ

موصوف نے نورالدین اور سید امیر شاہ (سنی المذہب) سے مناظرہ فرمایا۔ دوران گفتگو نماز کا وقت ہو گیا۔ سنی مولوی صاحبان نماز پڑھنے گئے۔ لیکن وعدہ کرنے کے باوجود پھر واپس نہیں

آئے۔ اس مناظرہ میں پنڈت کرپارام اور عیسائی مدرس شمس الدین کو حکم بنایا گیا تھا۔

(اصلاح جلد ۳۰ شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ مطابق مئی ۱۹۱۱ء)

غلام اصغر سید، نقوی

سید غلام اصغر نقوی کجھوہ ضلع سارن کے رہنے والے تھے۔ انگریزی تعلیم حاصل کی تھی۔ کسی گورنمنٹ آفس میں سررشتہ دار تھے۔

غلام حسین بھیروی قادیانی کے دس سوالات کے جواب میں آپ نے "عشرۂ بشرہ" نامی کتاب (۲۰۰ صفحے) لکھی۔ جس پر البرہان (لودھیانہ) کے رمضان ۱۳۳۰ھ کے شمارہ میں ریویو چھپا ہے۔

سید غلام حسین حیدر آبادی

۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء
۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء

صدر العلماء مولانا سید غلام حسین ابن میر اشرف حسین صاحب بنگلوری ثم حیدر آبادی راحت عزمی کے لکھنے کے مطابق ۱۲۷۶ھ میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ یہ نہیں معلوم کہ بنگلور سے نقل مکانی آپ کے والد نے کیا تھا یا دادا نے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حیدر آباد کے مقامی علماء سے تحصیل کی۔ راحت عزمی نے مولانا محمد علی خراسانی، مولانا سیدالملک سید علی شوشتری، مولانا صادق علی، مولانا میر کاظم علی اور مولانا غلام نبی کے نام آپ کے اساتذہ کے طور پر لکھے ہیں۔ جن سے آپ نے منطق، فقہ و اصول فقہ اور ادب و فلسفہ کی تکمیل کی۔ پھر آپ عراق تشریف لے گئے۔ جہاں سے آپ کو شیخ زین العابدین مازندرانی نے ۱۳۰۶ھ میں، شیخ محمد حسین کاظمینی نے ۱۳۰۹ھ اور شیخ محمد حسین مازندرانی نے ۱۳۱۱ھ میں اجازات دیئے۔ سید ابوالقاسم بن سید علی طباطبائی کا اجازہ بغیر تاریخ کے ہے۔ یہ سب اجازے مولانا کے رسالہ شمس الہدایہ کے آخر میں ۱۳۱۱ھ میں حیدر آباد میں چھپے تھے۔ ۱۳۰۹ھ کے قریب آپ عراق سے ہندوستان واپس آگئے تھے۔ صاحب تذکرہ بے بہا کے لکھنے کے مطابق آپ نے حیدر آباد کے سرکاری مدرسہ میں سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پر ملازمت کی۔ نیز خوجہ لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مہوا (کاٹھیاواڑ) میں خوجہ جماعت سے منسلک ہوگئے تھے۔ جہاں کے آپ کے شاگردوں میں حاجی غلام علی اسماعیل (حاجی ناجی) کا نام نمایاں ہے۔

مولانا معقولات و منقولات میں کامل تھے۔ خطیب بھی بڑے پایہ کے تھے۔ عربی و فارسی بے تکلف لکھتے اور بولتے تھے۔ حیدر آباد کے امراء و رؤسا اور عوام دونوں میں بہت مقبول تھے۔

سن ۱۳۰۷ھ/ ۹۰-۱۸۸۹ء میں آقائی سید عبدالحسین مرعشی نجف سے بمبئی ہوتے ہوئے زنجبار گئے۔ وہ خوجہ جماعت کے اہل حل وعقد کی فرمائش پر جناب شیخ زین العابدین مازندرانی کے بھیجے ہوئے گئے تھے۔ سید عبدالحسین فارسی میں موعظ اور مسائل بیان کرتے تھے اور ان کی تقریر کا گجراتی ترجمہ کچھ صاحب علم خوجہ حضرات کرتے تھے۔ ظاہر ہے اس طرح مجلس وموعظ کا لطف ختم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ جماعت نے طے کیا کہ تقریر کی غرض سے مولانا سید غلام حسین صاحب کو بھی زنجبار بلایا جائے۔ کچھ دنوں بعد سید عبدالحسین اور سید غلام حسین کے درمیان ایک علمی مسئلہ پر اختلاف پیدا ہوا۔ بحث شروع تو ہوئی اس بات پر کہ علم الٰہی معدومات سے متعلق ہوتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں سید غلام حسین نے مذکورہ بالا رسالہ لکھا جس کا پورا نام ہے: شمس الھدایہ لطرد ظلمۃ من ضل بقولہ ان علمہ تعالیٰ لا یتعلق بالمعدومات۔ لیکن نہ جانے کیوں کر یہ سلسلہ دراز ہوکر مسئلہ مساوات تک پہنچ گیا۔ یعنی سید غلام حسین متشددانہ طور پر یہ کہتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے من جمیع الوجوہ مساوی ہیں۔ جبکہ سید عبدالحسین امیر المومنین کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل کہتے تھے۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ سید غلام حسین صاحب کے حامیوں نے خوجہ شیعہ اثنا عشری قوت الاسلام جماعت (زنجبار) سے علیحدہ ہوکر اپنی الگ جماعت حجت الاسلام جماعت کے نام سے قائم کرلی۔ اور اپنی مسجد، امام باڑہ اور دوسری عمارتیں الگ بنالیں۔ حجت الاسلام جماعت کے چار متولیوں میں سے ایک وہ خود تھے۔

خوجوں کی غالب اکثریت پرانی جماعت میں رہی۔ حجت الاسلام کے ممبروں کی تعداد مختلف وجوہ سے گھٹتے گھٹتے انگلیوں پر گننے کے لائق رہ گئی ہے۔ تیس برس سے زیادہ کا عرصہ گذرا کہ خوجہ سپریم کاؤنسل کے لیڈران کوشش کررہے ہیں کہ یہ اختلاف مٹ جائے اور دونوں جماعتیں ایک ہوجائیں لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ مومنین کے ایک چھوٹے سے گروہ میں یہ تفرقہ جو ایک

صدی سے زیادہ عرصہ سے جاری ہے بہت ہی افسوسناک ہے۔

انیسویں صدی کے خاتمہ سے قبل صدر العلماء ہندوستان واپس چلے گئے۔ لیکن ان کے صاحبزادے اور پوتے صاحبان حجت الاسلام کے ممبران سے رابطہ برقرار رکھے ہوئے تھے۔

۱۹۱۳ء میں مشہور واعظ وخطیب مولانا محمد لقاء علی حیدری بدایونی بقصد زیارت عراق گئے کربلائے معلی میں ان کی ملاقات سید نثار حسین عرف سید آغا مرحوم سے ہوئی جو صدر العلماء کے فرزند تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ جناب صدر العلماء نے ایک کتاب عراق میں ہر جگہ علماء کے پاس بھیجی ہے۔ کتاب کا نام تھا اثبات النبوۃ والرسالۃ فی النبی والسلالۃ (یعنی نبی وآل نبی کے لئے نبوت ورسالت کا ثبوت) اس کے ناشرین میں حیدرآباد کے چالیس معززین کے نام تھے۔ مولانا لقاء علی کو بتایا گیا کہ کتاب کے اصل ناشر یہی سید آغا صاحب ہیں اور ان کے والد کا یہی عقیدہ ہے۔" اور وہ اس عقیدہ کی تبلیغ ہند وافریقہ میں کرتے ہیں" لقاء علی صاحب نے سید آغا مرحوم سے دیر تک اس موضوع پر بات کی۔ آخر میں وہ کہنے لگے کہ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے۔" میں نے کہا لکھ دیجئے کہنے لگے "لکھوں گا نہیں"

مولانا لقاء علی نے کئی مجلسیں اس رسالہ کی رد میں پڑھیں جن کا ہر طرف شہرہ ہوگیا۔ ایک روز حیدری صاحب صدر العلماء کی مجلس میں شرکت کے لئے گئے۔ بعد مجلس دس بجے دن سے تین بجے تک برابر بحث کا سلسلہ جاری رہا۔ "عاجز آکر کہنے لگے میرا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ علماء سے فتویٰ طلب کیا ہے۔ میں نے کہا تو آپ مجھے تحریر دیں کہ آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے پھر میں آپ سے دست بستہ معافی طلب کروں گا۔ کہنے لگے۔ تحریر نہیں دونگا۔"

المختصر ایک شب تقریری مناظرہ طے پایا لیکن صدر العلماء بارہ بجے رات تک نہیں آئے۔ اس کے بعد مولانا محمد لقاء علی حیدری نے مذکورہ بالا رسالہ کے متعلق فارسی میں ایک استفتاء تیار کرکے مجتہدین کے پاس بھیجا۔ حسب ذیل مجتہدین وعلماء نے کتاب کو گمراہی پیدا کرنے والی کتاب اور ایسا

آہستہ آہستہ انھوں نے ان زبانوں کی ایک لائبریری اکٹھا کرلی جس میں ان کی وفات کے وقت تقریباً دو ہزار کتابیں آ گئی تھیں۔ وہ رسالہ اصلاح (کھجوہ)، رسالہ شیعہ (کھجوہ)، الواعظ (لکھنؤ) اور مسلم ریویو (لکھنؤ) کے مستقل خریدار تھے ۱۹۱۰ء سے وہ گجراتی اور انگریزی میں قیمتی مضامین لکھکر راہ نجات، نور ایمان، چودہویں صدی اور مسلم ریویو میں شائع کراتے رہتے تھے۔ بالعموم یہ مضامین "منتظر" یا "سلسبیل" کے نام سے لکھے جاتے تھے۔ ۱۹۳۲ء سے سلسبیل نام کا ایک ماہانہ مذہبی رسالہ گجراتی زبان میں زنجبار سے شائع ہونا شروع ہوا جس کے ایڈیٹر محمد جیوراج تھے اور سرپرست کے طور پر ملا غلام حسین سلسبیل کا نام درج ہوتا تھا لیکن اصل حقیقت یہ تھی کہ زیادہ تر تحریریں ملا غلام حسین ہی کے قلم کی ہوتی تھیں اور یہی سبب تھا کہ ملا صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۶۱ء سے پرچہ کی اشاعت بند ہوگئی۔

زنجبار سے ایک ہفتہ وار اخبار "زنجبار سماچار" نکلتا تھا جس میں گجراتی اور انگریزی زبان کے مضامین اور خبریں ہوتی تھیں۔ ملا غلام حسین ۱۹۳۸ء سے اپنی عمر کے آخر تک اسکے ایڈیٹر رہے۔ ملا صاحب کو عزاداری سے بے انتہا شغف تھا۔ اسلام اور اسلامیات پر بہت گہری نظر رکھتے تھے بہت سی اہل مذہبی اور ادبی شخصیتوں سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی ان کے دوستوں میں علامہ کنتوری، حاجی غلام علی اسمٰعیل (حاجی ناجی) اور معین الاسلام ولی محمد مومن شامل تھے۔ آپ نے گجراتی زبان میں حسب ذیل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ (۱) علامہ کنتوری کی لائف (۲) کربلا کے روضوں کی تاریخ (۳) اسلام اور حکومت الٰہی کے خلفاء (۴) اہل بیت کی عالمگیر یادگاریں (۵) شہید کربلا (۶) امام جعفر صادق کی سوانح عمری (۷) دنیا کے عظیم انبیاء (۸) جہلم

وفات

آپ نے ۱۹۶۱ء میں زنجبار میں رحلت فرمائی

نوٹ

ان کے ورثاء نے ان کی وفات کے تقریباً ۳۵ سال بعد اصلاح، شیعہ اور الواعظ کی کچھ جلدیں اور اردو کی کچھ کتابیں مجھے ہدیتاً دیدیں۔ میری اس کتاب کی ترتیب میں ان پرچوں اور خصوصاً اصلاح سے کافی مدد ملی ہے۔

(الحاج اکبر علی دھاری، ذاتی معلومات)

غلام رضا، مرزا حکیم

[illegible]
[illegible]

حکیم مولانا مرزا غلام رضا صاحب نے پوری تعلیم سلطان المدارس میں حاصل کی اور صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ ساتھ ہی ساتھ تکمیل الطب (لکھنؤ) سے طب کی سند لی۔ پہلے ایک ہائی اسکول میں فارسی کے مدرس مقرر ہوئے۔ پھر مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں مدرس اعلیٰ کے قائم مقام ہوئے۔ اس کے بعد لاہور کے مدرسہ ناشر العلوم میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیے۔ آخر میں سلطان المدارس لکھنؤ میں مدرس درجہ مقرر ہوئے اور عمر کے آخری ۲۳-۲۴ سال عمارت مدرسہ میں رہ کر گذارے اور وہیں ۶۵ سال کی عمر میں طویل علالت کے بعد ۲۴، جولائی ۱۹۷۲ء کو بارہ بجے دن میں راہی ملک عدم ہوئے۔

آہستہ آہستہ انھوں نے ان زبانوں کی ایک لائبریری اکٹھا کرلی جس میں ان کی وفات کے وقت تقریباً دو ہزار کتابیں آگئی تھیں۔ وہ رسالہ اصلاح (کھجوہ) رسالہ شیعہ (کھجوہ) الواعظ (لکھنو) اور مسلم ریویو (لکھنو) کے مستقل خریدار تھے ۱۹۱۰ء سے وہ گجراتی اور انگریزی میں قیمتی مضامین لکھکر راہ نجات، نور ایمان، چودھویں صدی اور مسلم ریویو میں شائع کراتے رہتے تھے۔ بالعموم یہ مضامین "مختفر" یا "سلسبیل" کے نام سے لکھے جاتے تھے۔ ۱۹۳۲ء سے سلسبیل نام کا ایک ماہانہ مذہبی رسالہ گجراتی زبان میں زنجبار سے شائع ہونا شروع ہوا جس کے ایڈیٹر محمد جیوراج تھے اور سرپرست کے طور پر ملا غلام حسین سلسبیل کا نام درج ہوتا تھا لیکن اصل حقیقت یہ تھی کہ زیادہ تر تحریریں ملا غلام حسین ہی کے قلم کی ہوتی تھیں اور یہی سبب تھا کہ ملا صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۶۱ء سے پرچہ کی اشاعت بند ہوگئی۔

زنجبار سے ایک ہفتہ وار اخبار "زنجبار سماچار" نکلتا تھا جس میں گجراتی اور انگریزی زبان کے مضامین اور خبریں ہوتی تھیں۔ ملا غلام حسین ۱۹۳۸ء سے اپنی عمر کے آخر تک اسکے ایڈیٹر رہے۔ ملا صاحب کو عزاداری سے بے انتہا شغف تھا۔ اسلام اور اسلامیات پر بہت گہری نظر رکھتے تھے بہت سی اہم مذہبی اور ادبی شخصیتوں سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی ان کے دوستوں میں علامہ کنتوری، حاجی غلام علی اسمٰعیل (حاجی ناجی) اور معین الاسلام ولی محمد مومن شامل تھے۔ آپ نے گجراتی زبان میں حسب ذیل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ (۱) علامہ کنتوری کی لائف (۲) کربلا کے روضوں کی تاریخ (۳) اسلام اور حکومت الٰہی کے خلفاء (۴) اہل بیت کی عالمگیر یادگاریں (۵) شہید کربلا (۶) امام جعفر صادق کی سوانح عمری (۷) دنیا کے عظیم انبیاء (۸) چہلم

وفات

آپ نے ۱۹۶۱ء میں زنجبار میں رحلت فرمائی

نوٹ

ان کے ورثاء نے ان کی وفات کے تقریباً ۳۵ سال بعد اصلاح، شیعہ اور الواعظ کی کچھ جلدیں اور اردو کی کچھ کتابیں مجھے ہدیتاً دیدیں۔ میری اس کتاب کی ترتیب میں ان پرچوں اور خصوصاً اصلاح سے کافی مدد ملی ہے۔

(الحاج اکبر علی دھاری، ذاتی معلومات)

غلام رضا، مرزا حکیم

[illegible]

[illegible]

حکیم مولانا مرزا غلام رضا صاحب نے پوری تعلیم سلطان المدارس میں حاصل کی اور صدرالافاضل کی سند حاصل کی۔ ساتھ ہی ساتھ تکمیل الطب (لکھنو) سے طب کی سند لی۔ پہلے ایک ہائی اسکول میں فارسی کے مدرس مقرر ہوئے۔ پھر مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں مدرس اعلیٰ کے قائم مقام ہوئے۔ اس کے بعد لاہور کے مدرسہ ناشر العلوم میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیے۔ آخر میں سلطان المدارس لکھنو میں مدرس درجہ مقرر ہوئے اور عمر کے آخری ۲۳-۲۴ سال عمارت مدرسہ میں رہ کر گذارے اور وہیں ۶۵ سال کی عمر میں طویل علالت کے بعد ۲۲، جولائی ۱۹۷۲ء کو بارہ بجے دن میں راہی ملک عدم ہوئے۔

بوقت انتقال ۶۵ سال کی عمر ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی ولادت حدود ۱۹۰۷ء میں ہوئی ہوگی۔

(الجواد اکتوبر ۱۹۷۲ء)

غلام صادق سید کجھوئی

۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء
۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء

زبدۃ العلماء قدوۃ الفقہاء مولانا سید غلام صادق صاحب قبلہ کجھوہ جیسی مردم خیز بستی کے اساطین علماء وزہاد میں سے تھے آپ کی ولادت ۱۳ شوال ۱۲۶۶ھ (۲۳ راگست ۱۸۵۰ء) کو ہوئی۔ آپ سید حسن باخدا (دیکھئے احوال) کے چچازاد بھائی اور شاگرد تھے ابتدائی تعلیم کجھوہ میں حاصل کرکے لکھنو تشریف لے گئے اور مشہور مجتہدین سے مدت دراز تک کسب فیض کرتے رہے۔

لکھنو سے واپس آکر کچھ دنوں آرہ (بہار) میں امام جمعہ و جماعت رہے ۱۳۱۶ھ سے مستقل طور سے کجھوہ میں اقامت اختیار فرمائی اور وطن ہی میں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ حج و زیارات سے بھی مشرف ہوئے۔ ۱۳۵۲ء میں ۸۶ سال کی عمر میں آپ کو اپنے صاحب فضل و کمال فرزند مولانا علی حسین صاحب (دیکھئے احوال) کا داغ اٹھانا پڑا۔ اس کے ایک سال بعد آپ نے ۸۷ سال کی عمر میں ۲ ربجمادی الثانیہ ۱۳۵۳ھ (۱۲ ستمبر ۱۹۳۴ء) کو رحلت فرمائی۔

تصانیف

مجالس عشرہ، فوائد التعلیم وغیرہ

(اصلاح جلد نمبر ۳۸ شمارہ نمبر ۸، رجب ۱۳۵۳ھ)

غلام عسکری، سید

۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء
۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء

مولانا سید غلام عسکری صاحب مرحوم سید محمد تقی صاحب بجنور ضلع لکھنو کے صاحبزادے تھے آپ ۱۹۲۸ء میں شہر رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد والدین کو تمنا ہوئی کہ بچے سے خدمت دین لی جائے اس بنا پر جامعہ ناظمیہ لکھنو میں داخلہ ہوا جہاں سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی، ساتھ ہی ساتھ منشی، مولوی، عالم، فاضل، فاضل طب، فاضل فقہ وغیرہ کے اسناد سے بھی مزین ہوئے۔

ناظمیہ سے فارغ ہونے کے بعد مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لیا اور علامہ سید عدیل اختر صاحب طاب ثراہ سے کماحقہ فیض حاصل کرتے ہوئے خود کو خدمت ملت جعفریہ کیلئے مکمل طور سے آمادہ کرلیا۔ مدرسۃ الواعظین سے ۱۸ سال تک وابستہ رہے۔ اور بحیثیت واعظ و بحیثیت آنریری سکریٹری اس تبلیغی ادارے کی کامیاب خدمتیں انجام دیں۔ ادارہ مدرسۃ الواعظین سے انہیں گہرا لگاؤ تھا مولانا چند سال سے ادارہ کو سالانہ ایک ہزار روپیہ مرحمت فرمارہے تھے۔ انکا ارادہ تھا کہ ان پر جو ادارہ کا صرف ہوا تھا اسے بالاقساط ادا کریں طرز بیان میں تاثیر اتنی تھی کہ بہت جلد مقبول ترین ذاکر بن گئے۔ تبلیغی سلسلے میں قریہ، قریہ جانے سے انھیں اسکا اندازہ ہوا کہ قوم میں علم کی بہت کمی ہے لہذا ۱۹۶۸ء میں تنظیم المکاتب کی بنیاد ڈالی جس نے ۲۷ سال میں قابل ذکر ترقی کی۔ یہ ان کا وہ ٹھوس کارنامہ ہے جس کا قوم کو تہہ دل سے اعتراف ہے۔ اصلاح قوم کے جذبے کے تحت تنظیم المکاتب کے قیام کے علاوہ دینی لٹریچر کی اشاعت پر بھی توجہ دی اور ادارہ کی جانب سے ایک اخبار کا اجراء ہوا اور متعدد کتب و رسائل منظر عام پر آئے۔

قیام تنظیم المکاتب

۱۹۶۸ کا وہ مبارک سال تھا جب مولانا نے ادارہ تنظیم المکاتب کی بنیاد رکھدی۔ قوم کو اس جانب متوجہ کیا اور مرحوم کے انتقال کے وقت پورے ملک میں ۵۱۵ مکتب عالم وجود میں آچکے تھے اور دینی تعلیم دینے میں سرگرم تھے۔ مدرسین مکاتب کی تربیت کا انتظام کیا افسران معائنہ وبرائے امتحانات انسپکٹروں کی تقرری کی۔ ایسا نظام تعلیم مرتب کیا کہ آسانی سے ہر قریہ کے لوگ اپنے یہاں دینی مکتب قائم کرسکیں۔ نیز دفتر کیلئے عمارت خریدی۔ بیرون ہند بھی ادارہ تنظیم المکاتب کی شاخیں قائم کیں۔ ہندی اردو انگریزی بنگالی اور گجراتی زبانوں میں دینیات کا مکمل نصاب تیار کرتے ہوئے شائع کیا تاکہ ہر زبان بولنے والے کو اس کی مادری زبان میں دین کی واقفیت ہوتی رہے۔ ۱۹۸۳ء میں جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب قائم کیا۔ تاکہ اس ادارہ کے تحت دین کی اعلی سے اعلی تعلیم ہوسکے۔

تصانیف

میں کیوں شیعہ ہوا، تنویر الشہادتین، دس مجلسیں، پیاس،

وفات

شب جمعہ ۱۸ شعبان ۱۴۰۵ھ مطابق ۹ مئی ۱۹۸۵ء کو مینڈر، ضلع پونچھ (کشمیر) میں اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہوا۔ تبلیغی مجالس کے سلسلے میں تشریف لے گئے تھے۔ جہاں سے لاش وطن لائی گئی۔ ۱۱ مئی ۱۹۸۵ء کو مقبرہ سادات قصبہ بجنور میں والد بزرگوار کا پہلو آخری آرام گاہ قرار پایا۔

(ادارہ خطیب اعظم نمبر جون ۱۹۸۵ء)

غلام علی اسمٰعیل، حاجی (حاجی ناجی)

۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء

۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء

حاجی غلام علی اسمٰعیل جن کو خوجہ شیعہ اثنا عشری دنیا محسن قوم کہتی ہے اور حاجی ناجی کے نام سے پہچانتی ہے۔ ممبئی میں ۱۸۶۴ میں ایک متوسط طبقہ کی فیملی میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت ان کے والد تلاش حق میں مصروف تھے جمال بھائی پیر جی مکہ والا کی تبلیغ سے حاجی اسماعیل نے اپنے بیٹے غلام علی کے ساتھ شیعہ اثنا عشری مذہب قبول کیا اس وقت تک ممبئی میں صرف ۱۳ افراد شیعہ ہوئے تھے اور شیعیت کی چھاپ ایک خوجہ کو آغا خانی اسماعیلیوں کی نظر میں واجب القتل بنادیتی تھی۔

حاجی ناجی نے مذہبی تعلیم ملا قادر حسین مدراسی مرحوم سے حاصل کی۔ جن کو اس وقت کے مرجع شیخ زین العابدین مازندرانی نے خوجوں میں تبلیغ وہدایت کے لئے بھیجا تھا۔ یہ ۱۸۷۲ یا ۱۸۷۳ کی بات ہے۔ اور ملا قادر حسین اس وقت تیس سال کے تھے۔ ان کے حالات علیحدہ دیئے گئے ہیں۔ حاجی غلام علی ان کے انتہائی مطیع وفرمانبردار شاگرد تھے جب ملا صاحب باہر نکلنا چاہتے تھے تو غلام علی ان کے لئے جوتے سیدھے کرتے رہتے تھے۔ ایک دن استاد نے دعا دی۔ بیٹا! آج تم میری جوتیاں اٹھارہے ہو ایک وقت آئے گا کہ لوگ تمہاری کفش برداری کریں گے۔

ملا قادر حسین سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے مولوی سید غلام حسین حیدرآبادی (دیکھئے احوال) سے عربی زبان کی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ جو ممبئی میں آگئے تھے۔

حاجی غلام علی کی تحریر اور تقریر لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ ان کی مجلسوں کے ذریعہ بہتیرے آغا خانی خوجے اور دوسرے مسلمان حلقہ بگوش تشیع ہوگئے۔ اور جو شیعہ ہوچکے تھے ان میں حقیقی جذبہ دینداری پیدا ہوگیا۔ جناب میرآغا صاحب طاب ثراہ (لکھنؤ) نے ان کو "فخر اللہ اکرین"

کا خطاب دیا تھا۔ ۱۳۱۱ھ میں حاجی صاحب زیارات عتبات عالیات کے لئے عراق گئے اور عاشورہ کے بعد آیۃ اللہ شیخ محمد حسین (پسر شیخ زین العابدین مازندرانی مرحوم) سے ملنے گئے تو انہوں نے فرمایا۔ آپ زیارتوں کے لئے بار بار کیوں آتے ہیں۔ جب کہ آپ کا تبلیغی مشن زیارتوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

حاجی غلام علی کی رہبرانہ صلاحیتوں کو بالعموم سب نے تسلیم کرلیا۔ لوگ مذہبی سماجی اور تعلیمی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے انکی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ لوگوں کی ھدایت کی غرض سے انتہائی کوردہ علاقوں میں بھی جا کر ھدایت کی روشنی پھیلاتے تھے۔

حاجی ناجی پہلے مٹھوے کی تجارت کرتے تھے پھر یکم ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ کو انہوں نے اپنا ماہانہ رسالہ "راہ نجات" شروع کیا۔ ۱۳۱۳ھ میں انہوں نے احمد آباد میں ایک پرنٹنگ پریس خریدا۔ جسکا نام اثنا عشری پرنٹنگ پریس رکھا۔ اس پریس کی وجہ سے انہوں نے بھاونگر چھوڑ کر احمد آباد آباد کیا۔ اور گجراتی رسم الخط میں دعاؤں، زیارتوں اور سال کے اعمال کے علاوہ قرآن مجید کی اشاعت کی غرض سے عربی کے حروف۔ ح، خ، ث، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق کیلئے گجراتی رسم الخط کے حروف پر مختلف تعداد میں نقطے ڈال کر نئے حروف وضع کئے اور ڈھلوائے۔

تفسیر قرآن

انکی تفسیر قرآن اب بہت کمیاب ہے۔ راقم الحروف نے زنجبار میں انکی جلدیں دیکھی تھیں۔ بڑی تقطیع پر قرآنی آیات کو گجراتی رسم الخط میں بھی لکھا گیا ہے تاکہ عربی نہ جاننے والے تلاوت کا ثواب حاصل کرسکیں۔ پھر ترجمہ اور پھر مختصر تفسیر۔

اس تفسیر کی بڑی شدید مخالفت کی گئی۔ سب سے "اہم" وجہ مخالفت یہ تھی کہ اللہ کے کلام کو

کافروں کی زبان میں کیوں لکھا جا رہا ہے۔

دیگر تصانیف

حاجی ناجی نے دعاؤں، مجلسوں، مرثیوں، اور مواعظ کی بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور چھپوائیں۔ خوجہ شیعہ اثنا عشری قوم کی اکثریت عربی رسم الخط سے آشنا نہیں ہے اسکے باوجود، یورپ سے لیکر امریکہ تک، افریقہ کی چھوٹی بڑی تمام جماعتوں میں اور ھندو پاک سے لیکر ہانگ کانگ اور آسٹریلیا تک جہاں جہاں خوجے ہیں بالعموم صحیح قرآت کے ساتھ دعائیں اور عمل بجالاتے ہیں۔ اور یہ حاجی ناجی کی کتابوں کا اثر ہے۔

ان کے تصنیفات کی تعداد کا صحیح اندازہ مشکل ہے ۱۹۳۲ میں انجمن حمایت الاسلام بمبئی نے "راہ نجات" گولڈن جبلی منائی تھی اور اس کے لئے بہت عالیشان تقریبات منائی گئی تھی اس وقت جو سوینئر انجمن کی طرف سے شائع ہوا تھا اس کے مطابق حاجی صاحب کے تصنیفات کی تعداد ۱۸۳ تھی "راہ نجات" کی پچاس جلدیں، نور ایمان کی ۲۷ جلدیں اور باغ ہدایت کی ۱۳ جلدیں اس کے علاوہ تھیں۔

۱۶ نومبر ۱۹۳۲ء (۱۳۵۱ھ) کو احمد آباد میں آپ کا مکان، راہ نجات کا آفس، مطبوعہ کتابوں کا اسٹاک اور غیر مطبوعہ مقالات اور کتابیں نذر آتش ہوگئیں۔

حاجی ناجی اور ان کی فیملی تو خیریت سے باہر نکل آئی لیکن حاجی صاحب کو یہی فکر تھی کہ کسی طرح میری کتابیں اور یتیم خانے کے حسابات کی کتاب (جس میں یتیموں کی امانت درج تھی) بچ جائے۔ جس کا سارا علمی اور دنیاوی سرمایہ جل کر راکھ ہوچکا ہو۔ اس کی عالی ہمتی اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ نہ کسی سے شکایت کی نہ ایک آنسو بہایا۔ بلکہ نئے سرے سے دوسرا پریس قائم کیا اور "راہ نجات" کی اشاعت حسب معمول جاری رہی۔

کا خطاب دیا تھا۔ ۱۳۱۱ھ میں حاجی صاحب زیارات عتبات عالیات کے لئے عراق گئے اور عاشورہ کے بعد آیۃ اللہ شیخ محمد حسین (پسر شیخ زین العابدین مازندرانی مرحوم) سے ملنے گئے تو انہوں نے فرمایا۔ آپ زیارتوں کے لئے بار بار کیوں آتے ہیں۔ جب کہ آپ کا تبلیغی مشن زیارتوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

حاجی غلام علی کی رہبرانہ صلاحیتوں کو بالعموم سب نے تسلیم کرلیا۔ لوگ مذہبی سماجی اور تعلیمی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے انکی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ لوگوں کی ھدایت کی غرض سے انتہائی کوردہ علاقوں میں بھی جا کر ھدایت کی روشنی پھیلاتے تھے۔

حاجی ناجی پہلے چمڑے کی تجارت کرتے تھے پھر یکم ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ کو انہوں نے اپنا ماہانہ رسالہ ''راہ نجات'' شروع کیا۔ ۱۳۱۴ھ میں انہوں نے احمد آباد میں ایک پرنٹنگ پریس خریدا۔ جسکا نام اثناعشری پرنٹنگ پریس رکھا۔ اس پریس کی وجہ سے انہوں نے بھاؤنگر چھوڑ کر احمد آباد آباد کیا۔ اور گجراتی رسم الخط میں دعاؤں، زیارتوں اور سال کے اعمال کے علاوہ قرآن مجید کی اشاعت کی غرض سے عربی کے حروف۔ ح، خ، ث، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق کیلئے گجراتی رسم الخط کے حروف پر مختلف تعداد میں نقطے ڈال کر نئے حروف وضع کئے اور ڈھلوائے۔

تفسیر قرآن

انکی تفسیر قرآن اب بہت کمیاب ھے۔ راقم الحروف نے زنجبار میں انکی جلدیں دیکھی تھیں۔ بڑی تقطیع پر قرآنی آیات کو گجراتی رسم الخط میں بھی لکھا گیا ھے تا کہ عربی نہ جاننے والے تلاوت کا ثواب حاصل کرسکیں۔ پھر ترجمہ اور پھر مختصر تفسیر،

اس تفسیر کی بڑی شدید مخالفت کی گئی۔ سب سے ''اھم'' وجہ مخالفت یہ تھی کہ اللہ کے کلام کو

کافروں کی زبان میں کیوں لکھا جا رہا ہے۔

دیگر تصانیف

حاجی ناجی نے دعاؤں، مجلسوں، مرثیوں، اور مواعظ کی بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور چھپوائیں۔ خوجہ شیعہ اثناعشری قوم کی اکثریت عربی رسم الخط سے آشنا نہیں ھے اسکے باوجود، یورپ سے لیکر امریکہ تک، افریقہ کی چھوٹی بڑی تمام جماعتوں میں اور ھندو پاک سے لیکر ہانگ کانگ اور آسٹریلیا تک جہاں جہاں خوجے ھیں بالعموم صحیح قرآت کے ساتھ دعائیں اور عمل بجالاتے ہیں۔ اور یہ حاجی ناجی کی کتابوں کا اثر ہے۔

ان کے تصنیفات کی تعداد کا صحیح اندازہ مشکل ہے ۱۹۴۲ میں انجمن حمایت الاسلام بمبئی نے ''راہ نجات'' گولڈن جبلی منائی تھی اور اس کے لئے بہت عالیشان تقریبات منائی گئی تھی اس وقت جو سوینئر انجمن کی طرف سے شائع ہوا تھا اس کے مطابق حاجی صاحب کے تصنیفات کی تعداد ۱۸۴ تھی ''راہ نجات'' کی پچاس جلدیں، نور ایمان کی ۲۷ جلدیں اور باغ ہدایت کی ۱۳ جلدیں اس کے علاوہ تھیں۔

۱۶ نومبر ۱۹۳۲ء (۱۳۵۱ھ) کو احمد آباد میں آپ کا مکان، راہ نجات کا آفس، مطبوعہ کتابوں کا اسٹاک اور غیر مطبوعہ مقالات اور کتابیں نذر آتش ہوگئیں۔

حاجی ناجی اور ان کی فیملی تو خیریت سے باہر نکل آئی لیکن حاجی صاحب کو یہی فکر تھی کہ کسی طرح میری کتابیں اور یتیم خانے کے حسابات کی کتاب (جس میں یتیموں کی امانت درج تھی) بچ جائے۔ جس کا سارا علمی اور دنیاوی سرمایہ جل کر راکھ ہو چکا ہو۔ اس کی عالی ہمتی اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ نہ کسی سے شکایت کی نہ ایک آنسو بہایا۔ بلکہ نئے سرے سے دوسرا پریس قائم کیا اور ''راہ نجات'' کی اشاعت حسب معمول جاری رہی۔

مذکورہ بالا "راہ نجات گولڈن جوبلی" کے وقت حاجی صاحب کی عمر ۸۷ سال ہو چکی تھی۔
تقریبات کے فوراً بعد ان پر زبردست ہارٹ اٹیک ہوا اور گیارہ دن کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آپ نے اردو میں بھی کچھ رسالے اور مضامین لکھے اور چھپوائے تھے ایک رسالہ "صراط مستقیم" مفتی سید محمد عباس کے ایک فارسی رسالہ کا ترجمہ تھا جو میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے کاظم علی کوثری مرحوم نے رسالہ راہ نجات کو جاری رکھا اور ان کے انتقال کے بعد اب ان کے صاحبزادے اسے چلا رہے ہیں

تقسیم ہند کے بعد یہ خاندان پاکستان آ کر کراچی میں مقیم ہو گیا اور اب یہ رسالہ (جو دنیا میں شیعہ قوم کا قدیم ترین ماہنامہ ہے۔) وہیں سے جاری ہے۔

(ذاتی معلومات رسالہ شیعہ، رسالہ اثنا عشری، راہ نجات صدی نمبر۔)

غلام علی شاہ

سنہ وفات:
۱۳۴۴/۱۹۲۵

مولانا غلام علی شاہ خلف مولوی حافظ بہادر علی شاہ مرحوم کے انتقال کی خبر رسالہ اصلاح ماہ رجب ۱۳۴۳ھ میں چھپی تھی۔

آپ زبردست ذاکر اور مناظر تھے۔ مناظرہ کے لئے دور دور تک بلائے جاتے تھے۔
۱۳۴۲ھ میں ضلع چوبیس پرگنہ (بنگال) میں جو مناظرہ سنیوں سے ہونے والا تھا اس میں شیعوں کے خاص نمائندے آپ ہی قرار دئے گئے تھے۔

غلام محمد تقی خان

سنہ وفات:
۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء

الحاج مولانا غلام محمد تقی خاں ابن مولانا غلام محمد مہدی خاں صاحب مرحوم مدراس کے ایک ذی علم گھرانے کے سربراہ تھے۔ آپ تمل ناڈو کے چیف شیعہ قاضی تھے اور آستانہ ابو الفضل العباس علیہ السلام کے خادم، حسینی ٹرسٹ کے صدر اور مرکز فیض الاسلام کے بانی تھے۔

آپ کی وفات ۱۵ر جنوری ۱۹۹۷ء (۶ر رمضان ۱۴۱۷ھ) کو ہوئی، آستانہ ابو الفضل العباس علیہ السلام میں دفن ہوئے۔

(اصلاح جلد نمبر ۹۲ شمارہ نمبر ۳، ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ مارچ ۱۹۹۷ء)

غلام مصطفےٰ، سید گوپال پوری

سنہ وفات:
۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء

آپ کی ولادت آبائی وطن گوپال پور میں ہوئی سنہ ولادت معلوم نہ ہو سکا آپ کے والد زراعت پیشہ تھے۔ آپ نے لکھنؤ سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ غربت کی وجہ سے بھی درسی کتابیں نہ خرید سکے۔ درجہ میں خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ ایک روز استاد نے طنزاً پوچھا کہ "مولوی غلام مصطفےٰ صاحب! آپ کچھ سمجھتے بھی ہیں؟" اس کے جواب میں آپ نے اس دن کے درس کو اتنے عمدہ طریقے سے بیان کیا کہ استاد کی تشریح بھی اس کے سامنے پھیکی پڑ گئی۔ تب اساتذہ اور ساتھیوں کو ان

کی صلاحیت کا اندازہ ہوا۔

آپ نے ملازمت کا آغاز بنارس سے کیا اور وہیں پہلی شادی کی۔ خدا نے دو بیٹیاں عطا کیں۔ دوسری شادی پٹنہ میں کی جس سے دو لڑکیاں اور تین لڑکے ہوئے۔

اپنے استاد مولانا حافظ فرمان علی صاحب اعلی اللہ مقامہ کی تحریک پر آپ پٹنہ آئے۔ اور مدرسہ سلیمانیہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر ترقی کرکے اسی مدرسہ کے پرنسپل ہوئے۔ راقم الحروف نے ۱۹۴۰-۴۱ء میں فوقانیہ کے درجہ میں آپ سے فلسفہ پڑھا تھا۔ آپ معقولات کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔

آپ نے کچھ دنوں تک طب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی جو پوری نہ ہوگی۔ پھر بھی نباضی کا یہ عالم تھا کہ تھرمامیٹر کے بغیر جسمانی حرارت بتادیتے تھے۔

۱۳۳۱ھ کے حدود میں پٹنہ بلکہ بہار سے کسی وجہ سے بددل ہوگئے تھے۔ چنانچہ اصلاح جلد نمبر ۲۱ شمارہ نمبر ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ میں انہوں نے "ضرورت معلم عربی و فارسی" کے عنوان سے ایک اشتہار چھپوایا تھا جو یہاں من و عن نقل کیا جاتا ہے۔

"تقریباً اٹھارہ انیس سال سے علوم عربیہ پڑھاتا ہوں گیارہ سال سے تقریباً مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ میں ہوں اور بہ طلب استاد حاضر کرسکتا ہوں۔ مگر چونکہ بمصالح ذاتی و بمقتضیات خصوصی میرے لئے قیام پٹنہ بلکہ بہار ہی کا ترک لازم ہے اس لئے عرض ہے کہ بلا لحاظ قلت مشاہرہ جن صاحب کو عربی و فارسی معلم کی ضرورت ہو مطلع فرمائیں۔ بہار سے جہاں تک دور ہوگا میرے لئے جائے امن و محفوظ ہوگا۔ خصوصاً مدراس، بمبئی، پنجاب کے کسی گوشے میں زیادہ عافیت ملے گی۔ المشتہر۔ غلام مصطفےٰ، مدرس دوئم مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ (بہار)"

اس اشتہار سے معلوم ہوا کہ مولانا غلام مصطفےٰ صاحب تقریباً ۱۳۲۰ھ سے مدرسہ سلیمانیہ

میں پڑھا رہے تھے۔ اور ۱۳۳۱ھ میں مدرس دوئم تھے۔ مدرسہ سلیمانیہ میں آنے سے تقریباً سات آٹھ سال پہلے دوسری جگہ (یعنی بنارس میں) درس دیتے تھے۔

مدرسہ سلیمانیہ کے قریب مکان تھا جس میں ایک دستی پریس اپنے صاحبزادے مجتبی صاحب کے نام پر "مجتبائی پریس" کے نام سے قائم کیا تھا۔ جس سے اس دور میں بہت سی دینی کتابیں شائع ہوئی تھیں۔

وفات

مئی ۱۹۶۴ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(انجمن وظیفہ سادات و مومنین گولڈن جوبلی نمبر — ذاتی معلومات)

غلام مہدی نجفی

ولادت ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء

وفات ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء

حجۃ الاسلام مولانا غلام مہدی نجفی ابن حاجی نہال خاں لغاری، ۱۵ر شعبان ۱۳۴۰ھ/ ۱۳ر اپریل ۱۹۲۲ء کو بمقام واگھر بیگی (ضلع تھرپارکر، سندھ) پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۹ء کے لکھنؤ کے محاذ حسینی ایجی ٹیشن میں شرکت کی اور میرٹھ کے سنٹرل جیل میں قید رہے۔ رہائی کے بعد مولانا حکیم سید محمد صاحب کی سفارش سے آپ مدرسہ منصبیہ (میرٹھ) میں داخل ہوئے۔ پھر انہیں بزرگوار نے آپ کو مدرسہ ناظمیہ میں داخل کرایا۔ جہاں آپ ۱۹۴۷ء تک رہے۔ وہیں سے الہ آباد بورڈ کے منشی، عالم اور فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ لکھنؤ میں آپ کے اساتذہ میں مولانا سید ایوب حسین

صاحب، مولانا حافظ کفایت حسین صاحب اور مفتی سید احمد علی صاحب وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد آپ وطن واپس چلے گئے اور تھوڑے دنوں بعد انجمن امامیہ حیدرآباد (سندھ) کے تعاون سے اعلیٰ تعلیم کی غرض سے نجف اشرف تشریف لے گئے جہاں آقائی شیخ محمد ترک آقائی سید حیدر عباس اللہ آبادی، آیۃ اللہ ابو القاسم رشتی، اور آیت اللہ محمد علی مدرس افغانی وغیرہ طاب ثراہم سے کسب فیض کیا۔ نجف میں آپ کے ساتھیوں میں شیخ الجامعہ مولانا اختر عباس صاحب، مولانا محمد محسن (کراچی) مولانا سید صفدر حسین (لاہور) اور مولانا سید طیب آغا جزایری وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

آپ نے تبلیغ دین کے سلسلے میں سندھ کے گوشہ گوشہ کا سفر کر کے تشنگان معرفت کو سیراب کیا۔

تصانیف

(۱) غرر الحکم کا ترجمہ اور تفسیر (سندھی) (۲) نہج البلاغہ کے کچھ حصوں کا سندھی ترجمہ۔

مولانا غلام مہدی ابتدائے عمر سے تقویٰ اور پرہیزگاری کا مجسمہ تھے۔ جب آپ ناظمیہ میں تھے تو آپ کے استاد حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم نے فرمایا: اگر غلام مہدی نماز پڑھائے تو میں اس کی اقتدا کروں گا۔ کراچی میں مولانا محمد مصطفےٰ جوہر اور آقائے شریعت طاب ثراہما آپ کو "سلمان زمان" کہتے تھے۔

آپ ایک صاحب کرامت، ربانی عالم تھے۔ آپ کے شاگرد مولانا سید شبیہ الرضا صاحب نقل کرتے ہیں کہ مولانا نے فرمایا: نجف اشرف سے واپسی کے بعد اکثر اوقات گریہ کی حالت میں امیر المومنین علیہ السلام کو خطاب کر کے عرض کرتا تھا۔ مولا! جب نجف میں تھا تو روز آپ کی زیارت

نصیب ہوتی تھی۔ اب اتنی وسعت نہیں کہ آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہو سکوں۔ اسی حالت میں سات برس گذر گئے۔ ایک روز دوپہر کے وقت اپنے کتب خانہ میں مشغول مطالعہ تھا کہ دق الباب ہوا۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دو گھوڑے سوار نقاب پوش کھڑے ہیں۔ سلام کے بعد اندر آئے۔ میں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ تو (ایک بزرگ نے) نقاب ہٹا کر جواب دیا: ہر روز ہمیں پکارتے ہو پھر پوچھ رہے ہو، آپ کون ہیں۔ لو جی بھر کر زیارت کر لو۔

آپ نے ۲ رجمادی الاول ۱۴۰۷ھ (= ۵ جنوری ۱۹۸۷ء) کو اس دار فانی سے رحلت کی۔

فخر الدین، سید

مولانا سید فخر الدین صاحب چندن پٹی (بہار) کے رہنے والے اور مولانا سید فرمان علی صاحب کے چچازاد بھائی اور برادر نسبتی تھے۔ رسالۂ اصلاح (محرم ۱۳۲۲ھ) میں سکریٹری مدرسہ مشارع الشرائع ناظمیہ (لکھنؤ) کی ایک تحریر میں (نواب سید نصیر حسین خاں خیال عظیم آبادی، مقیم کلکتہ، کے سوال کے جواب میں) قیام مدرسہ ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۲۱ھ تک کے چند فارغ التحصیل حضرات کے نام شائع ہوئے ہیں جن میں پہلا نام "مولوی سید فخر الدین صاحب ہوشمار مظفر پور" کا ہے۔

مظفر پور کے ایک پمفلٹ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مدرسہ ناظمیہ کے پہلے ممتاز الافاضل تھے اور اپنے درجہ میں تنہا تھے۔

راقم الحروف جب پٹنہ میں تھا (یعنی ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۱ء تک) اس وقت مولانا موصوف گذری (پٹنہ) کی مسجد میں امام جماعت تھے۔ اور غالباً آخر عمر تک وہیں رہے۔

فدا حسین، سید

رسالہ اصلاح (محرم ۱۳۲۲ھ) میں شائع شدہ جس تحریر کا ذکر مولانا سید فخر الدین صاحب کے حالات میں آیا ہے اسی تحریر میں دوسرا نام "مولوی سید فدا حسین صاحب، مدرس مدرسہ مظفر پور" کا ہے۔

فدا حسین، سید، حاذق الملک

ــ ھ/ــ ء

۱۳۲۸/۱۹۱۰

رسالہ شیعہ (نجھوا) ماہ مئی ۱۹۱۱ء میں یہ لکھا ہے:

"مولوی حکیم سید فدا حسین صاحب قبلہ: آپ اکثر علوم وفنون میں کامل تھے۔ فلسفہ ومنطق میں آپ کا مثل نہ تھا۔ شاہ اودھ کے معالج خاص رہ چکے تھے۔ "اعتماد الدولہ خان بہادر حاذق الملک" کا اعزاز منجانب شاہ عطا ہوا تھا۔ ریاست مالیر کوٹلہ اور ریاست رام پور میں بھی رہ چکے تھے۔

"آپ نے ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ (۱۴ نومبر ۱۹۱۰ء) بروز سہ شنبہ بمقام لکھنؤ وطن مالوف انتقال فرمایا۔"

اس رسالہ میں آپ کے فرزند حاجی مولوی سید محمد صاحب کا نام ملتا ہے۔

فرحت حسین، سید، عظیم آبادی

۱۳۲۳/۱۹۰۵

۱۳۹۱/۱۹۷۱

مولانا سید فرحت حسین صاحب ابن سید جعفر حسین صاحب محلہ نور کٹرہ، پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ تعلیم کی ابتدا مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) سے ہوئی جہاں سے ۱۹۳۱ء میں فارغ ہوئے اور ۱۹۳۲ء میں سلطان المدارس (لکھنؤ) میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۹۳۳ء میں صدر الافاضل ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں آپ مدرسہ عباسیہ (پٹنہ) میں بحیثیت مدرس سوم مقرر ہوئے جہاں استاذی العلام مولانا محمد مصطفےٰ جوہر مدرس اول اور راقم الحروف کے والد ماجد مولانا حکیم سید ابو الحسن صاحب، مدرس دوئم تھے۔ راقم الحروف نے مولانا فرحت حسین صاحب سے ۱۹۳۹ء میں فیض حاصل کیا۔ مولانا بہت ہی کم سخن، شگفتہ مزاج اور قدیم تہذیب کا نمونہ تھے۔

۱۹۴۱ء میں مدرسہ عباسیہ کے ختم ہو جانے کے بعد آپ علم طب کی طرف متوجہ ہوئے اور شفاء الملک حکیم سید مظاہر احمد صاحب مرحوم سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ پھر طبابت شروع کی۔ ساتھ ہی ساتھ ۱۹۴۲ء میں مدرسہ سلیمانیہ میں بحیثیت مدرس سوم مقرر ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں مدرس اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں آپ مشرقی افریقہ تشریف لے گئے جہاں ٹانگانیکا کی پنگانی اور ٹانگا وغیرہ کی جماعتوں میں ہدایت وارشاد کا فریضہ انجام دیا۔ نومبر ۱۹۵۹ء میں مولانا کا دوسرا سفر افریقہ کا ہوا۔ میری خوش قسمتی سے میرا اور استاذی المعظم مولانا فرحت حسین صاحب کا ساتھ بمبئی کے دیوجی جمال مسافر خانہ میں ہوا۔ یہ میرا پہلا سفر افریقہ تھا۔ ہم لوگ "اسٹیٹ آف بومبے" سے روانہ ہوئے۔ ہم دونوں ایک ہی کیبن میں تھے۔ مولانا ممباسا (کینیا) میں اتر گئے اور میں دارالسلام جانے کیلئے آگے بڑھ گیا۔ بمبئی سے ممباسا تک کے ساتھ میں استاذی العلام نے خوجہ جماعتوں کے تبلیغی

معاملات اور افریقہ کے عام ماحول کو مجھے اچھی طرح سمجھا دیا۔ ایک اہم نصیحت یہ تھی کہ "لوگوں کی دوکانوں پر مت جائیے گا" میں لنڈی پہونچا تو اس نصیحت کے مطابق کہیں آنے جانے سے پرہیز کرتا تھا۔ لوگوں نے شکایتیں شروع کیں کہ "آپ کے پہلے جو مولوی صاحب تھے وہ تو روزانہ ہمارے یہاں آیا کرتے تھے۔ آپ کیوں نہیں آتے؟" میں نے مولانا فرحت حسین صاحب کو خط لکھکر صورت حال بتائی تو مولانا نے تحریر فرمایا: "جب گوشہ نشینی کو غرور و تکبر پر محمول کیا جا رہا ہے تو بہتر ہے کہ کبھی کبھار ایک چکر لگا لیا کیجئے۔"

مولانا ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور ۱۹۶۳ء میں وطن واپس آگئے۔ ۱۹۶۷ء میں شیعہ مسجد (گیا) میں امام الجمعہ والجماعت مقرر ہوئے اور آخر عمر تک وہاں سے وابستہ رہے۔ آخر میں زبان کا کینسر موت کا بلاوا ثابت ہوا اور آپ نے ۱۶ رشعبان ۱۳۹۱ھ / ۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء بروز پنجشنبہ اس دارفانی سے کوچ کیا۔

مولانا عربی، فارسی اور اردو کے بہترین شاعر تھے۔ ان زبانوں میں آپ کے قصائد نوحے اور غزلیں موجود ہیں۔

(ذاتی معلومات، تذکرہ شیعہ علماء و افاضل، سید امانت حسین)

فرحت حسین، سید، بنارسی

۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۲ء

۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء

مولانا سید فرحت حسین صاحب بنارسی مارچ ۱۹۰۲ء (ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ) میں ضلع جونپور میں پیدا ہوئے آپ کے مورث اعلیٰ حافظ امان اللہ صاحب بنارسی اور نگ زیب کے استاد تھے۔ آپ کے دادا جناب محمد علی صاحب بہت ہی باعمل عالم تھے جنہوں نے کاشی کے ظلمت کدہ میں شمع ہدایت روشن کی۔

آپ نے عربی تعلیم مولانا محمد رضا صاحب مرحوم سے حاصل کی۔ ۱۹۱۸ء میں ملا اور ۱۹۲۰ء میں ملا فاضل الہ آباد بورڈ سے پاس کیا۔ ادب اور فقہ کی اعلیٰ تعلیم مولانا سید شبیر حسین صاحب (پرنسپل وثیقہ کالج، فیض آباد) سے حاصل کی۔ عربی استاد کے ساتھ ساتھ ایم۔ اے اور ایم۔ فل بھی کیا۔

۱۹۲۱ء میں کوئنس کالج (بنارس) میں اپنے دادا مولوی محمد علی صاحب کی جگہ پر آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں علیگڈھ تبادلہ ہوگیا۔ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے دینی معاملات میں آپ نے کافی مدد پہنچائی۔ بعدہ گورنمنٹ ہائی اسکول (غازی پور) میں ہیڈ مولوی ہوئے۔

جدید طرز پر ذاکری فرماتے تھے اور اس کارخیر کو بغیر کسی معاوضہ کے انجام دیتے تھے۔

ایک عرصہ تک فالج اور دماغی کمزوری میں مبتلا رہ کر ۲۶ راگست ۱۹۷۱ء شب جمعہ میں عالم بقا کی طرف رحلت کر گئے۔ (۴ ررجب ۱۳۹۱ھ)

(انجمن وظیفہ سادات و مومنین گولڈن جوبلی نمبر۔ الجواد جلد ۲۳ شمارہ ۹ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ)

فرمان علی، حافظ، سید

حدود ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء

م ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء

مولانا حکیم حافظ سید فرمان علی صاحب ان چند ہستیوں میں ہیں جن پر سرزمین بہار کو بجا طور پر ناز ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید لعل محمد ابن سید اصغر علی تھا۔ جو موضع چندن پٹی ضلع دربھنگہ کے رہنے والے تھے۔ مولانا مرحوم کی وفات ۷ رمئی ۱۹۱۹ء کو ہوئی جب انکی عمر چالیس ۴۰ سال تھی اس اعتبار سے انکی پیدائش ۱۸۷۹ء کے حدود میں قرار پاتی ہے۔

مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ کی تاسیس جمادی الاولیٰ ۱۳۰۸ھ / ۲۰ رفروری ۱۸۹۰ء کو ہوئی تھی۔ اور مولانا فرمان علی کے حقیقی چچا زاد بھائی اور برادر نسبتی مولانا فخر الدین اسکے سب سے پہلے ممتاز الافاضل ہوئے تھے۔ وہ اپنے کلاس میں تنہا تھے اسکے بعد والے کلاس میں مولانا سید فرمان علی، مولانا سید محمد ہارون، مولانا سید سبط حسن جائسی اور مولانا سید محمد داؤد زنگی پوری تھے جو ۱۳۱۳ھ میں فارغ ہوئے۔ جنکے فقہ و اصول کا پرچۂ امتحان اس وقت کے مرجع اعلیٰ سید کاظم یزدی (صاحب عروۃ الوثقیٰ) نے ترتیب دیا تھا اور ان حضرات نے عربی میں ایسے جوابات لکھے کہ آیۃ اللہ یزدی نے بہت زیادہ تحسین و آفرین کی قیام لکھنؤ میں آپ نے علم طب بھی حاصل کیا اور اس میں درجۂ کمال تک پہونچ گئے افسوس یہ ہے کہ اس فن میں آپکے استاد کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔

مدرسہ سلیمانیہ، پٹنہ۔

۹ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۰۵ء کو پٹنہ سیٹی میں جب مدرسہ سلیمانیہ کی بنیاد رکھی گئی تو اسکے بانی نواب سید الطاف حسین رضوی صاحب کے التماس پر مولانا سید فرمان علی صاحب نے

اسکی پرنسپل کا عہدہ قبول کر لیا۔ اور انہوں نے مدرسہ کو اس درجہ ترقی دی کہ جب مدرسہ کا چوتھا سالانہ جلسہ ہوا جس میں انگریز کمشنر مہمان خصوصی تھے تو صاحب بہادر نے آپ کی بیحد تعریف کی اور کہا کہ میں نے ایسی عمدہ تعلیم گاہ پہلی دفعہ دیکھی ہے جو بغیر سرکاری امداد کے چل رہی ہے۔ آپ کے تلامذہ میں پروفیسر ڈاکٹر سید اعجاز حسین جعفری۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (لندن) صدر شعبۂ عربی، ڈھاکا یونیورسٹی اور مولوی سید محمد صاحب ایڈوکیٹ، چھند واڑہ مظفر پور کے نام نامی نمایاں ہیں۔

سادگی و خاکساری۔ مولانا حافظ فرمان علی صاحب نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غریب پروری، خاکساری اور اقربا نوازی کے ساتھ ساتھ محنت کی عظمت کے دل سے قائل تھے۔ مظفر پور کی پریکٹس کے زمانے میں بھی اپنا کام خود کرتے تھے۔ غریب رشتہ داروں اور طالب علموں کے ساتھ بے تکلف زمین پر بیٹھ جاتے اور انکے کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس وقت مظفر پور اور دربھنگہ کے درمیان ریل نہیں تھی اور مولانا ستر کلو میٹر کا وہ سفر سائیکل سے کرتے تھے۔ یہ اس علاقہ کی سب سے پہلی سائیکل تھی۔ مومنین اور اہل بستی کی سفارش اہل ثروت سے کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ اسکے باوجود خودداری اور عزت نفس کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے معلوم ہوگا۔

ایک بار مولانا کی اکلوتی بیٹی کی بیماری کی خبر آئی۔ آپ نے دربھنگہ جانے کے لئے چھٹی کی درخواست دی جسے سکریٹری مدرسہ نے منظور نہیں کیا۔ آپ نے درخواست کی پشت پر اپنا استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا اور گھر چلے آئے۔ یہ خبر مذہبی اور سماجی حلقوں میں پھیلی تو پورے عظیم آباد میں تہلکہ مچ گیا۔ لوگ ان کو راضی کرنے کے لئے چندن پٹی تک آئے لیکن آپ نے چھوڑی ہوئی جگہ پر واپس جانا گوارا نہیں کیا۔

مظفر پور۔ اسکے بعد آپ نے مظفر پور میں طبابت شروع کی۔ حکیم حاذق کی حیثیت سے ان

کی شہرت پھیل گئی اور انگریز ڈاکٹروں کی پریکٹس ماند پڑ گئی۔

حفظ قرآن

مظفر پور میں مدرسہ جامع العلوم چھنڈواڑہ کے مدرس اعلیٰ ،مولوی رحمۃ اللہ آپ کے پڑوسی تھے۔ دونوں میں بے تکلفی تھی ایک بار مولانا رحمۃ اللہ نے مذاق میں کہا کہ شیعوں میں حافظ نہیں ہوتے آپ نے اسی دن سے قرآن حفظ کرنا شروع کر دیا اور پانچ ماہ کے مختصر عرصہ میں قرآن حفظ کر لیا۔ اس کارنامہ کو دیکھنے کے لئے دور دور سے قاری اور حافظ جمع ہوئے اور سب نے آپکی خداداد یادداشت کا لوہامان لیا۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ جسطرح آپ سورۃ "الحمد" سے "سورہ الناس" تک سنا سکتے تھے اسی طرح "سورہ الناس" سے سورہ "الحمد" تک سنا سکتے تھے۔ مولانا کو اپنے کمال علم کے ساتھ حفظ کے مقابلوں اور مناظروں میں دور دور تک جانا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں غالباً وہ پہلی مرتبہ پنجاب میں اسوقت گئے جب قادیانیوں سے قادر آباد گجرات میں مناظرہ تھا۔

شادیاں اور اولاد

آپ کی شادی آپکے چچا سید ظہیر الدین ابن سید اصغر علی کی صاحبزادی کنیز سیدہ سے ہوئی تھی۔ جو مولانا سید فخر الدین کی بہن تھیں۔ کئی اولادوں میں صرف ایک بیٹی بی بی ہاجرہ زندہ رہیں۔ اولاد نرینہ کی تمنا میں مولانا مرحوم نے محلہ کمرہ مظفر پور میں ایک بیوہ مومنہ سے بھی شادی کی تھی مگر ان سے بھی صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی جو کمسنی میں انتقال کر گئی۔ مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد بی بی ہاجرہ کی شادی مولانا سید صغیر حسن صاحب (ملک پوری) سے ہوئی جو مدرسہ سلیمانیہ میں مدرس تھے۔

تصنیفات وتالیفات

مدرسہ سلیمانیہ کے نصاب کی ترتیب کے سلسلہ میں آپنے اردو دینیات کی ۶ کتابیں لکھیں جن میں سے تین طبع ہوئیں اور آج تک پریس والے اس کی مانگ کے مدنظر اسے چھاپتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ "کتاب النحو" اور "کتاب الصرف" لکھی تھی جو بہت دنوں تک مقبول رہی۔

اہل حدیث کے نامور عالم مولوی ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر اہل حدیث (امرتسر) سے آیۂ ولایت کی تفسیر پر آپ سے تحریری مناظرہ ہوتا رہا جو اہل حدیث اور اصلاح میں چھپتا رہا۔ ادارۂ اصلاح نے ان مضامین کا مجموعہ "الولی" کے نام سے شائع کیا۔ لیکن جس چیز نے مولانا حافظ سید فرمان علی کو زندۂ جاوید بنا دیا وہ ان کا ترجمہ قرآن مجید ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ بہار کے ایک دیہات کے رہنے والے کی زبان میں ایسی شگفتگی سلاست و معنی خیزی کہاں سے آ گئی اور ایسی کوثر میں دھلی ہوئی زبان ان کو کہاں سے مل گئی۔ کہ عزیز لکھنوی جیسے استاد فن نے یہ لکھا کہ "میرا عقیدہ ہے کہ اگر کتاب اللہ اردو زبان میں نازل ہوتی تو آپ کے ترجمہ میں اور اس میں ایک لفظ کا فرق نہیں ہوتا۔" قرآن مجید کے حواشی میں آپ نے فضائل اہل بیتؑ کی آیتوں کی تشریح از اول تا آخر اہل سنت کی معتبر کتابوں سے کی ہے۔ اور اس چیز نے آپ کے ترجمہ قرآن کو مولانا مقبول احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ اور حواشی سے ممتاز کر دیا ہے۔

کراچی کے حاجی حسن علی ، پی ابراہیم مرحوم بانی و متولی پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ نے اس ترجمہ کو چھپوانا چاہا تو مولانا سید نجم الحسن کراروی مرحوم (پشاور) سے فرمائش کی کہ وہ ترجمہ و حواشی پر نظر ثانی کریں۔ مولانا نے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے ان تبدیلیوں کو مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کو دکھا لیا ہے

راقم الحروف نے جب استاذ محترم مولانا محمد مصطفیٰ جوہر سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مولانا نجم الحسن صاحب نے چند چیزیں ادھر ادھر سے پڑھ کر سنائیں تھیں۔ میں نے بالاستیعاب ان کے ترمیمات کو نہیں دیکھا ہے۔ ان مطبوعہ کتابوں کے علاوہ "فدک" اور سوانح عمری جناب "فاطمہ زہرا" لکھی تھی جو ضائع ہوگئی۔

وفات

۱۹۱۶ء میں مظفر پور میں ہیضہ کی وبا آئی جس میں آٹھ دن مبتلا رہ کر مولانا فرمان علی نے ۴ رجب ۱۳۳۴ھ ۷ رمئی ۱۹۱۶ء کو رحلت فرمائی۔ اور کمپنی باغ مظفر پور کربلا میں دفن ہوئے مولانا محمد مصطفیٰ جوہر نے مجھے صفی لکھنوی مرحوم کی کہی ہوئی تاریخ وفات سنائی تھی۔

فکر نے کوہ کنی کی تو یہ نکلی تاریخ   ایک "الحمد" کو ہے حافظ قرآں محتاج

۳۱   ۱۹۴۷-۳۱=۱۹۱۶

دوسرے مصرع کے اعداد میں سے "کوہ" کے اعداد (۳۱) کا تخرجہ کیا گیا ہے

شیخ محمد جان عروج فیض آبادی کا قطعہ تاریخ مولانا کی سیرت و تاریخ وفات پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس لیے نقل کیا جاتا ہے

وا دریغا، اٹھ گیا دنیا سے وہ یکتائے عصر   جس کا اب ممکن نہیں اس دور میں ثانی کہیں
علم طب میں بے بدل، دست شفا، حکمت مآب   تھے یہاں کی سرزمین پر مسیحؑ گردوں نشیں
واعظ و ذاکر، محدث، مادح آل عبا   کامل علم کلام و عالم دین متین
متقی، حافظ، زاہد، عابد و پرہیزگار   روز روشن تھا نشان سجدہ بالائے جبیں
تھے معاون جان و دل سے شیعیان ہند کے   رکن اعلیٰ تھے زار کان گروہ مومنین
سید عالی نسب والا حسب ذی افتخار   یعنی فرمان علی، از آل فخر المرسلین

جنت اسہال و واہی یک بیک ایسے پڑے   روز اول ہی ہلاکت کا ہوا خود کو یقین
آٹھ دن نامی معالج کا ہوا کامل علاج   پر مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوائیں جتنی کیں
ڈاکٹر، بید اور اطبائے زماں کیا کر سکیں   جب کہ فرمان قضا میں اس مسیحا کا نہیں
چوتھی کو ماہ رجب کی روز یکشنبہ کی صبح   دار فانی سے ہوئے دار بقا، رحلت گزیں
سال ہجری، عیسوی کی فکر ہی میں تھا عروج   ناگہاں آئی صدائے خازن خلد بریں
جا ہے جنت میں فرمان علی حق پسند   پائی جب آواز طبتم فادخلوہا خالدین

۱۳۳۴ھ   ۱۹۱۶ء

فضل حسین سید

ـــ ھ ـــ ء
۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء

مولانا سید فضل حسین صاحب فخرالافاضل، بنارس کے قدیم خاندان کے رکن رکین اور تکیا تالہ کراہ کے باشندے تھے۔ جامع العلوم جوادیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہیں پر مدرس ہو گئے۔ ماہنامہ الجواد کے اعزازی مدیر بھی تھے۔

آپ نے ۲۹ مارچ ۱۹۶۲ھ (= ۲۲ رشوال ۱۳۸۱ھ) کو رحلت فرمائی

(ذاتی معلومات، الجواد جلد نمبر ۳ نمبر ۵ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ)

فقیر حسین ۔ شیخ عظیم

۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء
۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء

مولوی حکیم حاجی فقیر حسین صاحب المتخلص بہ عظیم، حسین گنج ضلع سارن کے رؤسا میں تھے اور بہت ہی باکمال تھے۔ شاعری میں مرزا دبیرؔ اعلی اللہ مقامہ کے منتخب شاگردوں میں تھے۔ اور ایسے باکمال تھے کہ ایک بار مرزا صاحب مرحوم کسی سالانہ مجلس کے لئے نیا مرثیہ نہ کہہ سکے تو عظیم کا مرثیہ لے کر اور انہیں کے نام سے پڑھا۔

میں نے ان کا حال ان کے ورثاء سے حاصل کر کے اپنے دوست ذاکر حسین فاروقی مرحوم (ممبئی) کو بھیجا تھا جسے انہوں نے اپنی پی۔ ایچ۔ ڈی کی تھیسس "دبستان دبیرؔ" میں شامل کیا تھا۔ اور

مندرجہ ذیل بیان اسی کتاب سے نقل کیا جاتا ہے:۔

الحاج مولوی، حکیم، شیخ فقیر حسین عظیم ـــ مرزا دبیر صاحب کے ان شاگردوں میں شامل ہیں، جن پر خود استاد کی ذات بھی ناز کر سکتی ہے۔

وہ جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ مطابق، جنوری ۱۸۲۸ء میں مجھوہ، ضلع سارن بہار میں پیدا ہوئے، جہاں ان کی ننہیال تھی، اصل رہنے والے حسین گنج ضلع سارن کے تھے ان کے والد حکیم شیخ تفضل حسین اپنے علاقے کے رئیس اعظم اور طبیب حاذق تھے موروثی جائداد اور طبابت کے علاوہ نیل کی کوٹھیاں بھی تھیں اور اعلیٰ پیانہ پر تجارتی کاروبار چلتا تھا۔ عظیم نسباً شیخ صدیقی تھے اور ان کا سلسلۂ نسب حضرت محمد بن ابی بکر پر منتہی ہوتا ہے۔ دربار حسینی میں ان کے مورث اعلیٰ کا نام ابوہریرہ درج ہے لیکن انکے افراد خاندان سے معلوم ہوا کہ یہ بالکل غلط ہے۔

عظیم نے علوم متداولہ اور علم طب کی تکمیل لکھنؤ میں کی، وہیں شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا تو مرزا دبیر صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔

وطن واپس ہوئے تو مطب شروع کیا جو جلد ہی چمک اٹھا، دور، دور سے لوگ علاج کرانے آتے تھے ۱۲۹۶ھ میں حج سے مشرف ہوئے اور دو مرتبہ کربلائے معلیٰ بھی گئے، حج سے واپسی پر بمبئی میں مطب شروع کیا جس میں بڑی کامیابی ہوئی اُمراء و تجار اُن سے علاج کراتے تھے جس سے ہزاروں کی آمدنی تھی، لیکن جب سنا کہ ان کا ایک غریب رشتہ دار بیمار ہو کر حسین گنج آیا ہوا ہے تو ہزاروں کی آمدنی اور جما جمایا مطب چھوڑ کر حسین گنج چلے گئے اور اس غریب کا علاج کیا۔

عظیم، عالم باعمل تھے کڑکڑاتے جاڑوں میں بھی نماز شب ناغہ نہیں ہوتی تھی سخاوت اور

مہمان نوازی میں فرد تھے۔ خط بڑا پاکیزہ تھا۔ چنانچہ راقم الحروف (ذاکر حسین فاروقی) کے پاس ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا اک مرثیہ ہے۔ جس کا خط اتنا دل کش اور نفیس ہے کہ جی خوش ہو جاتا ہے۔

مہمان نواز ایسے تھے کہ جب تک دستر خوان پر مہمان نہ ہوں کھانا نہیں کھاتے تھے اکثر تو مہمانوں کے انتظار میں آدھی، آدھی رات تک جاگتے رہتے تھے۔

غریبوں سے بہت جھک کے ملتے تھے۔ اور اگر کوئی غریب مجلس کرتا تو اس میں سب سے پہلے پہونچ جاتے تھے—— اگر وہ عین وقت پر فرمائش کر دیتا تو بے تکلف منبر پر بیٹھ جاتے تھے اور خوانندگی شروع کر دیتے تھے۔ آواز میں ایسی کھنک پائی تھی کہ چند جملوں میں پٹس ڈال دیتے تھے۔ معظم کے دو بیٹے ان کی نگاہوں کے سامنے دنیا سے اٹھ گئے جس کے نتیجے میں ان کی صحت خراب ہوگئی اور آخر——

۹ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۸۹۸ء کو خود بھی عالم فانی سے دار باقی کو سدھار گئے۔

(دبستان دبیر از ذاکر حسین فاروقی)

فیاض حسین، مبارک پوری

۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء

۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

مولانا شیخ فیاض حسین ابن محمد ابراہیم صاحب، محلہ پورہ صوفی، قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے۔ اپنے وطن میں حدود ۱۹۰۹ء (= ۱۳۲۷ء) میں پیدا ہوئے۔ وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد جامع العلوم جوادیہ (بنارس) میں داخل ہوئے جہاں سے فخر الافاضل کی سند حاصل کی۔ پھر مدرسۃ الواعظین کے کورس کی تکمیل کر کے واعظ ہوئے۔ عرصہ تک رسالہ الواعظ کے مدیر بھی رہے۔ مدرسۃ الواعظین کی طرف سے مختلف مقامات کے تبلیغی دورے کئے۔ کاٹھیاواڑ میں دس سال سے زیادہ عرصہ تک تبلیغی خدمات انجام دئے۔ مسقط (عمان) میں مجلسیں پڑھنے کے لئے مدعو کئے جاتے تھے۔ ان سب مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ مدرسہ باب العلم (مبارک پور) میں تدریس بھی فرماتے تھے۔

تصانیف

(۱) تاریخ وعقائد شیعہ امامیہ، (۲) صاحب الامر ؑ (۳) نغمہ وفغاں (مرثیہ وقصائد کا مجموعہ) تینوں کتابیں اردو میں ہیں اور مطبوعہ ہیں۔

پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں یادگار چھوڑیں

۲۶ / جمادی الاولی ۱۳۹۴ / ۱۸ / جون ۱۹۷۴ء کو ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مبارک پور کے قبرستان (شاہ پنجہ) میں دفن ہوئے۔

فیاض حسین، ولید پوری

حدود ۱۳۲۷/۱۹۰۹

۱۳۹۵/۱۹۷۵

مولانا شیخ فیاض حسین ابن حکیم محمد علی مرحوم محلہ بچلا پورا، ولید پور، ضلع مئو (یوپی) میں حدود ۱۹۰۹ء (= ۱۳۲۷ھ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سنی مدرسہ نور الاسلام میں پائی۔ پھر مبارک پور کے مدرسہ باب العلم میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد جامع العلوم جوادیہ میں داخل ہوئے جہاں سے فخر الافاضل کیا۔ ۱۹۳۱ء میں جب راقم الحروف جوادیہ پہنچا اس وقت مولانا فیاض حسین صاحب مدرسہ کے آخری درجوں میں تھے اور ان کی غیر معمولی قابلیت وصلاحیت کا ہر شخص کو اعتراف تھا۔ فخر الافاضل کرنے کے بعد گھر کے کاروبار سے متعلق ہو گئے۔ لیکن دینی خدمتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ بہت اچھے مقرر اور ذاکر تھے مجلسیں عمدہ پڑھتے تھے۔

۱۹۵۲ء میں اپنے وطن میں مدرسہ حسینیہ اور امام باڑے کے ساتھ ملحق بیت الصلوٰۃ کی تعمیر شروع کرائی جو ان کی وفات کے بعد پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ اپنے قصبہ کے باہر ٹونس ندی کے کنارے ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کرائی۔

۹ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ / ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو اپنے وطن میں صبح کی نماز کے لئے مصلے پر بیٹھے تھے کہ اسی حالت میں بارگاہ الٰہی میں پہونچ گئے۔ وطن ہی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

(ابرار حسین ولید پوری، جو مولانا مرحوم کے بڑے داماد ہیں)

فیض حسین

الذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید فیض حسین نے علامہ حلی کی کتاب التبصرہ کا ترجمہ اردو میں شریعۃ الرسول کے نام سے کیا تھا۔

الذریعہ کی دوسری جلدوں میں سید فیض حسین الہندی کا ذکر ہے۔ جو غالبا حیدر آباد میں رہتے تھے۔ اور حسب ذیل کتابیں لکھی تھیں۔

(۱) ضیاء الحسین فی تواریخ الحسین (جلد اول حیدر آباد میں چھپی تھی)

(۲) عین الیقین فی مناظرۃ باب النبوۃ (طبع حیدر آباد)

یہ پتہ نہ چل سکا کہ ان دونوں جگہوں پر ایک ہی شخص کا ذکر ہے یا یہ دو علیحدہ شخصیتیں تھیں۔

قاسم حسین، شیخ، واعظ

۱۳۴۲/۱۹۲۳

۱۴۰۳/۱۹۸۳

مولانا شیخ قاسم حسین واعظ ابن شیخ محمد تقی صاحب، محلہ کمال پورہ، بنارس میں ۳ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ / (= ۸ اپریل ۱۹۲۳ء) کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد جامع العلوم جوادیہ میں داخل ہوئے جہاں سے فخر الافاضل کیا۔ اسی دوران میں الہ آباد بورڈ سے مولوی اور عالم کی سندیں حاصل کیں۔ پھر مدرسۃ الواعظین کے کورس کی تکمیل کرکے واعظ ہوئے۔ اور تبلیغی دورے کئے۔ وقف زینب بی بی (محلہ نیاؤ شہید) کے متولی ہوئے اور اس کے ذریعہ ایک مدرسہ قائم کیا جو چل رہا ہے۔ مسجد عارف (محلہ چکی باغ، بنارس) میں امامت نماز کے فرائض ادا کرتے رہے۔ احمد آباد،

رائے پور، شکارپور، انجمن سادات، کامٹی، بہار اور گجرات میں دینی خدمات انجام ہوئے۔ مخصوص انداز میں مختار نامہ پڑھتے تھے جو مومنین کو بہت پسند تھا۔ مذہبی مضامین بھی لکھتے تھے جو الجواد میں شائع ہوئے۔

گجرات میں مولانا کو دل کا دورہ پڑا اور وہیں ۱۲ر نومبر ۱۹۸۲ء (= ۱۴۰۳ھ) کو انتقال فرمایا۔ جو رشید ثالث (آگرہ) میں دفن ہوئے۔

(مولانا سید شمیم الحسن صاحب)

قاسم علی، مرزا

مرزا قاسم علی صاحب (جو مولوی قاسم علی رضا کربلائی مشہدی کے نام سے مشہور تھے) لکھنؤ کے باشندے اور مشہور ذاکر اہل بیت تھے۔

(۱) مجالس کی ایک مفصل کتاب تیر المصائب (۵ جلدوں میں) لکھی تھی۔

(۲) پھر اس کی تلخیص شرح المصائب کے نام سے لکھی۔

باقی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۳) تذکرۃ الطاہرین (۵ جلدیں)

(۴) نزہۃ المصائب (۸ جلدیں) مطبوع در ۱۳۲۸ھ

(۵) در المصائب (الذریعہ جلد نمبر ۴)

قائم حسین

الذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رجوعہ سادات میں امام جماعت تھے اور آپ نے ایک کتاب، راہ جنت، اثبات عزاداری میں تصنیف کی تھی۔

قربان علی، سید

رسالہ اصلاح (محرم ۱۳۲۲ھ) میں شائع شدہ جس تحریر کا ذکر مولانا سید فخر الدین صاحب کے حالات میں آیا ہے، اسی تحریر میں پانچواں نام "مولوی سید قربان علی صاحب، طبیب در مظفر پور" کا ہے۔

قمر الدین ڈاکٹر

سنہ وفات
۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء

حکیم ڈاکٹر قمر الدین صاحب ویٹیرنری ڈاکٹر تھے۔ اور منٹگمری میں مقیم تھے ڈاکٹر صاحب کا ایک عمدہ تحقیقی مضمون اصلاح جلد نمبر ۱۶ (ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ) میں چھپا تھا۔

آپ کے انتقال کی خبر اصلاح جلد نمبر ۱۸ نمبر ۴ (ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ) میں ان الفاظ میں چھپی تھی:

"علم مناظرہ میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ صدہا آدمیوں کو راہ حق دکھائی پنجاب میں جہاں مناظرہ ہوا وہاں آپ کی صلاح اور مشورہ کو ضرور دخل ہوتا تھا افسوس کہ ان کی وفات سے ترویج دین میں بڑا رخنہ پڑا۔"

کاظم حسین، شیخ

۱۳۳۴ / ۱۹۱۶

۱۳۸۳ / ۱۹۶۳

مولانا شیخ کاظم حسین صاحب جناب ممتاز حسین مرحوم بناری کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۱۹۱۶ء (= ۱۳۳۴ھ) میں دوسی پورہ بنارس میں ہوئی۔ آبائی وطن مصطفےٰ آباد جلال پور ضلع فیض آباد تھا مگر آپ کے جد امجد ہجرت کر کے بنارس آگئے اور اسی شہر کو اپنا وطن بنالیا۔

ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں داخل ہوئے جہاں سے الہ آباد بورڈ کے امتحانات، مولوی (۱۹۳۱ء) اور عالم (۱۹۳۲ء) پاس کئے۔ پھر سلطان المدارس تشریف لے گئے جہاں سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ قیام لکھنؤ کے زمانہ میں لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب (۱۹۳۴ء) اور الہ آباد بورڈ سے فاضل فقہ (۱۹۳۶ء) کے امتحانات پاس کئے۔ تکمیل کے بعد بنارس واپس آئے تو جامع العلوم جوادیہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں جب راقم الحروف جوادیہ میں داخل ہوا تو آپ سے شرائع الاسلام (کتاب النکاح)، تلخیص المفتاح اور دیوان متنبی (قافیہ دال تک) پڑھا۔ طلبہ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔

ادارۂ عالیہ اسلامیہ

مولانا نے ۱۹۳۶ء میں بچوں کے لئے ایک شبینہ مکتب قائم کیا تھا۔ مخیر حضرات کے تعاون، بنارس میونسپل بورڈ اور سرکاری ایجنسیوں کی مختصر گرانٹ سے یہ مکتب ترقی کر کے ایک بڑے مکان میں منتقل ہوگیا اور اس کا نام "ادارۂ عالیہ اسلامیہ" رکھا گیا۔ ۱۹۴۶ء میں یہ ادارہ ۱۸۶۰ء کے ایکٹ ۲۱ کے تحت رجسٹرڈ ہوگیا۔ ادارہ کے بڑھتے ہوئے کام کو سنبھالنے کے لئے آپ نے مدرسہ جوادیہ سے ۱۹۴۷ء میں استعفیٰ دیدیا اور اپنے کو ادارہ کے لئے وقف کردیا۔

۱۹۴۰ء میں آپ نے ایک قیمتی کتب خانہ اور دار المطالعہ عوام اور طلبہ کے فائدے کے لئے قائم کیا۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ قائم کی جسکا الحاق انجمن ترقی اردو (ہند) سے ۱۹۴۲ء میں ہوگیا۔ ۱۹۵۳ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ دوران سفر طبیعت خراب ہوئی اور مرض نے طول پکڑ لیا جس کا سلسلہ عرصہ تک رہا۔ آپ کی بیماری اور منتظمین کی بے توجہی سے ادارہ عالیہ اسلامیہ ختم ہوگیا۔ صحتیابی کے بعد آپ دوبارہ جامع العلوم جوادیہ میں بطور وائس پرنسپل واپس آگئے۔

جس زمانہ میں سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے شعبہ شیعہ دینیات کے ڈین تھے، انہوں نے مولانا کاظم حسین صاحب کو بحیثیت شیعہ پیشنماز علیگڈھ بلالیا۔

وفات

۸ رشعبان ۱۳۸۳ھ / ۲۵ ردسمبر ۱۹۶۳ء کو حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرمایا اور مسلم یونیورسٹی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

آپ کے صاحبزادے مولوی فرمان حسین صاحب مسلم یونیورسٹی کے شیعہ دینیات کے شعبہ میں پروفیسر ہیں۔

(مولانا سید شمیم الحسن، بنارس)

کاظم علی سید

سید کاظم علی صاحب نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

۱۔ اسم اعظم (امیر المومنین کی سوانحعمری) مطبوع

۲۔ اصلاح المرام۔ مطبوع

۳۔ فاروق اعظم (سوانحعمری خلیفۂ دوم حسب روایات اہل سنت)

کرار حسین، سید، رئیس الواعظین

۱۳۵۶/ ۱۹۳۷

۱۳۲۰/ ۲۰۰۰

رئیس الواعظین مولانا سید کرار حسین صاحب اپنے وطن میر پور ضلع اعظم گڈھ (یو۔پی) میں ۱۴ راگست ۱۹۳۷ء (۴ ر جمادی الثانیہ ۱۳۵۶ھ) کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید رفیع الحسن صاحب تھے جو رفیق میاں کے نام سے مشہور تھے۔ رفیق میاں آیۃ اللہ ظفر الملۃ کے پھوپھا تھے۔

وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد کرار صاحب ۱۹۴۳ء میں جوادیہ لائے گئے۔ اور کچھ عرصہ تک ابتدائی عربی بھی سرکار ظفر الملۃ ہی سے پڑھی۔ فخر الافاضل کرنے کے بعد وہ مدرسۃ الواعظین میں داخل ہوئے۔ وہاں کی تعلیم مکمل کر کے کئی سال مدرسۃ الواعظین کی طرف سے تبلیغی خدمات انجام دیے۔ پھر اپنے طور پر طول و عرض ہند و پاک بلکہ بیرون ہند بھی جاتے رہے۔

ان کی ذاکری ۱۹۵۵ء میں شروع ہوئی تھی۔ ان کے تحریری خدمات کا سلسلہ ۱۹۶۲ء میں شروع ہوا جب انھوں نے غلام جیلانی برق کی کتاب "بھائی بھائی" کے جواب میں "ہابیل قابیل" لکھی۔ یہ ان کی طالب العلمی کا آخری زمانہ تھا۔

ان کی تحریر و تقریر کی چاشنی کا گر ان کے اس اسلوب میں پنہاں تھا جس کے موجد وہی تھے (اور شاید خاتم بھی) وہ انبیائے سلف کے حالات میں اتنی بے ساختگی سے کنایوں اور تلمیحوں کا استعمال کرتے تھے کہ بغیر توجہ دلائے ہوئے پڑھنے اور سننے والوں کا ذہن خود بخود صدر اسلام کے واقعات کی طرف ملتفت ہو جاتا تھا۔ اسی طرح صدر اسلام کے سیاسی جوڑ توڑ کا پرتو عصر حاضر کے نشیب و فراز کو اجاگر کر دیتا تھا۔

ذاکری

جب ۱۹۵۵ میں انھوں نے ذاکری شروع کی تو اس وقت کے مقبول رجحان کو سامنے رکھتے ہوئے مناظرانہ انداز بیان اختیار کیا۔ ایک عرصہ تک اس ہتھیار کے ذریعہ دینی عقائد و اصول کو ذہنوں میں رائج کر دیا۔ اس کے بعد خطیب اعظم سید غلام عسکری مرحوم کی دوستی کے فیض سے تبلیغی اور اصلاحی انداز بیان کو اپنایا۔ اور اس ذریعہ سے مرکزی مقامات پر تبلیغی مجالس کا انعقاد کرایا۔ مساجد میں نماز جماعت کی بنیاد رکھی دینی مکاتب کا قیام عمل میں آیا۔ سماجی اور معاشرتی پروگراموں میں اصلاح رسوم کی بنیاد پڑی۔ ان کی ذاکری کے مشہور واقعات میں مبارک پور کا تاریخی مناظرہ۔ احمد آباد (گجرات) کی سالانہ مجالس اور نوادہ چاند پور (اعظم گڈھ) میں شیعیت کی شجرکاری شامل ہیں جنھیں بہ خوف طول نظر انداز کرتا ہوں۔

ان کی تقریر برادران اہل سنت میں بھی مقبول تھی چنانچہ سیرت اور میلاد النبی کے جلسوں میں اکثر بلائے جاتے تھے۔

تصانیف

زمانۂ طالب العلمی ہی سے ان کے مضامین الجواد (بنارس) الواعظ (لکھنؤ) اور دیگر قومی اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

مستقل تصانیف حسب ذیل ہیں

(۱) ہابیل قابیل (۲) نور و نار (۳) باغی (قضیہ فدک پر مفصل بحث) (۴) سازش (واقعۂ قرطاس) (۵) مجرم (بہ جواب انکشاف حقیقت) (۶) تاریخ الشیعہ (۷) وکیل عزا (۸) ملیکۃ العرب (حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی مفصل سوانح عمری) (۹) ام المومنین عائشہ (۱۰) علی ولی اللہ (۱۱)

نماز قرآن وعترت کے آئینہ میں (۱۲) خطبہ غدیر (۱۳) مبارکپور میں کیے گئے تحریری حملوں کے جوابات کے طور پر سات مختصر رسالے۔

کچھ ایسے مضامین یا پمفلٹ بھی ہوتے تھے جن کو وہ اپنے نام سے شائع کرنے کے بجائے قلمی ناموں (مثلاً ابن رفیع) سے منسوب کرتے تھے۔

ادارہ تنظیم المکاتب

خطیب اعظم مولانا غلام عسکری صاحب مرحوم کے حالات میں ادارہ تنظیم المکاتب کی تاسیس کا حال تفصیلاً لکھا جائے گا۔ یہاں اتنا لکھنا ضروری ہے کہ خطیب اعظم نے مولانا کرار حسین کے "ساتھ دیجئے" کے وعدہ کے بعد ہی تنظیم المکاتب کے قیام کیلئے استخارہ کیا۔ اور ۱۵ رجمادی الاولی ۱۳۸۸ھ/۱۱ راگست ۱۹۶۸ء کو جو پہلی کمیٹی بنی اس میں خطیب اعظم سکریٹری اور کرار حسین جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوئے۔ خطیب اعظم کی وفات کے بعد وہ اس کے سکریٹری ہوئے۔ مولانا سعادت حسین صاحب نے جب صدارت چھوڑی تو علامہ ذیشان حیدر جوادی (جو نائب صدر تھے) صدر ہوگئے اور مولانا کرار حسین نائب صدر بنائے گئے۔

اخبار تنظیم المکاتب

جب یہ اخبار (پندرہ روزہ) جاری ہوا تو ایک عرصہ تک مولانا کرار حسین صاحب اس کے ایڈیٹر رہے۔

مجلہ البیان

یہ سہ ماہی رسالہ حجۃ الاسلام سید محمد موسوی (نجفی ہاؤس، ممبئی) کی سرپرستی میں جاری ہوا جس کے ایڈیٹر مولانا کرار حسین صاحب تھے۔ پہلا شمارہ (محرم تا ربیع الاول ۱۴۱۷ھ) محمد آباد گوہنہ

(ضلع مئو) سے شائع ہوا۔ اس کے مضامین قابل قدر ہوتے تھے۔ مخالفین کی سازشوں کے نتیجہ میں دو سال کے بعد آقائی موسوی نے اس کی کمک بند کردی تب سے اسکی اشاعت میں پابندی نہ رہی۔

محمد آباد گوہنہ کی سکونت

آپ کا وطن میرپور تھا لیکن وہاں سے آمد ورفت میں بہت دشواریاں تھیں اس لئے آپ نے سیدواڑہ محمد آباد گوہنہ میں سکونت اختیار کرلی۔ وہاں کے قیام میں آپ نے شاہی مسجد میں نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ کی امامت شروع کی اور اس طرح مسجد کو ناصبیوں کے قبضہ سے بچایا۔ سیدواڑہ کی دینی فضا میں ترقی کے اثرات قرب وجوار کی بستیوں میں بھی محسوس کئے جانے لگے۔ اور اصلاح معاشرہ کا کام تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

مرض اور وفات

اگست ۱۹۹۸ء میں رئیس الواعظین کے حلق میں کینسر (سرطان) کے آثار ظاہر ہوئے۔ ممبئی کے علاج سے وقتی سکون ہوا۔ لیکن پھر مرض بڑھتا گیا۔ آخری دنوں میں جامع العلوم جوادیہ (بنارس) میں آکر مقیم ہوئے اور علاج جاری رہا۔ آخر وہیں پر ۲۰ رذی الحجہ ۱۴۲۰ھ/ ۲۷ رمارچ ۲۰۰۰ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔ لاش محمد آباد گوہنہ لے جائی گئی۔ اس آخری سفر کے پہلے جامع العلوم جوادیہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ پھر محمد آباد گوہنہ میں ۲۱ رذی الحجہ کو مولانا سید شمیم الحسن صاحب نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم کو ان کے گھر کے نزدیک صدر امام باڑہ میں سپرد خاک کردیا گیا۔

کفایت حسین، رئیس الحفاظ

۱۲-۱۳۱۵/۱۸۹۸
۱۳۸۸/۱۹۶۸

رئیس الحفاظ علامہ کفایت حسین صاحب کے ضروری حالات زندگی اس "سوانحی خاکہ" سے نقل کے جاتے ہیں جو کتاب کفایۃ الواعظین (جلد اول) میں شائع ہوا تھا۔:۔

"موصوف ۱۸۹۸ء میں شکار پور ضلع بلند شہر یو۔پی۔ میں پیدا ہوئے۔

آباؤ اجداد کے تعارف کے لئے بقول علامہ موصوف فقط اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ سب کے سب شیعہ تھے۔ والد ماجد کا نام عبداللہ تھا اور پیشہ تجارت تھا، جنھوں نے نیت کی تھی کہ اگر فرزند عطا ہوا تو خدمت امام حسینؑ کے لئے وقف کر دیں گے۔ چنانچہ بچے کی ولادت کے بعد نام "کفایت حسین" رکھا گیا۔

ابتدائی تعلیم کے لئے شمس العلماء مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ کے ایک شاگرد مولانا محمد عوض صاحب کے قائم کردہ مدرسہ احسن المدارس میں داخل کروایا گیا۔ جہاں سے آپ نے حافظ مہدی حسن صاحب سے دس پارے یاد کئے۔ ان کے بعد حافظ سید غلام حسین صاحب مدرس مقرر ہوئے۔ جن سے آخر تک کلام پاک حفظ کیا۔

۱۹۰۹ء میں جب قرآن مجید مکمل حفظ کر لیا تو آپ کو مولانا حافظ فیاض حسین صاحب، مدرس مدرسہ منصبیہ کی خدمت میں سنانے کی غرض سے بھیجا گیا جہاں آپ ۳ ماہ قیام پذیر رہے۔

ثانوی تعلیم اوائل ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۵ء تک مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ سے حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی سے، ملا فاضل الہ آباد یونیورسٹی سے، اور مدرسہ ناظمیہ کے فاضل کے امتحانات اول پوزیشن میں پاس کئے۔ ۱۹۱۷ء میں منشی فاضل پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔

۱۹۱۸ء میں ممتاز الافاضل کا امتحان دیا اور تمام طلباء میں اول آئے جشن پر مدرسہ کا خاص انعام عبا اور عمامہ حاصل کیا۔

۱۹۱۹ء میں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ اوائل ۱۹۲۰ء میں اپنے ہی خاندان میں پہلی شادی ہوئی جن کے بطن سے ۳ لڑکیاں اور ایک لڑکا موجود ہے۔

۱۹۲۰ء میں تبلیغ کے لئے پشاور روانہ کئے گئے۔ ۱۹۲۲ء میں سرکار نجم العلماء اعلی اللہ مقامہ نے مبلغ ہونے کا سرٹیفکیٹ عنایت فرمایا۔

۱۹۲۵ء میں حکومت کی طرف سے سرحدی علاقے کا محکمہ قضا آپ کے سپرد ہوا۔ چنانچہ موصوف کرم ایجنسی تشریف لے گئے جہاں لوگوں نے پر جوش استقبال کیا۔ وہیں ۹ ماہ کی مدت میں پشتو زبان پر پوری دسترس حاصل کی تاکہ فیصلوں میں غلطی کا امکان نہ رہے۔ کرم ایجنسی میں آپ نے انجمن شباب الشیعہ و انجمن حسینی کی بنیاد رکھی اور حفظ قرآن کا ایک مدرسہ قائم کیا۔

۱۴ر جولائی ۱۹۲۵ء سیالکوٹ میں حفظ قرآن کے معرکۃ الآراء مناظرہ کو اس طرح جیتا کہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور سید محمد شاہ حنفی نے لکھ دیا کہ "مولوی حافظ کفایت صاحب نہایت اعلیٰ درجہ کے حافظ قرآن ہیں اور من حیث الحفظ خواص سے کم نہیں۔ صاحب موصوف نے عام مجمع میں پانچ پارے سنائے اور ایک گھنٹے سے ایک منٹ بھی زیادہ نہ ہونے دیا۔"

اس کامیابی سے شیعیت کی تبلیغ کے لئے میدان ہموار ہو گیا۔

۱۹۳۲ء میں آپ نے محکمۂ قضا سے بحکم حضرت نجم العلماء استعفیٰ دیدیا۔

۱۹۳۳ء میں آپ منجانب حکومت پنجاب و سرحد کے محکمۂ اوقاف کے نائب متولی مقرر ہوئے۔

۱۹۳۴ء میں آپ کو مبلغ اعلیٰ ہونے کا اعزاز اور سرکار نجم الملت کی جانب سے ثالث الخیرین

کا خطاب ملا۔ ۱۹۳۹ء میں شیعہ ایجی ٹیشن لکھنؤ میں نمایاں خدمات سرانجام دیں اگر حافظ صاحب پنجاب اور سرحد سے کمک نہ پہنچاتے تو یہ ایجی ٹیشن کامیاب نہ ہوتا

۱۹۴۳ء میں نواب رام پور سر رضا علی مرحوم نے تفسیر قرآن مرتب کرنے کے لئے آپ کی خدمات حاصل کیں۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان چھوڑ کر لاہور تشریف لے گئے اور مرتے دم تک وہیں رہے۔

۱۹۵۷ء میں حکومت پاکستان نے آپ کو لا کمیشن کا ممبر مقرر کیا۔ ۱۹۶۳ء میں اوقاف بورڈ کے ممبر نامزد ہوئے۔ اور اسی سال صدر مملکت نے آپ کو اسلامی مشاورتی کونسل کا ممبر مقرر کر دیا۔

اپریل ۱۹۶۳ء میں آپ پر کراچی میں فالج کا حملہ ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں مرحوم زیارات مقامات مقدسہ اور حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ آقائی محسن الحکیم نے اپنے طبیب خاص سے آپ کا علاج کروایا۔ اسی سفر میں بحرین میں مفتی فلسطین سے ملاقات کی۔ کعبۃ اللہ جا کر مناسک حج بجالائے۔ کافی صحت مند ہو کر لاہور تشریف لائے۔ لیکن تقریر کے قابل تادم مرگ نہ ہو سکے۔

۳ر اپریل ۱۹۶۸ء/۵ر محرم ۱۳۸۸ھ بروز پنجشنبہ رات کو ۹ بجے گنگا رام ہسپتال میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ۵ر اپریل بعد دوپہر لاہور کے سب سے قدیم امام باڑے کربلا گامے شاہ میں سپرد خاک ہوئے۔

کلب حسین، سید

[illegible]
۱۹۷۷/۱۳۹۷

مولانا سید کلب حسین صاحب ہنڈری ضلع غازی پور کے ایک باوقار سید گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد سلطان المدارس میں داخل ہوئے جہاں سے صدر الافاضل کیا۔ پہلے ریاست لورپور (ضلع فیض آباد) میں پیش نماز ہوئے۔ اس کے بعد فیض آباد کی چوک کی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ساتھ ہی ساتھ فیض آباد کے وثیقہ عربی کالج میں مدرس بھی تھے۔ اچھے مقالہ نگار بھی تھے۔ حسن اخلاق اور سادگی طبیعت کی وجہ سے کیمونسٹ کہلانے والے بھی عقیدت رکھتے تھے۔

مولانا کی شادی مولانا سید وصی محمد صاحب قبلہ (ضیاء الواعظین) کی منجھلی بہن سے ہوئی تھی۔

آپ نے بلرام پور ہسپتال (لکھنؤ) میں انتقال فرمایا۔ لاش فیض آباد لائی گئی۔ جنازہ کو کلام پاک کے سوروں کی گونج میں مولوی باغ لایا گیا جہاں آپ سپرد لحد کئے گئے۔

الجواد، مارچ ۱۹۷۷ء

کلب عابد، سید، آقائے شریعت

۱۳۴۱/ ۱۹۲۳ء

۱۴۰۷/ ۱۹۸۶ء

آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کے بڑے صاحبزادے اور دور حاضر میں خاندان اجتہاد کے رکن رکین تھے۔ آپ کیم جمادی الثانیہ ۱۳۴۱/ ۱۹ جنوری ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ سلطان المدارس میں ۱۹۳۰ء میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۵ء میں فرسٹ ڈیویژن سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا الطاف حیدر صاحب، مولانا عبدالحسین صاحب، مولانا ابن حسن صاحب، مولانا سید محمد صاحب اور مولانا سید حسین صاحب کے نام نمایاں ہیں۔

۱۹۴۶ء میں عراق تشریف لے گئے جہاں آیۃ اللہ سید مہدی شیرازی، آیۃ اللہ سید محسن الحکیم، آیۃ اللہ سید محمود شاہرودی اور دوسرے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ ۱۹۴۹ء میں عراق سے لکھنؤ واپس آئے۔

تدریسی مشاغل

دسمبر ۱۹۵۰ء سے جون ۱۹۷۲ء تک مدرسہ سلطان المدارس میں نائب مدرس اعلی کی حیثیت سے تدریسی اور انتظامی فرائض انجام دئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں شیعہ تھیولوجی کے ڈین کی حیثیت سے بلائے گئے جہاں نومبر ۱۹۷۲ء سے جنوری ۱۹۸۳ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

تلامذہ

تدریس کے اس طویل دور میں سیکڑوں افراد آپ کے چشمہ علم سے فیض یاب ہوئے ان میں سے چند نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مولانا آغا جعفر (پاکستان) مولانا رضی جعفر (پاکستان) مولانا مرزا محمد عالم، مولانا مرزا محمد اطہر مولانا سید حسن نقوی، مولانا افتخار حسین (کشمیر) مولانا منظور محسن وغیرہم۔

شادی اور اولاد

۱۹۴۳ء میں حضرت باقر العلوم طاب ثراہ کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا جن سے دو بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ مولانا سید کلب جواد اب آپ کے جانشین ہیں۔

سماجی اور قومی اداروں سے وابستگی: عراق سے واپسی کے بعد ۱۹۶۳ء تک وقتاً فوقتاً مسجد آصفی میں اپنے والد ماجد عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کی عدم موجودگی میں نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ عمدۃ العلماء کی وفات کے بعد آپ نے یہ منصب مستقل طور سے سنبھال لیا اور آخر عمر تک یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔

آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے۔ جس کی صدارت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ہاتھوں میں تھی۔ سنٹرل حج کمیٹی اور اردو اکیڈمی کے ممبر رہے۔ نیز ایک بار آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر تھے۔ یہ مختلف النوع مناصب آپ کی ہمہ گیر شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اور اس سے انکی مستحکم علمی بنیاد کی نشان دہی ہوتی ہے۔ جو اس زمانے میں کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے۔

بقول پروفیسر مولانا شبیہ الحسن نونہروی "ان میں سنجیدگی اور متانت کے آثار بچپن ہی سے

کلب عابد، سید، آقائے شریعت

۱۳۴۱ / ۱۹۲۳ء

۱۴۰۷ / ۱۹۸۶

آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کے بڑے صاحبزادے اور دور حاضر میں خاندان اجتہاد کے رکن رکین تھے۔ آپ یکم جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ / ۱۹ جنوری ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ سلطان المدارس میں ۱۹۳۰ء میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۳ء میں فرسٹ ڈویژن سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا الطاف حیدر صاحب، مولانا عبدالحسین صاحب، مولانا ابن حسن صاحب، مولانا سید محمد صاحب اور مولانا سید حسین صاحب کے نام نمایاں ہیں۔

۱۹۴۹ء میں عراق تشریف لے گئے جہاں آیۃ اللہ سید مہدی شیرازی، آیۃ اللہ سید محسن الحکیم، آیۃ اللہ سید محمود شاہرودی اور دوسرے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ ۱۹۴۹ء میں عراق سے لکھنؤ واپس آئے۔

تدریسی مشاغل

دسمبر ۱۹۵۹ء سے جون ۱۹۷۲ تک مدرسہ سلطان المدارس میں نائب مدرس اعلی کی حیثیت سے تدریسی اور انتظامی فرائض انجام دئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں شیعہ تھیولوجی کے ڈین کی حیثیت سے بلائے گئے جہاں نومبر ۱۹۷۳ء سے جنوری ۱۹۸۳ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

تلامذہ

تدریس کے اس طویل دور میں سیکڑوں افراد آپ کے چشمہ علم سے فیض یاب ہوئے ان میں سے چند نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

مولانا آغا جعفر (پاکستان) مولانا رضی جعفر (پاکستان) مولانا مرزا محمد عالم، مولانا مرزا محمد اطہر مولانا سید حسن نقوی، مولانا افتخار حسین (کشمیر) مولانا منظور محسن وغیرہم۔

شادی اور اولاد

۱۹۴۳ء میں حضرت باقر العلوم طاب ثراہ کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا جن سے دو بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ مولانا سید کلب جواد اب آپ کے جانشین ہیں۔

سماجی اور قومی اداروں سے وابستگی: عراق سے واپسی کے بعد ۱۹۶۳ء تک وقتاً فوقتاً مسجد آصفی میں اپنے والد ماجد عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کی عدم موجودگی میں نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ عمدۃ العلماء کی وفات کے بعد آپ نے یہ منصب مستقل طور سے سنبھال لیا اور آخر عمر تک یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔

آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے۔ جس کی صدارت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ہاتھوں میں تھی۔ سنٹرل حج کمیٹی اور اردو اکیڈمی کے ممبر رہے۔ نیز ایک بار آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر تھے۔ یہ مختلف النوع مناصب آپ کی ہمہ گیر شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اور اس سے انکی مستحکم علمی بنیاد کی نشان دہی ہوتی ہے۔ جو اس زمانے میں کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے۔

بقول پروفیسر مولانا شبیہ الحسن نونہروی "ان میں سنجیدگی اور متانت کے آثار بچپن ہی سے

موجود تھے مگر کبھی بھی وہ مایوس و مضطرب نہ تھے۔ متانت اور حفظ مراتب کے ساتھ ان کی شگفتگی اور کشادہ دلی ان کے اوصاف میں چار چاند لگا دیتی تھی۔ ان میں حقیقتاً ایک طرح کی مقناطیسیت تھی ان کے احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا جس میں طرح طرح کے لوگ شامل تھے اور سب ہی ان کی نیک نفسی خیر خواہی اور ایثار کے معترف تھے۔ ان کے ایسا احباب پرور شخص میں نے کم تر ہی دیکھا ہے۔ سادگی اور اخلاص کے ساتھ وہ اپنے احباب اور بزرگوں کی اتنی مدارات کرتے تھے کہ ان کے یہاں جانے والا مبہوت ہو کر رہ جاتا تھا۔ ان تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ واقعات کا ایسا سلسلہ وابستہ ہے کہ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو ایک تاریخ بن جائے۔ جس کا یہاں موقع نہیں ہے احباب پروری اور سادگی کے یہ اوصاف بھی ان کے ذاتی محاسن کے علاوہ ایسی وراثت تھے جو انہیں ان کے پدر عالی مقدار جناب عمدة العلماء مرحوم طاب ثراہ سے براہ راست پہونچے تھے۔"

عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد قیادت وخطابت کے خفتہ اوصاف بھی رفتہ رفتہ ان میں ظہور پذیر ہونے لگے اور پھر تو وہ اس قدر مصروف ہوئے کہ ان کی پوری زندگی معرکے سر کرنے میں گذر گئی۔ ان کی عملی جدوجہد اور مجاہدانہ عزم وبصیرت کے جوہر اس وقت کھل کر سامنے آئے کہ جب مدرسہ سلطان المدارس کے تحفظ کی تحریک نے برصغیر اور بیرونی ممالک میں بھی ہل چل سی پیدا کر دی۔ اس مدرسہ کا اپنی موجودہ عمارت میں رہنا، جس مجموعی قیادت کا کارنامہ ہے۔ اس میں آقائے شریعت طاب ثراہ کی لگن اور سرفروشانہ جدوجہد نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

حادثۂ وفات

آپ ۱۳ دسمبر ۱۹۸۶ء بروز شنبہ (۱۰ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ) کو نصیر آباد ضلع رائے بریلی مجلس پڑھنے گئے تھے۔ وہاں سے الہ آباد کیلئے واپسی ہو رہی تھی کہ تقریباً پندرہ کلومیٹر پہلے پھاپھا مؤ ضلع الہ

آباد کے قریب تقریباً ساڑھے آٹھ بجے رات کو ایک ٹرک نے اس کار کو پیچھے سے کچل دیا جس میں سرکار آقائے شریعت سفر کر رہے تھے۔ لاش رات بھر عالم کس مپرسی میں پڑی رہی۔ لیکن ۱۴ دسمبر کی صبح ہوتے ہوتے جب ریڈیو اور دیگر ذرائع ابلاغ نے اس خبر کو چاردانگ عالم میں پھیلا دیا تو جیسے ایک عالمگیر زلزلہ آ گیا ہو۔ راقم الحروف کے بھی آقائے شریعت سے مخلصانہ تعلقات تھے اور میں نے یہ خبر تنزانیا میں ایک تبلیغی سفر پر جاتے ہوئے کار میں سنی تھی۔ نواب گنج تھانے سے ایمبولنس کے ذریعہ لاش میڈیکل کالج الہ آباد لائی گئی۔ سیکڑوں کا مجمع نعرہ لگا رہا تھا کہ مولانا کا پوسٹ مارٹم بھی ہو سکتا ہے جب یہاں ہزاروں پوسٹ مارٹم ہو جائیں جناب سلیم شیروانی ممبر پارلیامنٹ نے اعلی افسران سے مشورہ کے بعد اعلان کیا کہ اعلی حضرت کی لاش کو کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔ ڈاکٹری معائنہ کے بعد میڈیکل کالج کے کمپاؤنڈ میں میت زیارت کیلئے لائی گئی پھر دوبارہ ایمبولنس میں رکھی گئی۔ تین بجے سہ پہر کے قریب ایمبولنس آہستہ آہستہ لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئی۔ ہر قدم پر قافلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک جیپ جس پر مسلم مجلس کا جھنڈا لگا تھا سورۂ رحمٰن تلاوت کرتی جا رہی تھی۔ لکھنؤ سے چالیس کلومیٹر پہلے ایک کثیر مجمع استقبال کے لئے کھڑا تھا۔ وہیں آقائے شریعت کے جسد اطہر کو تابوت میں منتقل کر کے ایک کھلی گاڑی میں رکھا گیا۔ ۹ بجے رات کے قریب اعلان کیا گیا کہ سرکار آقائے شریعت کی نماز جنازہ کل ۹ بجے صبح ادا کی جائیگی۔ پورے لکھنؤ میں کہرام مچا تھا۔ مجمع رات ہی سے بڑے امامباڑے کی طرف بڑھا جاتا تھا جہاں غسل وکفن کے بعد تابوت مسجد آصفی کے مرکزی در میں رکھا تھا۔ ۹ بجے صبح جنازے کی صفیں،، امامباڑے کے صحن سے سیڑھیوں تک اور وہاں سے لان تک پہونچیں پھر بھی سب لوگ شرف نماز جنازہ حاصل نہ کر سکے تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی مگر آواز گلوگیر تھی آگے بڑھے تو ٹیلہ والی مسجد کے قریب برادران اہل سنت نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے تھے۔ اجازت لیکے تابوت صحن مسجد کے اندر لے گئے۔ مولانا فضل

الرحمن قبلہ امام جمعہ و جماعت اہل سنت کی اقتداء میں نماز جنازہ شروع ہوئی ہزاروں شیعہ سوگوار جو شرکت سے محروم رہ گئے تھے جناب مولانا کی اقتداء میں نماز جنازہ کیلئے کھڑے ہو گئے۔ یہاں روز نامہ عزائم لکھنؤ کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب نہ ہوگا۔

''مولانا سید کلب عابد مجتہد کا ماتم جس ہمہ گیر پیمانے پر ہوا اور اب تک ہو رہا ہے وہ لکھنؤ کی روایت اور مزاج کے خلاف ہے اور مظاہرہ اتنا غیر متوقع ہے کہ شاید کسی اور کو تو کیا مولانا مرحوم کو بھی اپنی زندگی میں اس کا اندازہ نہ رہا ہوگا کہ انہوں نے اپنے قومی کردار اور شخصی عمل اور صلح کل ذہن کے اتنے گہرے اور پائیدار اثرات مسلمانوں کی اجتماعیت پر مرتب کر دیے ہیں کہ ان کی وفات نہ صرف شیعہ فرقہ کے لئے ایک حادثہ عظیم بلکہ سنیوں کے لئے بھی ایک ایسا نا قابل بیان صدمہ جانکاہ ثابت ہوگا کہ وہ صدق دلی اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان کی ناوقت جدائی پر بیقرار ہو اٹھیں گے۔

''جس شہر میں شیعہ سنی منافرت کی وجہ سے شیعہ لیڈروں کیلئے سنی فرقہ کے اندر اور سنی لیڈروں کے لئے شیعہ فرقہ کے اندر یگانگی، بلکہ بے تعلقی اور بدگمانی کے ایسے جذبات ابھر چکے تھے کہ انہیں ایک دوسرے کا اس طرح دشمن اور بدخواہ سمجھ لیا گیا تھا۔ کہ ان سے کسی خیر اور ہمدردی کی توقع ہی اٹھا کر ایک طرف رکھ دی گئی تھی۔ اسی شہر میں سب سے بڑے شیعہ لیڈر اور مذہبی پیشوا مولانا کلب عابد مجتہد کی وفات نے بجلی کی طرح ایک ایسے تاسف اور صدمے کی فضا پیدا کر دی کہ سارا سنی فرقہ ان کی طرف عقیدت اور جذباتی کیفیت سے مغلوب ہو کر دوڑ پڑا۔ وہ انکی میت کو خوشامد کر کے ٹیلہ شاہ پیر محمد کی اس مسجد میں انکی نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے لے گئے، جہاں اب تک شیعہ فرقہ کے مقابلہ میں لڑائی اور کش مکش کا محاذ اور میدان تیار کرنے کے لئے سنیوں کے اجتماعات ہوا کرتے تھے۔ اور یہ کیا بات ہوئی کہ ان کی وفات پر سنیوں کے جذبہ عقیدت کی شدت اس نقطہ عروج تک جا پہنچی کہ ان کی تعزیت اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے پوری لگن کے ساتھ شہری جلسہ تعزیت کا اہتمام

کرنے پر مجبور ہو گئے۔،،

نماز جنازہ کے بعد تابوت چالیس، پچاس علموں کے سایے میں امام باڑہ غفران مآب کے لئے روانہ ہوا۔ درمیان راہ میں جنازے کو آخری دیدار کے لئے گھر کے اندر بھیجا گیا، تھوڑی دیر کے بعد میت اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئی۔ آدھا گھنٹے کا رستہ کئی گھنٹوں میں طے ہوا۔ عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کے پہلو میں ان کے فرزند اکبر کو سلا دیا گیا۔

اردو، ہندی، اور انگریزی کے اخبارات کئی دن تک آقائے شریعت کے تذکروں سے بھرے رہے۔ مولانا مرحوم نہ حکومت کے کسی منصب پر فائز تھے نہ کبھی سیاست میں دخل دیا مگر الہ آباد سے لکھنؤ تک مولانا کی لاش گویا سرکاری اعزاز کے ساتھ آئی۔ جا بجا پولس کی ڈیوٹی تھی اور جب بھی ایمبولنس پولس کے سامنے سے گذرتی تھی رائفل سرنگوں کر کے سلامی پیش کی جاتی تھی۔ لکھنؤ میں ضلع انتظامیہ اور سرکاری مشینری اس سے زائد سرگرم تھی جتنا سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن ہونے والوں کے لئے ہوتا ہے۔ ماتمی جلوس کے آگے گھوڑے سوار پولس اور ان کے پیچھے اعلی پولس افسران پیدل چل رہے تھے۔ جلوس کے پیچھے بھی پولس کے جتھے تھے۔ مسلمانوں کی دکانیں دو روز بند رہیں بلکہ بہت سے غیر مسلم افراد نے بھی دکانیں بند رکھیں۔ شہر کے اکثر و بیشتر مکانات پر سیاہ جھنڈے تھے۔ ۱۵ ردسمبر کی دوپہر میں تدفین ہوئی اور اسی روز شام کو لکھنؤ کے شہریوں کی طرف سے (جس میں سنی حضرات پیش پیش تھے) امین الدولہ پارک میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور ہندو، مسلم شیعہ، سنی مذہبی وسیاسی رہنماؤں نے مولانا مرحوم کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

الرحمٰن قبلہ امام جمعہ و جماعت اہل سنت کی اقتداء میں نماز جنازہ شروع ہوئی ہزاروں شیعہ سوگوار جو شرکت سے محروم رہ گئے تھے جناب مولانا کی اقتداء میں نماز جنازہ کیلئے کھڑے ہو گئے۔ یہاں روز نامہ عزائم لکھنؤ کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب نہ ہوگا۔

"مولانا سید کلب عابد مجتہد کا ماتم جس ہمہ گیر پیمانے پر ہوا اور اب تک ہو رہا ہے وہ لکھنؤ کی روایت اور مزاج کے خلاف ہے اور مظاہرہ اتنا غیر متوقع ہے کہ شاید کسی اور کو تو کیا مولانا مرحوم کو بھی اپنی زندگی میں اس کا اندازہ نہ رہا ہوگا کہ انہوں نے اپنے قومی کردار اور شخصی عمل اور صلح کل ذہن کے اتنے گہرے اور پائیدار اثرات مسلمانوں کی اجتماعیت پر مرتب کر دیے ہیں کہ ان کی وفات نہ صرف شیعہ فرقہ کے لئے ایک حادثۂ عظیم بلکہ سنیوں کے لئے بھی ایک ایسا نا قابل بیان صدمہ جانکاہ ثابت ہوگا کہ وہ صدق دل اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان کی نا وقت جدائی پر بیقرار ہو اٹھیں گے۔

"جس شہر میں شیعہ سنی منافرت کی وجہ سے شیعہ لیڈروں کیلئے سنی فرقہ کے اندر اور سنی لیڈروں کے لئے شیعہ فرقہ کے اندر جگہ نہ رہ گئی، بلکہ بے تعلقی اور بدگمانی کے ایسے جذبات ابھر چکے تھے کہ انہیں ایک دوسرے کا اس طرح دشمن اور بدخواہ سمجھ لیا گیا تھا۔ کہ ان سے کسی خیر اور ہمدردی کی توقع ہی اٹھا کر ایک طرف رکھ دی گئی تھی۔ اسی شہر میں سب سے بڑے شیعہ لیڈر اور مذہبی پیشوا مولانا کلب عابد مجتہد کی وفات نے بجلی کی طرح ایک ایسے تاسف اور صدمے کی فضا پیدا کر دی کہ سارا سنی فرقہ ان کی طرف عقیدت اور جذباتی کیفیت سے مغلوب ہو کر دوڑ پڑا۔ وہ ان کی میت کو خوشامد کر کے ٹیلہ شاہ پیر محمد کی اس مسجد میں ان کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے لے گئے، جہاں اب تک شیعہ فرقہ کے مقابلہ میں لڑائی اور کش مکش کا محاذ اور میدان تیار کرنے کے لئے سنیوں کے اجتماعات ہوا کرتے تھے۔ اور یہ کیا بات ہوئی کہ ان کی وفات پر سنیوں کے جذبۂ عقیدت کی شدت اس نقطۂ عروج تک جا پہنچی کہ ان کی تعزیت اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے پوری لگن کے ساتھ شہری جلسۂ تعزیت کا اہتمام

کرنے پر مجبور ہو گئے۔۔۔

نماز جنازہ کے بعد تابوت چالیس، پچاس علموں کے سایے میں امام باڑہ غفراں مآب کے لئے روانہ ہوا۔ درمیان راہ میں جنازے کو آخری دیدار کے لئے گھر کے اندر بھیجا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میت اپنے آخری سفر پر روانہ ہوگئی۔ آدھا گھنٹے کا رستہ کئی گھنٹوں میں طے ہوا۔ عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کے پہلو میں ان کے فرزند اکبر کو سلا دیا گیا۔

اردو، ہندی، اور انگریزی کے اخبارات کئی دن تک آقائے شریعت کے تذکروں سے بھرے رہے۔ مولانا مرحوم نہ حکومت کے کسی منصب پر فائز تھے نہ کبھی سیاست میں دخل دیا مگر الٰہ آباد سے لکھنؤ تک مولانا کی لاش گویا سرکاری اعزاز کے ساتھ آئی۔ جا بجا پولس کی ڈیوٹی تھی اور جب بھی ایمبولنس پولس کے سامنے سے گذرتی تھی رائفل سرنگوں کر کے سلامی پیش کی جاتی تھی۔ لکھنؤ میں ضلع انتظامیہ اور سرکاری مشینری اس سے زائد سرگرم تھی جتنا سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن ہونے والوں کے لئے ہوتا ہے۔ ماتمی جلوس کے آگے گھوڑے سوار پولس اور ان کے پیچھے اعلیٰ پولس افسران پیدل چل رہے تھے۔ جلوس کے پیچھے بھی پولس کے جتھے تھے۔ مسلمانوں کی دکانیں دو روز بند رہیں بلکہ بہت سے غیر مسلم افراد نے بھی دکانیں بند رکھیں۔ شہر کے اکثر و بیشتر مکانات پر سیاہ جھنڈے تھے۔ ۱۵ ردسمبر کی دوپہر میں تدفین ہوئی اور اسی روز شام کو لکھنؤ کے شہریوں کی طرف سے (جس میں سنی حضرات پیش پیش تھے) امین الدولہ پارک میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور ہندو، مسلم شیعہ، سنی مذہبی و سیاسی رہنماؤں نے مولانا مرحوم کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

کلب عسکری، سید، نانپارہ

/

۱۹۳۰/۱۳۴۸

اصلاح جلد نمبر ۳۳ نمبر ۱۱ میں آپ کی خبر وفات ان الفاظ میں چھپی ہے۔

"جناب مولانا سید کلب عسکری صاحب قبلہ مرحوم نے ماہ رمضان میں انتقال فرمایا۔ جناب مرحوم بڑے مقدس اور ہر دلعزیز عالم دین تھے۔ اور مجالس نانپارہ کو بڑے اہتمام سے انجام فرماتے تھے۔"

(اصلاح ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ نمبر ۳۳ نمبر ۱۱)

مبارک، سید، مفتی جونپوری

/

۱۶۸۷/۱۰۹۸

مفتی سید مبارک، مفتی ابوالبقاء (دیکھئے احوال) کے چھوٹے بیٹے اور آسمان فضائل وعلوم کے نیر اعظم تھے۔ اپنے وقت کے مشہور علماء میں تھے جن سے ایک زمانہ نے فیض اٹھایا۔

ابھی خردسال تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ان سے بڑے سب بھائی مختلف جگہوں پر اپنے اپنے مناصب پر مامور تھے۔ اس لئے سید مبارک بارہ سال کی عمر تک کھیل کود میں اپنے اوقات ضائع کرتے رہے ایک روز ملا محمد امین (جو مفتی ابوالبقاء کے شاگرد تھے۔) ان کی طرف سے گذرے اور ان کا حال دیکھ کر بہت نصیحتیں کیں۔ اور دوسرے دن سے اپنے استاد کا حق ادا کرنے کے خیال سے روزانہ گھر پر آکر سید مبارک کو پڑھانے لگے۔ ملا محمد امین کی رحلت کے بعد سید مبارک الہ آباد چلے گئے

اور ملا امان سے پوری طرح فیض حاصل کیا کہ "سینہ فضیلت ودانائی کا خزینہ بن گیا"۔ تکمیل علوم کے بعد دہلی کا رخ کیا۔ دل کے کسی گوشہ میں یہ تمنا جاگ اٹھی تھی کہ مفتی کا موروثی عہدہ حاصل کرلیں۔ مختلف ذرائع سے علماء کی ایک مجلس مذاکرہ میں پہنچے اور ایک لاینحل مسئلہ کو اس وضاحت کے ساتھ حل کیا کہ حاضرین تحسین وآفرین کرنے لگے۔ اس طرح دربار سلطانی تک رسائی ہوئی اور آخرش شہنشاہ نے "مفتی جونپور" نامزد کیا اور سند عطا کی۔

جونپور آکر مفتی سید مبارک نے ایک خانقاہ بنائی جس میں طلاب کو درس دیتے تھے اور افتاء کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خانقاہ کی یہ تاریخ تعمیر پتھر پر کندہ کراکے نصب کی تھی۔

خبر از سر سال تاریخ داد ☆ چنیں خانقاہے مبارک بنائے۔

نوٹ

"خانقاہے مبارک بنائے" کے اعداد ۱۰۹۳ ہوتے ہیں۔ اس لئے یہی تین لفظ مادہ تاریخ ہو سکتے ہیں۔

خانقاہ کے دروازے پر المصطفی مدینۃ العلم وعلی بابھا کندہ تھا۔ اس زمانے میں مفتی محلہ مخزن علوم وفنون تھا اور بہت سے علماء نے اس خانقاہ میں اکتساب فیض کیا۔ امتداد زمانہ سے وہ خانقاہ منہدم ہوگئی۔ عرصہ دراز کے بعد سید تفضل حسین خاں صاحب نے اس جگہ پر ایک پختہ امام باڑہ تعمیر کرایا اور اس پر تعمیر خانقاہ کے اس سنگ تاریخ کو نصب کرادیا تاکہ خانقاہ کی جگہ کا نشان باقی رہ جائے۔

وفات

۲۰ رمضان المبارک ۱۰۹۸ھ (= ۲۰ جولائی ۱۶۸۷ء) کو مفتی سید مبارک نے رحلت فرمائی۔ ان کی پختہ قبر مفتی محلہ (جونپور) میں صاحب "تجلی نور" کے وقت تک موجود تھی۔

(تجلی نور ماہنامہ جلد اول ص ۲۳-۱۰۰)

مجتبیٰ علی خاں

۱۳۴۳/۱۹۲۵
۱۴۲۱/۲۰۰۰

مجتبیٰ علی خاں نام تھا عابد مجتبیٰ گھر والے کہتے تھے۔ دنیا والے ادیب الہندی کے نام سے جانتے ہیں۔ ۱۳ رمضان ۱۳۴۳ھ / ۲۳ اگست ۱۹۲۵ء کو بہار پور ضلع سلطان پور میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد الحاج محمد ضیغم علی خاں رئیس بہار پور تھے۔ خاندانی سلسلہ ریاست دیوگاؤں ضلع فیض آباد سے تھا۔

گھر پر ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ ناظمیہ میں داخل ہوئے۔ اور ذہانت کی وجہ سے جناب مفتی سید احمد علی صاحب طاب ثراہ (پرنسپل) کی نظر میں وقار پیدا کرلیا۔ درجہ قابل کی تکمیل کے بعد ۱۳ محرم ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۳ء کو نجف اشرف کیلئے روانہ ہوگئے۔ وہاں دس سال تک اساطین فقہ و اصول سے کسب فیض کیا جن میں آیات اللہ العظام سید محسن الحکیم سید ابو القاسم الخوئی اور سید روح اللہ الخمینی شامل تھے۔ بعث پارٹی کی اسلام دشمن سرگرمیوں کے خلاف جو تحریکیں چلیں ان میں ادیب الہندی پیش پیش تھے۔ آیۃ اللہ یوسف الحکیم کی حفاظت کیلئے انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ حکومت کی بلیک لسٹ میں ان کا نام آگیا۔ ایک موقعہ پر فوج نے ان کی قیام گاہ کا محاصرہ کرلیا۔ آپ آیۂ مبارکہ کی تلاوت کرتے ہوئے فوجیوں کے درمیان سے نکل گئے اور کسی کی نظر ان پر نہ پڑ سکی۔ آیۃ اللہ الحکیم کے خانوادے کی طرف سے ان کو شام بھیجنے کا انتظام کیا گیا اور وہ بحفاظت حدود عراق سے نکل آئے۔

آیۃ اللہ خمینی نجف میں رہ کر ایران کی شاہی کے خلاف تحریک چلا رہے تھے۔ ادیب الہندی نے اس تحریک میں بھی غیر معمولی حصہ لیا۔ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد انھوں نے کئی بار ایران کا سفر کیا۔ آیۃ اللہ خمینی اپنے اس شاگرد کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اسی دوران علامہ ادیب الہندی نے

''انقلاب اسلامی'' نام کی کتاب لکھی۔ پھر جمہوریہ اسلامی کے دستور اساسی کا اردو میں ترجمہ کر کے چھپوایا۔ ان دونوں کتابوں سے ہندوستان میں انقلاب ایران کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جارہی تھیں ان کو دور کرنے میں مدد ملی۔ آیۃ اللہ الخمینی کے بعد وہ آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد رضا گلپائگانی کے وکیل رہے اور اب آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد مہدی شیرازی کے وکیل تھے اور ان کی کئی کتابوں کے اردو ترجمے بھی شائع کرائے تھے نیز دیگر فلاحی کاموں میں ان کی طرف سے حصہ لیا تھا۔

نجف اشرف سے واپس آئے تو فخر الاتقیاء مولانا سید وصی محمد صاحب مرحوم نے (جو اس وقت وثیقہ عربی کالج کے پرنسپل تھے) آپ کو فیض آباد بلالیا آپ وثیقہ میں شرح لمعہ وغیرہ کا درس بہ احسن وجوہ دیتے تھے۔ وثیقہ کے قیام کے دوران آپ نے انگریزی سیکھی اور مختلف امتحانات دیتے ہوئے ایل-ایل-بی کی ڈگری حاصل کرلی۔ اب پی-ایچ-ڈی کرنے کا ارادہ تھا۔

جب مولانا سید وصی محمد صاحب قبلہ مدرسۃ الواعظین کے پرنسپل مقرر ہوئے تو انھوں نے واپس پرنسپل کی جگہ کیلئے ادیب الہندی کا نام تجویز کیا۔ جو منظور ہوگیا اور آپ ۱۹۸۰ء میں لکھنؤ آگئے۔ وہ آٹھ سال تک مدرسۃ الواعظین سے منسلک رہے اور اس عرصہ میں درس کے علاوہ بھی بہت سے ترقیاتی کام کئے۔ کتب خانہ کیلئے جدید کتابیں حاصل کیں بوسیدہ عمارت کی تعمیر نو کی مہم چلائی اور متعدد کمرے تعمیر کرائے۔ ماہنامہ الواعظ کو مالی کمک کے ذریعہ کافی ترقی دی۔ دینی معلومات کا ہفتہ وار پروگرام ہوتا تھا جس میں اہل شہر بھی شریک ہوتے تھے۔ ۱۹۸۸ء میں مدرسۃ الواعظین سے علیحدہ ہوئے۔ اس کے بعد منصبیہ عربی کالج میرٹھ کے پرنسپل رہے۔ لیکن علالت کے سبب وہاں قیام کا بہت کم موقع ملا۔

تصانیف

علی میاں ندوی نے سیرت امیر المومنین پر ایک کتاب المرتضیٰ لکھی تھی جس میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ اس کا عالمانہ جواب ادیب الہندی نے الامام کے نام سے شائع کیا۔ (افسوس کہ علالت کی وجہ سے اس کا دوسرا حصہ شائع نہ ہو سکا)۔ "حیات افتخار العلماء" "مختصر افتخار العلماء" کا نام زندہ کیا۔ امریکہ انگلینڈ اور ہندوستان میں تحقیقی جائزہ دے کر سال بھر کا نقشہ افطار و سحر و اوقات نماز مرتب کیا جو کتابی شکل میں نیز کلنڈر کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

اقوال چہاردہ معصومین علیہم السلام پر مشتمل ایک کتاب بہ نام "انوار" مرتب کی جو مختلف اداروں کی طرف سے شائع ہوتی رہی ہے۔

علمائے ہند کو منظم کرنے کیلئے انھوں نے مجلس علماء و واعظین قائم کی جس کے اجلاس دہلی اور میرٹھ میں ہوئے۔

گردے خراب ہو چکے تھے۔ بڑے فرزند نے اپنے گردے کی پیشکش کی جسے انھوں نے ایک عرصہ تک ٹالا۔ آخر ڈاکٹروں کے اصرار سے مجبور ہو کر ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو گردے کی تبدیلی کا آپریشن ہوا۔ ڈاکٹروں نے چھ مہینے تک سخت حفاظت اور احتیاط کا مشورہ دیا تھا کہ انفیکشن نہ ہو جائے۔ لیکن وہ دو ہی مہینے میں لکھنؤ آ گئے اور عیادت کرنے والوں میں ایسا گھرے کہ سخت انفیکشن ہو گیا۔ دوبارہ دہلی گئے۔ لیکن وقت موعود آ چکا تھا۔ ۴ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ/ ۱۰ اپریل ۲۰۰۰ء کو راہی جنت ہوئے۔ ۱۱ اپریل کو میت لکھنؤ ہوتے ہوئے بہار پور پہنچی۔ نماز میت مرحوم کے فرزند اکبر مولانا مصطفیٰ علی خاں شمیل نے پڑھائی اور بعد ظہر امامی حسینیہ میں سپرد خاک کئے گئے جس کی انھوں نے ابھی تجدید کی تھی۔

(رسالہ اصلاح لکھنؤ، جون ۲۰۰۰ء)

محسن رضوی، سید

۱۳۳۵/۱۹۱۷

۱۴۲۰/۲۰۰۰

مولانا سید محسن رضوی صدر المفسرین آیۃ اللہ العظمیٰ سید راحت حسین گوپال پوری طاب ثراہ کے تیسرے بیٹے تھے۔ آپ کی ولادت وطن مالوف گوپال پور (ضلع سیوان) میں ۲۹ رجمادی الثانیہ ۱۳۳۵ھ (مطابق ۲۲ راپریل ۱۹۱۷ء) کو ہوئی تھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کی۔ کسی حد تک اپنے برادر بزرگ مولانا سید علی صاحب طاب ثراہ سے بھی گھر پر ہی کسب فیض کیا۔ پھر سلطان المدارس (لکھنؤ) میں داخلہ لیا اور امتیازی نمبروں سے صدر الافاضل کیا۔ اس کے بعد مدرسۃ الواعظین میں داخل ہوئے اور وہاں سہ سالہ کورس پورا کر کے دو سال مدرسہ کی طرف سے تبلیغی خدمات انجام دیے۔

چونکہ آپ کے والد ماجد ذیابیطس کے مریض تھے نیز ان کو اپنے تحریری مشاغل میں کسی معاون کی بھی ضرورت تھی جو حوالے وغیرہ نکال سکے۔ اس لئے آپ نے تقریباً دس سال ان بزرگوار کی خدمت میں گوپال پور اور لکھنؤ میں گذارے۔ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں ان کے انتقال کے بعد آپ موگادیشو (صومالیہ) بحیثیت امام جمعہ و جماعت تشریف لے گئے۔ وہاں سے علیحدہ ہونے کے بعد آپ یوگانڈا گئے۔ ۱۹۶۳ء میں میری ان سے کمپالا میں ملاقات ہوئی تھی جہاں وہ امام جمعہ جماعت تھے کچھ عرصہ کے بعد وہ تنزانیا آئے اور عروشا دار السلام اور متاماو غیرہ جماعتوں میں لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ جہاں تک مجھے یاد آتا ہے وہ مڈاگاسکر بھی گئے تھے (اس کی تحقیق ان کے پاسپورٹ سے ہو سکتی ہے)۔

حدود ۱۹۸۰ء میں وہ افریقہ سے واپس آئے۔ عرصہ دراز سے انھوں نے اپنی سسرال بڑا

گاؤں گھوسی کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ اور وہیں مقیم رہے۔ حدود ۱۹۸۹ء میں آپ کو مدرسۃ الواعظین کا پرنسپل بنایا گیا جہاں تقریباً آٹھ سال رہے۔ پھر وہاں سے علیحدہ ہو کر بڑا گاؤں گھوسی واپس آ گئے۔ ۱۹۹۹ء میں آپ کی اہلیہ نے انتقال کیا تو آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ آپ خود علیل رہنے لگے تھے۔ ۲۸ فروری ۲۰۰۰ء کو دل کا دورہ پڑا۔ علاج کیلئے بنارس لے جاکر بنارس ہندو یونیورسٹی کے اسپتال میں داخل کیا گیا۔ مگر جاں بر نہ ہوسکے۔ ۳۰ مارچ ۲۰۰۰ء (مطابق ۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ) کو رات کے ساڑھے دس بجے رحلت فرمائی۔ لاش بڑا گاؤں لائی جہاں ۲۷ مارچ کو تدفین ہوئی۔

(ذاتی معلومات، ناصر زیدی)

مرزا محمد، فیض آبادی

مرزا محمد جناب محمد علی الہاشمی فیض آبادی کے فرزند تھے۔ آپ سلطان العلماء سید محمد صاحب (متوفی ۱۲۸۴ھ) کے خاص شاگرد تھے۔

کشف الحجب میں ان کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے: "سم الفار فی اتصاف الثلاثۃ بالفرار"۔ لیکن ورثۃ الانبیاء میں اسے خود سلطان العلماء کے تصنیفات میں شمار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آقائی بزرگ تہرانی نے اپنا خیال یوں ظاہر کیا ہے۔

لعلہ کتبہ باسم التلمیذ لملاحظۃ بعض الجہات تقیۃ کمانہ کتب "الضربۃ الحیدریۃ" باسم تلمیذہ الآخر السید حمید الدین باقر شاہ النقوی البخاری۔ (الذریعہ جلد نمبر ۱۲)

محمد سید رضوی

مولوی سید محمد رضوی ابن مولوی سید علی ضامن صاحب زید پور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے۔ رسالہ شیعہ (کھجوہ) میں ایک بار ایک صاحب نے مراسم عاشورا کو شمسی حساب سے ماہ اکتوبر میں بجالانے کی تجویز پیش کی تھی۔ اس کی رد میں مولوی سید محمد رضوی صاحب کا ایک سنجیدہ مضمون رسالہ شیعہ جلد نمبر ۸ نمبر ۱۰ میں شائع ہوا تھا جس سے ان کی علمی سطح کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

محمد، سید کشمیری

۱۳۷۸/ ۱۹۵۹

مولانا سید محمد کشمیری نے ہندوستان اور اس کے بعد عراق کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سرزمین اچھ گام (کشمیر) میں قیام فرمایا اور قوم کو اپنے فیوض و برکات سے مستفید فرمایا۔ پہلے اچھ گام میں مدرسہ مفتاح العلوم کی بنیاد ڈالی اور انتہائی اہتمام کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ شب و روز کی محنت شاقہ اور جانفشانی سے مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی دی۔ آپ سے فیضیاب ہو کر طلبہ مختلف مقامات پر جا کر مذہب حق کی تبلیغ و اشاعت کرتے تھے۔

۲۳ شوال ۱۳۷۸ھ (= ۲ مئی ۱۹۵۹ء) کو رحلت فرمائی۔

(الجواد، جلد نمبر ۱۰ نمبر ۹، ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۸/ جون ۱۹۵۹ء)

گاؤں گھوسی کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ اور وہیں مقیم رہے۔ حدود ۱۹۸۹ء میں آپ کو مدرسۃ الواعظین کا
پرنسپل بنایا گیا جہاں تقریباً آٹھ سال رہے۔ پھر وہاں سے علیحدہ ہو کر بڑا گاؤں گھوسی واپس آ گئے۔
۱۹۹۹ء میں آپ کی اہلیہ نے انتقال کیا تو آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ آپ خود علیل رہنے لگے
تھے۔ ۲۸ فروری ۲۰۰۰ء کو دل کا دورہ پڑا۔ علاج کیلئے بنارس لے جا کر بنارس ہندو یونیورسٹی کے
اسپتال میں داخل کیا گیا۔ مگر جاں بر نہ ہو سکے۔ ۳۰ مارچ ۲۰۰۰ء (مطابق ۲۵ ذی الحجہ
۱۴۲۰ھ) کو رات کے ساڑھے دس بجے رحلت فرمائی۔ لاش بڑا گاؤں لائی جہاں ۲؍مارچ کو
مدفون ہوئی۔

(ذاتی معلومات، ناصر زیدی)

مرزا محمد، فیض آبادی

مرزا محمد جناب محمد علی الہاشمی فیض آبادی کے فرزند تھے۔ آپ سلطان العلماء سید محمد صاحب
(متوفی ۱۲۸۴ھ) کے خاص شاگرد تھے۔

کشف الحجب میں ان کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے: "سم الفارفی اتصاف الثلاثۃ بالفرار"۔
لیکن ورثۃ الانبیاء میں اسے خود سلطان العلماء کے تصنیفات میں شمار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آقای
بزرگ تہرانی نے اپنا خیال یوں ظاہر کیا ہے۔

لعلہ کتبہ باسم التلمیذ لملاحظۃ بعض الجہات تقیۃ کما انہ کتب "الطریقۃ الحیدریۃ" باسم تلمیذہ الآخر
السید حمید الدین باقر شاہ النقوی البخاری۔ (الذریعہ جلد نمبر ۱۲)

محمد سید رضوی

مولوی سید محمد رضوی ابن مولوی سید علی ضامن صاحب زید پور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے
تھے۔ رسالہ شیعہ (لکھنؤ) میں ایک بار ایک صاحب نے مراسم عاشورا کو شمسی حساب سے ماہ اکتوبر
میں بجالانے کی تجویز پیش کی تھی۔ اس کی رد میں مولوی سید محمد رضوی صاحب کا ایک سنجیدہ مضمون
رسالہ شیعہ جلد نمبر ۸ نمبر ۱۰ میں شائع ہوا تھا جس سے ان کی علمی سطح کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

محمد، سید کشمیری

۱۳۷۸/۱۹۵۹

مولانا سید محمد کشمیری نے ہندوستان اور اس کے بعد عراق کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سرزمین
لداخ کرگل (کشمیر) میں قیام فرمایا اور قوم کو اپنے فیوض و برکات سے مستفید فرمایا۔ پہلے لداخ کرگل میں
مدرسہ مفتاح العلوم کی بنیاد ڈالی اور انتہائی اہتمام کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ شب
و روز کی محنت شاقہ اور جانفشانی سے مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی دی۔ آپ سے فیضیاب ہو کر
طلبہ مختلف مقامات پر جا کر مذہب حق کی تبلیغ و اشاعت کرتے تھے۔

۲۳ رشوال ۱۳۷۸ھ (= ۲ رمئی ۱۹۵۹ء) کو رحلت فرمائی۔

(الجواد جلد نمبر ۱۰ نمبر ۲، ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۸ / جون ۱۹۵۹ء)

محمد، یزدی

---/---

بعد ۱۰۳۱ھ/ ۱۶۲۲ء

الذریعہ میں ان کا نام یوں لکھا ہے: محمد المشتہر بہ شاہ قاضی یزدی "یزدی" یزد کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یزد کے رہنے والے تھے۔ لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ بعد میں گولکنڈہ آ کر شاہی دربار سے وابستہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے سلطان محمد قطب شاہ کے نام پر "تفسیر قطب شاہی فی تفسیر آیات الاحکام" لکھی جس سے شب قدر ۱۰۲۱ھ میں فارغ ہوئے تھے۔

ایک رسالہ حدیث "ان اللہ لا یجمع امتی علی ضلالۃ" کی شرح میں لکھا تھا جس سے ۱۰۳۱ھ میں فارغ ہوئے تھے۔ ایک اور رسالہ قول رسول صلعم "ما عرفناک حق معرفتک" اور قول امیر المومنین "لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا" کے وجوہ جمع میں تالیف فرمایا تھا۔

(الذریعہ ج ۱۱ ص ۱، ج ۴ ص ۳۱)

محمد، سید کشمیری

---/---

۱۳۵۰/ ۱۹۳۲

آپ کا نام و نسب یوں ہے: سید محمد ابن سید مہدی ابن سید حیدر الصفوی الکشمیری البخروی۔

آپ بڈگام (کشمیر) میں متوطن تھے۔ آپ کے والد سید مہدی صاحب عالم تھے (ان کا ذکر مطلع انوار میں ملتا ہے) انہوں نے ۲۱ رمضان ۱۳۰۹ھ میں وفات پائی

سید محمد صاحب نے ۲۸ شوال ۱۳۵۰ھ (= ۷ مارچ ۱۹۳۲ء) کو وفات پائی۔ ان کے

دو تصنیفات کا ذکر ملتا ہے۔ (۱) ضیاء الہدیٰ (۲) منہاج الصلاح

سید محمد صاحب کے صاحبزادے سید یوسف صاحب تھے جو آقائے بڈگام کے نام سے معروف تھے۔

محمد الموسوی، صفوی

---/---

۱۳۸۶/ ۱۹۶۶

الحاج مولانا سید محمد الموسوی صفوی جامعہ باب العلم، بڈگام (کشمیر) کے مدرس اعلیٰ تھے۔
آپ نے ۲ صفر المظفر ۱۳۸۶ھ (= ۲۳ مئی ۱۹۶۶ء) کو رحلت فرمائی

(الجواد جلد نمبر ۷ نمبر ۷، ربیع الاول ۱۳۸۶ھ)

محمد، سید، امروہوی

مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد، پرنسپل سید المدارس (امروہہ) کے مدارج علمیہ، قومی خدمات، محاسن اخلاق، تواضع و انکسار، اور روشن خیالی کے نقوش مومنین کے دلوں پر ثبت ہیں۔

حجاز کانفرنس کی صدارت

حجاز کانفرنس (دہلی) کا وہ اجلاس جو آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے ساتھ اپریل ۱۹۳۳ء میں منعقد ہوا تھا اس کے آپ صدر تھے۔ جناب سید اعجاز حسین صاحب جارچوی اس اجلاس میں شریک

تھے۔ ان کا بیان ہے کہ آپ نے "اس موقع پر ایسا فصیح و بلیغ پرزور اور پراز معلومات زبانی خطبہ صدارت ارشاد فرمایا تھا جو بے حد مقبول ہوا ——— یہ ایسی معرکتہ الآرا تقریر تھی کہ ہزاروں کا مجمع ہمہ تن گوش تھا اور ہر طرف سے تحسین و آفرین کے فلک شگاف نعرے بلند تھے۔ جب حضرت مولانا نے انہدام جنت البقیع کا نقشہ کھینچا ہے تو تمام سامعین گریہ و بکا کر رہے تھے۔ یہ اسپیشل اجلاس شیعہ کانفرنس کی تاریخ میں ایک یادگار اجلاس رہے گا۔"

تصانیف

(۱) وسائل الشریعہ (۲) وظائف الشیعہ (۳) نور العین (۴) فقہ الفریقین (۵) فرق الفریقین (۶) اصول خمسہ (۷) عشرۂ کاملہ وغیرہ

(انجمن وظیفہ سادات و مومنین، سلور جوبلی نمبر)

محمد، سید، عابدی

----/----

۱۹۹۶/۱۳۱۷

سید محمد عابدی صاحب مولانا سید محمد عمید صاحب کے فرزند تھے۔ آپ کی پیدائش محمد آباد گہنہ ضلع مئو میں ہوئی جہاں آپ کے والد زنگی پور سے آکر مقیم ہو گئے تھے۔ کم عمری ہی میں والدہ کا انتقال ہو گیا۔ حقیقی خالہ نے والدہ کی طرح محبت و شفقت بخشی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد "جامعہ جوادیہ" بنارس میں داخل ہوئے جہاں سے فخر الافاضل کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد پٹنہ کے گورنمنٹ طبیہ کالج سے طب کی تعلیم حاصل کی مگر اس کو پیشہ نہیں بنایا۔ تعلیمی سلسلہ ختم ہونے پر اپنے والد بزرگوار کے ساتھ پٹنہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اپنے والد کے بعد

مسجد باؤلی پٹنہ سیٹی میں امامت صلوٰۃ کی ذمہ داری آخر عمر تک سنبھالے رہے۔ پٹنہ کے مدرسہ سلیمانیہ میں بحیثیت مدرس اعلیٰ تقریباً ۳۵ سال درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور ۱۹۸۹ میں ریٹائرڈ ہو گئے۔ مولانا کو علم ہیئت سے بے حد دلچسپی تھی۔ اس علم سے متعلق عربی جاننے والوں کے علاوہ انگریزی داں صاحبان علم سے برابر مذاکرہ کرتے رہتے تھے۔ بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ کے ایک عرصہ تک نامزد ممبر رہے۔ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں "شعبہ شیعہ دینیات" کے ممتحن رہے اور اساتذہ کے تقرر کے لئے اکثر و بیشتر اکسپرٹ کی حیثیت سے بلائے جاتے رہے۔

وفات

آپ کو کچھ عرصہ سے قلب کے مرض کی شکایت تھی ۵ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۹۶ء کو آخری بار ڈاکٹر کو دکھانے گئے لیکن مرض شدت اختیار کر چکا تھا اچانک ٹھیک ۹ بجے صبح حرکت قلب بند ہو گئی اور جاں بحق ہو گئے۔

(کتابچہ تجلیات محمد پٹنہ)

محمد بن محمود الدہدار

یہ اکبری دور کے صوفی منش شیعہ تھے۔ ان کے والد محمود عیانی تخلص کرتے تھے۔ اصلاً شیرازی تھے اور وہیں پیدا ہوئے اور علم حاصل کیا۔ ان کے استاد شاہ فتح اللہ شیرازی تھے۔ جن سے انہوں نے معقولات اور اشراقی تصوف حاصل کیا۔ اور آخر کار ایک صوفی کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ جوانی میں بیجاپور آئے اور علی عادل شاہ کے دربار میں رسوخ پیدا کیا۔ شاہ فتح اللہ شیرازی ایران سے بیجاپور آئے ان کے قیام بیجاپور میں دہدار نے شاہ فتح اللہ سے وہ اعلیٰ کتابیں پڑھیں جو

ایران میں نہ پڑھ سکے تھے۔ پھر وہ بیجاپور سے احمد نگر گئے۔ اور نظام شاہ کے مقرب بنے۔ جب شیخ حسن نجفی دکن پہنچے تو وہاں ان کی شاگردی اختیار کی اور تصوف حاصل کیا۔

S.A.A. Rizvi, vol. 2, p. 205-206

خلاصۃ الترجمان کو انہوں نے عبدالرحیم خان خاناں کے نام سے لکھا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً آخر میں اس کے دربار سے وابستہ تھے۔

تصانیف

ان کے حسب ذیل تصانیف کا ذکر الذریعہ کی مختلف جلدوں میں ملتا ہے۔

(۱) الرسائل الجفریہ (۲) الرسائل العرفانیہ ضمن مجموعات

(۳) رسائل المعارف (۴) مختصر ذخائر العقبی المسمی بجواہر الاسرار

(۵) الذوقیات العقلیہ والمعقولات الذوقیہ۔ مختصر فی ۳۰ صفحہ

(۶) رسالہ فی التوحید (۷) رقائق الحقائق (۸) خلاصۃ الترجمان فی تاویل خطبۃ البیان (میرے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ ہے جو تاریخ کتابت کے اعتبار سے دوسرا ہے لیکن کاتب نے آخر کا قصیدہ حذف کر دیا ہے۔)

(۹) زبدۃ الالواح فی علم الجفر (۱۰) مجمل منظوم فی علم الحروف

(۱۱) مرآۃ الحقائق فی شرح بیت گلشن راز

(۱۲) العشرۃ الکاملۃ فی بیان عشرۃ صفات ہی اکمل الاوصاف

(۱۳) غایۃ الامکان مطبوع فی مجلۃ طہران آغائے بزرگ نے طبقات کے ۵۱۷-۵۱۶ پر مزید کچھ تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

محمد، عاملی، کشمیری

بعد ۱۰۳۰/بعد ۱۶۲۱

یہ احمد بن محمد حسینی کے فرزند تھے۔ عاملی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جبل عامل کے رہنے والے تھے اور حسینی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات سادات میں سے تھے۔ امل الآمل جلد اول ص ۱۳۸ میں ان کے لئے لکھا ہے: "عالم وفاضل تھے۔ فقیہ اور صالح تھے اور شیخ بہائی کے معاصر تھے" آقائے بزرگ تہرانی نے ان کا وہ اجازہ دیکھا تھا جو انہوں نے ہدایۃ اللہ ابن عبدالوحید جیلانی کے لئے ۱۰۳۰ھ میں لکھا تھا اور جس میں وہ شیخ بہائی سے روایت کرتے ہیں۔

کشمیر میں سکونت اختیار کی تھی اور وہیں رحلت فرمائی۔

طبقات اعلام الشیعہ جلد پنجم ص ۵۲۰

محمد، سید جونپوری

۱۲۷۱/۵-۱۸۵۴

مولانا سید محمد صاحب مولوی سید عطا حسین کے فرزند تھے۔ ابتدائی تعلیم منشی سید علی حسن کلاں پوری سے حاصل کی۔ بعدہ مولوی نعمت علی صاحب سے شرح سلم اور رشیدیہ تک پڑھا پھر لکھنؤ گئے جہاں مولوی سید محمد ہادی، مرزا محمد علی، سید محمد امروہوی، مولانا علی اظہر نظام آبادی اور مولانا احمد علی محمد آبادی جیسے اساطین علم وادب سے کسب فیض کیا۔ آخر میں مفتی سید محمد عباس سے درس لیا اور فقہ وحدیث

کے آخری مدارج سید العلماء سید حسین علیین مکان کی رہنمائی میں طے کیے۔ اور اجازہ و سلوٰۃ لے کر آئے۔ ۱۲۷۱ھ میں جونپور میں انتقال کیا قبر پر ایک پتھر لگا ہوا ہے۔

(تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور از سید اقبال احمد)

محمد سید، دیوکھٹیاوی

----/----

۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء

آپ مولانا سید عبدالعلی دیوکھٹیاوی (دیکھئے احوال) کے فرزند تھے۔ علوم دینیہ کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی۔ معقولات و منقولات دونوں پر کامل عبور رکھتے تھے۔ اور ان دونوں میدانوں میں بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے، بڑے مقدس و متورع تھے اور صاحب اثر و رسوخ بھی۔ ان کے مدارج علمی کی بلندی اور عالی نفسی کے باعث امجد علی شاہ ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ جب امجد علی شاہ نے فیض آباد میں شاہی مدرسہ قائم کیا تو سید محمد صاحب کو اس کا مدرس اعلیٰ بنایا۔

تصانیف

ایک رسالہ فضیلت جمعہ و جماعت پر لکھا تھا۔ جو ورثاء کے پاس محفوظ نہ رہا۔ کچھ اور تصنیف کردہ رسالے دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئے۔ الذریعہ جلد ۱۱ میں آپ کی ایک تصنیف الرمح المصقول فی نحور اعداء الرسول کا ذکر ملتا ہے۔

آپ کے شاگردوں میں مولانا کرم حسین صاحب، زنگی پوری (دیکھئے احوال) مولانا حسن

رضا صاحب، مولانا سید منصب علی صاحب، اور مولانا سید صفدر علی صاحب جیسے نامور حضرات شامل ہیں۔

۱۲۶۸ھ (= ۱۸۵۱-۲ء) میں وفات پائی اور اپنے پدر بزرگوار کے پہلو میں مولوی باغ میں دفن ہوئے۔ مفتی سید محمد عباس صاحب نے "آہ لرزہ عظیم" سے تاریخ نکالی۔

اولاد

تین بیٹے تھے سید علی، سید مہدی اور سید عسکری۔ دو بیٹیاں تھیں جو بڑی بیگم اور چھوٹی بیگم کہلاتی تھیں۔

(الجواد اگست ۱۹۸۶ء، الذریعہ جلد نمبر ۱۱)

محمد اشرف

مولانا مولوی محمد اشرف صاحب ضلع راولپنڈی میں کہیں پر اہل سنت کے پیش نماز تھے اور شیعوں کے شدید مخالف۔ توفیق الٰہی نے راہنمائی کی اور نہ صرف خود شیعہ ہوئے بلکہ اپنے وعظ و نصیحت سے بہت سے دوسرے افراد کو بھی راہ حق پر لائے۔

(رسالہ تعلیم، لکھو ماہ جنوری ۱۹۹۱ء)

محمد اکبر، سید

حدود ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء
۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

مولوی سید محمد اکبر صاحب، سید صاحب حسین ابن سید علی بخش کے بڑے صاحبزادے تھے۔ گوپال پور ضلع سارن (اب سیوان) وطن تھا ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، پھر مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں داخل ہوئے جہاں آپ کے چچازاد بھائی جناب مولوی سید ناظر حسن صاحب (دیکھئے احوال) مدرس اعلی تھے۔ وہاں سے مولوی کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) آئے جہاں سے عالم کا امتحان پاس کیا۔

اس کے بعد، وقف محسنیہ، ہگلی، سے بطور ذاکر منسلک ہوئے۔ پھر مدرسہ عالیہ (کلکتہ) میں ہیڈ مولوی مقرر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد امامیہ مسجد (گیا، بہار) میں پیشنمازی کے فرائض انجام دئے۔ آخر عمر میں اپنی سسرال، موضع بھیک پور (ضلع سارن) میں مقیم رہے جہاں امامت جمعہ وجماعت آپ سے متعلق رہی۔ وہیں ۱۹۸۴ء میں ستر سال سے زیادہ کی عمر میں انتقال فرمایا

(ذاتی معلومات)

سید محمد امین گوپال پوری

----/----
۱۲۹۱/۱۸۷۴

مولوی سید محمد امین صاحب گوپال پور ضلع سارن کے باشندے تھے۔ فخر الحکماء سید علی اظہر کھجوئی کے حال میں تذکرۂ بے بہا میں درج ہے کہ "مگر جب سے مولوی محمد امین صاحب گوپال

پوری تشریف لائے تو مستقل طور سے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ بزرگوار مرد مقدس اور خیر خواہ تھے۔ مگر افسوس مرحوم نے ہیضہ میں ۱۲۹۱ھ انتقال فرمایا" (تذکرہ ص ۲۶۰)

آپ سید سوال حسین صاحب کے خاندان سے تھے۔

(تذکرہ بے بہا و ذاتی معلومات)

محمد باقر، سید کشمیری

سید محمد باقر کشمیری کابلی کو باقر شاہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ الذریعہ جلد نمبر ۱۴ میں ان کی ایک کتاب السیف الصارم کا ذکر ملتا ہے جو بعض سادات کشمیر کی سیادت کے اثبات میں اردو میں لکھی گئی پھر فارسی میں لاہور میں چھپی۔

ان کی مزید دو کتابیں ہیں: (۱) دفع المغالط (۲) مضاریب المشککین۔

الذریعہ کے بعض جملوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتابیں شیخ حسین نوری طبرسی (متوفی ۱۳۲۰ھ) کے وقت میں لکھی گئیں۔ اس سے باقر شاہ کا عہد معین کرنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔

محمد باقر، سید

سید محمد باقر جناب غفران مآب کے تلامذہ میں تھے۔ آپ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ خطیب بھی تھے سید مہدی نجف علی نے تذکرۃ العلماء المحققین میں آپ کے اوصاف یوں لکھے ہیں۔ "العالم الفاضل الکامل، الادرع الاتقی"

(الکرام البررۃ جلد اول ص ۱۹۶ تذکرۃ العلماء المحققین)

محمد باقر شاہ، سید

۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء

۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

مولوی سید محمد باقر شاہ نے موضع لنڈی کوکی کے سادات عظام کے گھرانے میں جنم لیا۔ ابتدائی تعلیم بزرگوں کے زیر سایہ حاصل کی۔ تحصیل علم کے بہت دلدادہ تھے۔ ہر وقت درس میں مصروف رہتے تھے۔ فارسی تو بچپن ہی میں بزرگوں سے سیکھ لی تھی مگر عربی بڑھاپے میں سیکھی۔ عربی صرف نحو میں بہت مہارت پیدا کر لی تھی آپ کی زندگی کا نصب العین ہدایت خلق تھا آپ کی پوری عمر وعظ و نصیحت اور مجلس عزاء کے انعقاد میں گذری۔ آپ ایک بے نظیر خوش الحان ذاکر تھے۔ مومنین بنگش نے آپ کو سلطان الذاکرین کا لقب دیا تھا۔ حق گوئی اور زندگی کی سادگی آپ کا امتیاز تھی۔ آپ ایک سرگرم قومی کارکن بھی تھے۔ حکومت نے آپ کو ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بننے پر مجبور کیا۔ ان سب فرائض کے باوجود آپ ایک زاہد، متقی عابد شب زندہ دار بھی تھے۔ ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی

(پیام عمل۔ لاہور۔ جنوری ۱۹۷۸ء)

محمد باقر، سید نقوی

۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

آپ مولانا سید علی حیدر صاحب (مدیر اول ماہنامہ اصلاح) کے فرزند اکبر تھے۔ آپ ۲۷ رشعبان ۱۳۳۷ھ / ۲۸ مئی ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر کے علمی ماحول میں حاصل

کر کے سلطان المدارس گئے۔ وہاں سے صدر الافاضل کیا اور اسی کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کی سند حاصل کی۔ ادارہ اصلاح اور ماہنامہ اصلاح کے امور میں وہ شروع سے ہی اپنے والد ماجد کا ہاتھ بٹاتے تھے اور ان کے انتقال کے بعد تو بالکل یک و تنہا اس جہاز کو چلاتے رہے کیونکہ ان کے دونوں چھوٹے بھائی، سید آغا جعفر اور سید رضی جعفر صاحبان ہجرت کر کے کراچی چلے گئے تھے۔

عربی سے اردو میں ترجمہ میں انھیں کمال مہارت حاصل تھی۔ اور متعدد ضخیم کتابوں کے ترجمے انھوں نے ایسی شستہ اور رواں اردو میں کئے کہ وہ ترجمہ نہیں بلکہ مستقل تصنیف معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں دین حق (ترجمہ المراجعات)، ندائے عدالت انسانی (ترجمہ صوت العدالۃ الانسانیہ)، بلاغۃ الحسین (ترجمہ بلاغۃ الحسین) خاص طور سے قابل ذکر ہیں دوسرے ترجمے ہیں: مدینہ سے مدینہ تک، تاریخ کربلائے معلی، جناب عائشہ، مالک اشتر، ہشام بن الحکم، میثم تمار، محمد بن حنفیہ، عبد اللہ بن سبا اور فلسفۂ شہادت۔

بقول سید محمد جابر جوراسی: "ان کا جو سب سے اہم کارنامہ ہے اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ ادارۂ اصلاح کی طرف سے سیرت امیر المومنین پر دس ضخیم جلدیں شائع ہوئی ہیں جو ایک انفرادی کارنامہ ہے۔ ان دس جلدوں میں زیادہ تر مولانا علی حیدر صاحب قبلہ کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ ان کی صرف ابتدائی دو جلدیں مولانا علی حیدر صاحب قبلہ تحریر فرما سکے تھے۔ لیکن صحت اور پھر عمر نے وفا نہ کی۔ لیکن الولد سرٌ لابیہ کے مصداق مولانا محمد باقر صاحب قبلہ نے اپنے والد کے نام ہی سے مزید جلدیں تیار کیں اور اپنے پدر بزرگوار کے خواب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔"

مولانا سید محمد باقر صاحب، سادہ مزاج رکھتے تھے اور انتہائی محنت سے کام کرتے تھے۔ تقریباً پوری زندگی لکھنؤ میں گذار دی۔ کٹرہ ابوتراب خاں میں قیام تھا۔ بعد مغربین کا عالم ہوٹل

میں نشست رہتی تھی جہاں وہ خطوط کے جوابات لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ آپ بڑی محنت سے زندگی بھر دین و مذہب کی خدمت انجام دیتے رہے۔

رسالۂ اصلاح اور ادارۂ اصلاح کے تمام فرائض (تصنیف و تالیف سے لے کر پرچوں کو سپردڈاک کرنے تک) کی ذمہ داری تنہا ان کے کاندھوں پر تھی کیونکہ مالی دشواریوں کے سبب کسی کارندے کا تقرر ممکن نہیں تھا۔ اس مسلسل محنت شاقہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تندرستی نے ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔

ایک مرتبہ قیام لکھنؤ کے دوران فالج کا ہلکا حملہ ہوا۔ کئی مہینوں کے علاج سے تھوڑا افاقہ ہوا تو پھر بدستور سابق کام میں مشغول ہو گئے اور علاج بھی چلتا رہا۔ رفتہ رفتہ صاحب فراش ہو گئے ہائی بلڈ پریشر اور دیگر شکایات کے ساتھ گردے کی تکلیف بھی لاحق تھی۔ پٹنے میں زیر علاج رہے اور وہیں ۲۲ رشعبان ۲۰ ۱۴ھ/ ۱۵ ارجون ۱۹۸۲ء کو صرف ۶۲ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور دوسرے روز کھجوے میں دفن ہوئے۔

مولانا نے حسینی سنہ ایجاد کیا جس کی ابتدا شہادت حسینی سے رکھی۔ جب انھوں نے اصلاح میں جنتری شائع کرنا شروع کیا تو اس میں حسینی سنہ کا کالم بھی رکھا اور اسی مناسبت سے جنتری کا نام حسینی جنتری رکھا۔

مولانا نے صرف ایک بیٹی اپنی یادگار چھوڑی جو سید ولدار حیدر صاحب (پٹنہ) کی اہلیہ ہیں۔ ممکن تھا کہ رسالۂ اصلاح آپ کے بعد بند ہو جاتا۔ لیکن آپ کی تمنا پر عمل کرتے ہوئے آپ کے ہم نام دوست مولانا سید محمد باقر جوراسی نے رسالہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ان کے صاحبزادے مولانا سید محمد جابر جوراسی اب مدیریت اصلاح کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔ مولانا سید محمد باقر جوراسی نے اپنے دوست کی تاریخ وفات حسینی اور ہجری سنوں

میں اس طرح نکالی ہے۔

دم بدم عالم حسینی کا یہی نالہ ہے۔ مکتہ رس اہل قلم آہ محمد باقر (۱۳۴۲ سنہ حسینی)
سال ہجری کی زباں مدح و ثنا کرتی ہے۔ متن اصلاح تھا ہر قول محمد باقر (۱۴۰۲ سنہ ہجری)

(محمد جابر جوراسی: سید یکہ دورانی معلومات)

محمد باقی، ملا، جونپوری

—/—

۱۰۸۶ھ/۱۶۷۵ء

ملا محمد باقی مفتی ابوالبقاء کے فرزند اور "سرتاج علماء عظام و سراج حکماء اعلام" تھے۔ شروع سے اپنی روحانی تربیت کی طرف بہت راغب تھے اور ملا محمود جونپوری سے وابستہ ہو گئے۔ استاد نے بھی جب ایک ذہین اور ذکی شاگرد پایا تو ان کی تعلیم اور تربیت کی طرف پوری توجہ کی اور تھوڑی ہی مدت میں ملا محمد باقی ملا محمود کے مرتاض شاگردوں میں ہو گئے۔

ملا محمد باقی معقولات اور منقولات خصوصا ریاضی اور حکمت کے ماہر تھے اور مضامین کی تشریح اتنی سلاست و شیرینی کے ساتھ کرتے تھے کہ سب لوگ ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ آخر کار "فاضل جونپوری" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

تصانیف

ملا محمد باقی نے دو کتابیں یادگار چھوڑیں: (۱) آداب باقیہ در شرح شرطیہ (۲) ابحاث باقیہ

برمنا قبر و مزار شیعہ ہے۔

۲۰ ربیع الثانی ۱۰۸۶ھ (۱۳ جولائی ۱۶۷۵ء) کو آپ کی وفات ہوئی۔ ان کی پختہ قبر محلہ مفتی گنج جونپور میں بلندی پر موجود ہے۔

(تکملہ نجوم السماء جلد اول۔ ۱۰۔۹)

محمد بشیر، سید، عشروی

و ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء

/

حکیم سید محمد بشیر صاحب ابن سید غلام حسنین صاحب کی ولادت اپنے وطن عشری خرد ضلع سارن (بہار) میں ۱۸۹۱ء (=۱۳۰۹ھ) میں ہوئی وطن میں اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کجھوہ میں عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پانچ سال بعد وہاں سے لکھنؤ جا کر سلطان المدارس میں داخل ہوئے۔ ساتھ ہی حکیم منے آغا صاحب فاحتی سے طب پڑھی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد تحصیل دیوریا میں آٹھ دس سال تک مطب کیا اور ساتھ ہی اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں، مولانا سید حامد حسین عشروی اور مولانا سید اظہار الحسنین صاحب (صدر الافاضل۔ واعظ) کی سرپرستی کرتے رہے۔ اہل وطن کے اصرار پر اور بعض ضروریات کے پیش نظر دیوریا کا قیام ترک کر کے اپنے گاؤں کے قریب قصبہ حسن پورہ میں مطب کرنے لگے۔ اچھے شاعر اور ذاکر تھے۔

(ذاتی معلومات از انجمن وظیفہ سادات و مومنین گولڈن جوبلی نمبر)

محمد تقی، کشمیری

ملا محمد تقی جناب ملا احمد علی ابن ملا محمد علی بادشاہ کشمیری کے فرزند تھے۔ علماء افاضل میں تھے۔ اور اپنے اب وجد کی طرح زیور علم و فضل سے آراستہ تھے۔

صاحب نجوم السماء کے وقت تک ملا محمد تقی کی اولاد موجود تھی۔

(نجوم السماء ص ۳۵۰، مطلع انوار ص ۵۰۳، تذکرہ بے بہا، دیوار حلقہ جلد اول ص ۲۰۸)

محمد تقی، مرزا

معیار العلماء مولانا مرزا محمد تقی ابن شمس العلماء مولانا مرزا محمد علی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ جب شاہ اودھ واجد علی شاہ مرحوم گرفتار ہو کر کلکتہ لائے گئے اور مٹیا برج میں سکونت اختیار کی تو مولانا مرزا محمد تقی کو بلوایا اور اپنے ساتھ مٹیا برج میں رہنے کی فرمائش کی، چنانچہ مولانا وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ کئی بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

ممبئی میں شیعیت کو فروغ دیا۔ ایک دن میں میمن قوم کے گیارہ سو افراد کو مذہب شیعہ سے روشناس کیا (افسوس کہ اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی)

آپ کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

(مرزا مجتبیٰ حسین ابن مولانا مرزا الطاف حسین بذریعہ مولانا غلام السیدین مجتبیٰ)

محمد جعفر، سید

۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء

مولانا سید محمد جعفر صاحب نے مذہب جعفری کی اس طرح نشر و اشاعت کی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ انہوں نے سرزمین کشمیر میں اتنے تشنگان معارف کو علوم محمدؐ و آل محمد سے سیراب کیا جس کو قید تحریر میں لانا دشوار ہے۔ آج کل جو کشمیری طلاب علم دین کی تحصیل کر رہے ہیں ان میں شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس نے ان سے فیض نہ پایا ہو۔ انہوں نے بہت سے مدارس تعمیر کرائے۔ ان میں ایک مدرسہ مفتاح العلوم تھا جس کو ۱۹۸۳ء کے زلزلے نے مٹا دیا۔

مولانا نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ (= ۲ ستمبر ۱۹۶۳ء) کو اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔

(الجواد جلد نمبر ۲ نمبر ۱ شعبان و رمضان ۱۳۸۳ھ)

محمد جعفر، ملا، شریف دیوجی

۱۸۸۹/۱۳۰۶

۱۹۶۰/۱۳۷۹

الحاج ملا محمد جعفر شریف دیوجی کے دادا دیوجی جمال اس خوجہ گروپ کے لیڈر تھے۔ جس نے ۱۸۷۷ء میں کھلم کھلا آغا خان (اول) سے قطع تعلق کیا۔ اس انفصال کے نتیجے میں کچھ، کاٹھیاواڑ، ممبئی اور کراچی میں خوجہ شیعہ اثنا عشری جماعتیں وجود میں آ گئیں۔ ان کے صاحبزادے، شریف

دیوجی، اس تحریک میں اپنے والد کے دست راست تھے۔ شریف دیوجی کے دو بیٹے ہوئے۔ ملا محمد جعفر اور ملا حسین، دونوں بھائی زنجبار میں رہتے تھے۔ جب مدرسۃ الواعظین قائم ہوا اور ۱۹۲۲ء سے حضرات واعظین افریقہ بھیجے جانے لگے تو ان واعظین کا سارا انتظام اور پروگرام انہیں بھائیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ ملا محمد جعفر شریف نے اپنے شوق اور اپنی محنت سے اردو، فارسی اور عربی (اور آخری عمر میں انگریزی بھی) سیکھ لی تھی۔ انہوں نے ایک بہت بڑا کتب خانہ فارسی، عربی اور اردو کتابوں کا مہیا کر لیا تھا جو اب بلال مسلم مشن (کینیا) کے قبضے میں ہے۔

ملا محمد جعفر مرحوم نے قوم کی اصلاح کے خیال سے مشرقی افریقہ سے لے کر مڈاگاسکر تک اپنے خرچ سے کئی مرتبہ دورہ کیا۔ گجراتی زبان میں مجلسیں پڑھتے تھے البتہ مصائب اردو میں پڑھتے تھے۔ اس بنا پر ان کی مجلسیں زیادہ موثر ثابت ہوتی تھیں اور وعظ و نصیحت کا اثر عورتوں اور بچوں تک پر بہت زیادہ ہوتا تھا۔ ان کی اصلاحی جد و جہد تقریروں تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ خوجہ قوم کی ضروریات کے پیش نظر گجراتی زبان میں چھبیس ۲۶ کتابیں لکھیں اور چھپوائیں ان میں سے چار درسی کتابیں (شمع ہدایت اور دینیات کی پہلی، دوسری اور تیسری کتابیں) تو تقریباً ۱۹۷۷ء تک تمام گجراتی مدرسوں میں رائج تھیں۔ ان کے علاوہ والمساوات، تحفہ رضویہ، تحفہ جعفریہ، رویت ہلال، المحاسن اور امام زمانہ قابل ذکر ہیں۔ آخری کتاب کا اردو ترجمہ الجواد بکڈپو (بنارس) سے شائع ہو چکا ہے۔ دوسری اہم کتابیں ہیں شہید اسلام، یادگار حسین، دلیل الزائرین، نجات المشر کین، روح (آتما) اور کملی والے۔

ملا محمد جعفر ۱۸۸۹ء (= ۱۳۰۶ھ) میں زنجبار میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں پر ۱۹۶۰ء (۱۳۷۹ھ) میں راہی جنت ہوئے۔ تجارت کے سلسلے میں ایک عرصہ تک ممباسا (کینیا) میں بھی مقیم رہے جہاں مذہبی تعلیم کی غرض سے مدرسہ فیض حسینی قائم کیا۔

راقم الحروف سے ان کی ملاقات دسمبر ۱۹۵۹ء میں "اسٹیٹ آف بامبے" نامی جہاز پر ممباسا

محمد جعفر، سید

۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

مولانا سید محمد جعفر صاحب نے مذہب جعفری کی اس طرح نشر و اشاعت کی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ انھوں نے سرزمین کشمیر میں اتنے تشنگان معارف کو علوم محمدؐ و آل محمد سے سیراب کیا جس کو قید تحریر میں لانا دشوار ہے۔ آج کل جو کشمیری طلاب علم دین کی تحصیل کر رہے ہیں ان میں شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس نے ان سے فیض نہ پایا ہو۔ انھوں نے بہت سے مدارس تعمیر کرائے۔ ان میں ایک مدرسہ مفتاح العلوم تھا، جس کو ۱۹۸۳ء کے زلزلے نے مٹا دیا۔

مولانا نے ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ (= ۲ ستمبر ۱۹۶۳ء) کو اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔

(الجواد جلد نمبر ۱۹ نمبر ۱ شعبان و رمضان ۱۴۰۳ھ)

محمد جعفر، ملا، شریف دیوجی

۱۸۸۹/۱۳۰۶

۱۹۶۰/۱۳۷۹

الحاج ملا محمد جعفر شریف دیوجی کے دادا دیوجی جمال اس خوجہ گروپ کے لیڈر تھے۔ جس نے ۱۸۷۷ء میں کھلم کھلا آغا خان (اول) سے قطع تعلق کیا۔ اس انفصال کے نتیجے میں کچھ، کاٹھیاواڑ، بمبئی اور کراچی میں خوجہ شیعہ اثنا عشری جماعتیں وجود میں آگئیں۔ ان کے صاحبزادے، شریف

دیوجی، اس تحریک میں اپنے والد کے دست راست تھے۔ شریف دیوجی کے دو بیٹے ہوئے۔ ملا محمد جعفر اور ملا حسین، دونوں بھائی زنجبار میں رہتے تھے۔ جب مدرستہ الواعظین قائم ہوا اور ۱۹۲۲ء سے حضرات واعظین افریقہ بھیجے جانے لگے تو ان واعظین کا سارا انتظام اور پروگرام انہیں بھائیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ ملا محمد جعفر شریف نے اپنے شوق اور اپنی محنت سے اردو، فارسی اور عربی (اور آخری عمر میں انگریزی بھی) سیکھ لی تھی۔ انھوں نے ایک بہت بڑا کتب خانہ فارسی، عربی اور اردو کتابوں کا مہیا کر لیا تھا جو اب بلال مسلم مشن (کینیا) کے قبضے میں ہے۔

ملا محمد جعفر مرحوم نے قوم کی اصلاح کے خیال سے مشرقی افریقہ سے لے کر مڈاگاسکر تک اپنے خرچ سے کئی مرتبہ دورہ کیا۔ گجراتی زبان میں مجلسیں پڑھتے تھے البتہ مصائب اردو میں پڑھتے تھے۔ اس بناء پر ان کی مجلسیں زیادہ موثر ثابت ہوتی تھیں اور وعظ و نصیحت کا اثر عورتوں اور بچوں تک پر بہت زیادہ ہوتا تھا۔ ان کی اصلاحی جد و جہد تقریروں تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ خوجہ قوم کی ضروریات کے پیش نظر گجراتی زبان میں چھبیس ۲۶ کتابیں لکھیں اور چھپوائیں ان میں سے چار درسی کتابیں (شمع ہدایت اور دینیات کی پہلی، دوسری اور تیسری کتابیں) تو تقریباً ۱۹۷۰ء تک تمام گجراتی مدرسوں میں رائج تھیں۔ ان کے علاوہ المساوات، تحفۂ رضویہ، تحفۂ جعفریہ، رویت ہلال، المحاسن اور امام زمانہ قابل ذکر ہیں۔ آخری کتاب کا اردو ترجمہ الجواد بکڈپو (بنارس) سے شائع ہو چکا ہے۔ دوسری اہم کتابیں ہیں شہید اسلام، یادگار حسین، دلیل الزائرین، نجات المشرکین، روح (آتما) اور کملی والے۔

ملا محمد جعفر ۱۸۸۹ء (= ۱۳۰۶ھ) میں زنجبار میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں پر ۱۹۶۰ء (۱۳۷۹ھ) میں راہی جنت ہوئے۔ تجارت کے سلسلے میں ایک عرصہ تک ممباسا (کینیا) میں بھی مقیم رہے جہاں مذہبی تعلیم کی غرض سے مدرسہ فیض حسینی قائم کیا۔

راقم الحروف سے ان کی ملاقات دسمبر ۱۹۵۹ء میں "اسٹیٹ آف بامبے" نامی جہاز پر ممباسا

اور زنجبار کے درمیان چند گھنٹوں کے لئے ہوئی۔ مرحوم الجواد میں میرے مضامین پڑھتے رہتے تھے۔ اور جب میں نے اپنا نام بتایا تو انتہائی محبت اور احترام سے ملے۔ اس کے بعد خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا یہاں تک کہ چند مہینوں کے بعد ان کی موت نے وہ باب ہی بند کر دیا۔

ملا صاحب مرحوم نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی یادگار چھوڑی۔ بیٹی ملا اصغر علی ام۔ ام۔ جعفری کی والدہ ہیں اور بیٹے حاجی علی محمد جعفر شریف مرحوم تھے جو میرے گہرے دوست اور بلال مسلم مشن کے موسسین میں تھے۔ اور جب اروشہ سے ممباسا چلے گئے تو بلال مسلم مشن (کینیا) کی روح رواں تھے۔

(حاجی علی محمد جعفر اور ذاتی معلومات)

محمد جواد، سید، بھیکپوری

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

آپ قدوۃ العارفین مولانا سید علی طاب ثراہ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت ۲۸ رشوال ۱۲۷۳ھ (= ۲۲ رجولائی ۱۸۵۷ء) بروز شنبہ قبل از طلوع صبح صادق ہوئی تھی۔ ایام رضاعت ختم ہونے پر آپ کے والد ماجد نے تعلیم و تربیت اور اخلاق و آداب سکھانے کی غرض سے آپ کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔ جس طرح آپ کے بڑے بھائی کو ساتھ رکھتے تھے۔ آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی جب آپ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔

تعلیم

آپ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح تحصیل علم کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے اور مدرسۂ ایمانیہ میں داخل ہو گئے۔ مدرسہ کے ایک مشہور مدرس سید حسین صاحب بارہوی لکھنوی (وفات ۱۳۱۹ھ) طب اور معقولات کے استاد کامل سمجھے جاتے تھے۔ ان کے مشہور تلامذہ میں حکیم محمد جواد صاحب کا نام ملتا ہے۔ دوسرے اساتذہ تھے مولانا سید تصدق حسین صاحب کنتوری اور جناب حید علی صاحب (وفات ۱۳۰۲ھ) موخر الذکر فقہ و اصول میں مجتہد، معقولات میں یکتا اور ادب میں مانے ہوئے ادیب تھے۔ پٹنہ میں نواب لطف علی خاں صاحب کی مسجد میں جمعہ و جماعت پڑھاتے تھے۔ مگر چھ ماہ پٹنہ میں اور چھ ماہ لکھنؤ میں رہتے تھے۔ آپ کا عربی دیوان بھی ہے منشی اشرف علی صاحب سے خوش خطی سیکھی تھی۔ مولانا حکیم سید کمال الدین صاحب لکھنؤ (وفات ۱۲۹۵ھ) سے طبابت اور ڈاکٹری کے فنون حاصل کر کے ان دونوں میں ماہر ہو گئے۔ اللہ نے دست شفا عطا فرمایا تھا۔ لیکن جس استاد سے آپ نے خاص طور سے فیض اٹھایا اور عرصۂ دراز تک ان سے وابستہ رہے وہ تھے جناب مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ۔ سفر و حضر میں ہر وقت استاد کے ساتھ رہتے تھے۔

عزیز لکھنوی نے آپ کے لئے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ''مولوی حکیم سید محمد جواد صاحب بھیکپوری مفتی صاحب کے شاگرد اور نہایت جید الاستعداد تھے۔ کئی کتابیں ان کی تصنیف ہیں۔ ایک مثنوی بھی نظم فرمائی جو معارف ملتہ کا گنجینہ ہے۔ مفتی صاحب قبلہ انہیں بہت دوست رکھتے تھے۔''

اوپر کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ افسوس یہ ہے کہ راقم الحروف کو ان کی کسی تصنیف کا نام تک معلوم نہیں ہو سکا البتہ مثنوی حسن اتفاق سے مجھے دستیاب ہو گئی ہے جو فارسی میں ہے۔

پٹنہ کا قیام

پٹنہ کے قیام میں آپ کا بہت گہرا رابطہ شاد عظیم آبادی اور مولانا سید محمد المتخلص بہ وزیر فرزند جناب مفتی محمد عباس صاحب (جو گنگرا رباغ کی مسجد میں پیشنماز تھے۔) کے ساتھ رہا۔ اور بقول جناب نقی احمد ارشاد شاد عظیم آبادی کی وہ غزلیں جن پر تصوف کا رنگ غالب ہے وہ حکیم محمد جواد صاحب کی صحبت کا اثر تھا۔

وفات

آپ کی وفات ۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو آپ کے وطن مالوف میں ہوئی (۱۹۲۱ء)

محمد حسن، سید

مولانا سید محمد حسن صاحب سید العلماء سید حسین علیین مکان کے شاگردوں میں اعلیٰ پایہ کے عالم و فاضل تھے۔ ورثۃ الانبیاء میں ان کیلئے یہ القاب لکھے ہیں۔ "العالم بالنقیر والمحقق الخبیر"

(ورثۃ الانبیاء۔ الکرام البررۃ جلد اول ص ۳۰۲)

محمد حسن، سید (کجگاؤں)

۱۲۴۰/۱۸۲۵

مولانا حاجی سید محمد حسن صاحب، مولانا سید گلشن علی (دیکھئے احوال) کے چھوٹے فرزند تھے۔ آپ جلیل المرتبت اور مسلم الثبوت عالم تھے خصوصاً علم ریاضی میں یگانہ تھے۔ بڑے ہی متقی اور

پرہیزگار تھے۔ ۱۸ شوال ۱۲۴۰ (=۵ جون ۱۸۲۵) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد علام سے کتب درسیہ مختصرات و مطولات کا درس لیا۔ اور تکمیل علوم علماء عرب و عجم سے بہ زمانہ حج و زیارات فرمائی۔ علوم ریاضی کو مولانا غلام حسن رنگال جونپوری سے پایہ تکمیل تک پہونچایا۔ چونکہ علوم ریاضی میں آپ کو بہت انہماک تھا اس لئے اس علم کی تحقیق کی غرض سے آپ ۱۲۸۹ھ میں یوروپ گئے اور وہاں کے علماء سے ریاضیات کے مشکلات کو حل کیا۔

تقوی کا یہ عالم تھا کہ جو کی خشک روٹیاں لے کر لندن گئے اور جب تک وہاں مقیم رہے اسی خشک روٹی پر بسر کی۔ آخر عمر تک درس و تدریس اور تصنیف کتب و رسائل میں مصروف رہے اور خدمت خلق بھی کرتے رہے۔ آپ کے تصانیف کثیرہ میں کوئی بھی کتاب زیادہ مشہور نہ ہوگی۔ آپ کی قبر کجگاؤں ضلع جونپور میں ہے

(تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ص ۴۹۶ از سید اقبال احمد جونپوری)

مرزا محمد حسن نجفی

میرے نانا جناب مولوی حکیم سید زین العابدین صاحب طاب ثراہ نے ایک رسالہ فتوائیہ "طریق النجاۃ" کا ترجمہ اردو میں کر کے شائع کرایا تھا۔ اس کا نام تھا ترجمہ طریق النجاۃ اور دوسرا نام تھا صراط النجاۃ۔

یہ ترجمہ "حسب فرمائش عمدۃ الافاضل الکرام مرجع شعائر اسلام جناب مرزا محمد حسن نجفی دامت معالیہ" کیا گیا تھا۔ یہ کون بزرگوار تھے پتہ نہیں چلتا۔ ترجمہ ۱۳۱۷ھ میں چھپا تھا۔ اس وقت اس نام کے کون سے بزرگ لکھنؤ یا شیعی دنیا میں تھے؟

محمد حسن مرزا، دہلی

۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء

۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء

مولوی مرزا محمد حسن صاحب دہلوی کی خبر وفات رسالہ اصلاح جلد نمبر ۱۸ نمبر ۳ میں صفحہ ۵۹ پر چھپی ہے۔ اس تحریر کے مطابق "آپ جناب فردوس مآب مولانا سید حامد حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کے تلامذہ سے تھے۔ مگر گوشہ نشینی آپ پر غالب تھی۔ طبیعت شہرت پسند نہ تھی مگر جامع کمالات تھے۔ خدا مغفرت کرے"

آپ نے ۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (= ۲ / فروری ۱۹۱۵ء) کو ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی اس حساب سے آپ کی ولادت حدود ۱۲۶۷ھ (= ۱۸۵۰ء) میں ہوئی ہوگی۔

محمد حسین، سید

جناب مولانا سید محمد حسین صاحب پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس ۱۹۱۰ء میں جو کمیٹی ماہرین کی شیعہ دینیات کا نصاب مرتب کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اس میں آپ کا بھی نام تھا۔

(ماہنامہ شیعہ لکھنؤ جون ۱۹۱۰ء)

محمد حسین، سید فیض آبادی

مولانا سید محمد حسین صاحب جناب مولانا سید علی صاحب فیض آبادی کے فرزند اور جانشین تھے۔ آپ علم و فضل کے ساتھ تقویٰ اور تقدس میں بھی فرد تھے۔ بہت ہی رحمدل اور مہمان نواز تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد فیض آباد کے امام جمعہ و جماعت قرار پائے۔ اہل شہر ان کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے ان کے گرویدہ تھے۔ امراء و حکام بھی پر آپ کا بہت اثر تھا۔ گورنر بلکہ وائسرائے تک ان کا احترام کرتے تھے۔ آپ نے وثیقہ عربی کالج کی بنیاد ڈالی جو فیض آباد میں اپنی نوعیت کا واحد مدرسہ تھا اور جس میں سنی اور شیعہ طلبہ یکجا تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس مدرسہ کے سابق پرنسپلوں میں ہمیں یہ نام ملتے ہیں۔ مولانا سید محمد رضا صاحب، مولانا سید شبیر حسن صاحب، مولانا سید ممتاز حیدر صاحب افتخار العلماء، مولانا سعادت حسین خاں صاحب، اور ضیاء الواعظین مولانا سید وصی محمد صاحب طاب ثراہم اجمعین

آپ کے جانشین ہوئے مولانا سید علی احمد صاحب جو زہد و تقویٰ، عبادت گذاری اور پابندی وضع میں شہرت تامہ رکھتے تھے۔

(الجواد اگست ۱۹۸۶ء)

محمد حسین، سید

رسالہ شیعہ (لکھنؤ) جلد نمبر ۸ نمبر ۱۲ میں مولوی سید محمد حسین صاحب کا نام بحیثیت ممتاز مُندرا (لکھو) ملتا ہے۔

رسالہ شیعہ (ماہ جون ۱۹۱۱ء) میں ایک مولوی محمد حسین صاحب کی کتاب حقائق الحقائق کا ترجمہ (بالاقساط) چھپا ہے۔ معلوم نہیں یہ دونوں علیحدہ شخصیتیں تھیں یا ایک۔

محمد حسین، مرزا

رسالہ اصلاح (محرم ۱۳۲۲ھ) میں شائع شدہ سکریٹری مدرسہ ناظمیہ کی جس رپورٹ کا ذکر مولانا سید فخر الدین صاحب کے حالات میں آچکا ہے، اس رپورٹ میں تیرہواں نام "مولوی مرزا محمد حسین صاحب، یتیم و مجاور مشہد مقدس" کا ہے۔

محمد حفیظ، ملا، جونپوری

...../.....

۱۱۲۸ھ/۱۷۱۶ء

ملا محمد حفیظ، مفتی سید مبارک جونپوری (دیکھئے احوال) کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے اول سے آخر تک اپنے عم نامدار سے علوم حاصل کئے تھوڑے ہی دنوں میں ان کی فضیلت کا شہرہ آسمان تک پہنچ گیا۔ عبادت الٰہی اور تقویٰ میں بے مثل تھے۔ درس و تدریس اور ذکر الٰہی کے علاوہ دنیا کے کسی کام سے دلچسپی نہ تھی۔ جب ان کے علم و فضل اور روحانیت کا چرچا شہنشاہ اورنگ زیب کے کانوں تک پہنچا تو شہنشاہ نے ان کو بلانے کے لئے بار بار دعوت نامے بھیجے لیکن یہاں سے انکار کے علاوہ کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار ایک مصاحب خاص کو جونپور بھیجا گیا جس نے بہ ہزار منت و سماجت ملا محمد حفیظ کو دلی جانے کے لئے راضی کر لیا۔ جب ان کی پالکی دلی میں داخل ہو رہی تھی اتفاقاً ایک مردہ پان کھائے ہوئے، جس کے دانت بہ انداز تبسم کھلے ہوئے تھے۔ علی مردان خاں کی نہر میں پڑا ہوا تھا۔ ایک آزاد مشرب فقیر نے ملا کی پالکی پکڑ کر اس مردے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا

عیش دنیا را بقائے نیست، دیدی غنچہ را　　یک تبسم کرد، آخر در پریشانی گذشت

ملا صاحب پر اس شعر کو سن کر ایسا اثر ہوا کہ کہاروں کو حکم دیا کہ پالکی جونپور واپس لے چلیں۔ لوگوں نے بہت منت وزاری کی مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ جونپور واپس آگئے اور جب تک زندہ رہے تو کل اور گوشہ نشینی میں زندگی گذاردی

۲۸ رشوال ۱۱۲۸ھ/ = ۱۳ را کتوبر ۱۷۱۶ء) بروز جمعہ راہی جنت ہوئے اور جونپور میں دفن ہوئے۔　(تحفہ نجوم السماء جلد اول ص ۱۳-۱۲)

محمد حیدر، سید، کھجوی

...../.....

۱۳۴۵/۱۹۲۶

مولانا سید محمد حیدر صاحب جناب فخر الحکماء سید علی اظہر صاحب کھجوی کے دوسرے فرزند تھے آپ کا علم عمل سے ہم آہنگ تھا اور دین وملت کے دفاع میں سینہ سپر رہتے تھے۔ آپ نے عبدالشکور کاکوروی کے ناول سکینہ بنت الحسین کے جواب میں جواب شر لکھی۔ اس کی اشاعت کے لئے عبدالشکور کے رسالہ النجم کے مقابلہ میں الشمس (ماہوار) نکالنا شروع کیا۔ اب آپ کا ارادہ تھا کہ تحفہ اثنا عشریہ کا جواب اردو زبان میں (جو جامع مگر مختصر ہو) الشمس میں شائع کیا جائے چنانچہ اس کے ۵۲ صفحے چھپ کر قارئین تک پہنچ چکے تھے۔ لیکن شدید علالت نے کام آگے بڑھنے نہ دیا۔ علالت کے باوجود علمی اور مذہبی خدمات میں حتی الامکان سستی پیدا ہونے نہ دی

تین سال تک مرض سل (T.B) میں مبتلا رہ کر ۲ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ / ۱۲/۱۰ اکتوبر ۱۹۲۶ء بروز سہ شنبہ صبح کے وقت راہی جنت ہوئے۔ دو کمسن لڑکے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی

(اصلاح جمادی الآخر ۱۳۴۵ھ جلد نمبر ۳۰ نمبر ۲)

محمد حیدر، شیخ، شیر تبلیغ

-----/-----

۱۳۰۹ھ/۱۹۸۸ء

مولانا شیخ محمد حیدر صاحب واعظ سنبھل ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کرنے کے بعد مدرسۃ الواعظین میں داخل ہوئے اور وہاں سے فارغ ہو کر پہلے مدرسۃ الواعظین کی طرف سے اور اس کے بعد ذاتی طور پر تبلیغی دورے کرتے رہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کے بہت سے بیرونی مقامات پر بھی پہنچے اور ان تبلیغی صعوبتوں کی وجہ سے قوم نے شیر تبلیغ کا خطاب دیا۔

مولانا محمد حیدر صاحب کی تقریر بے حد دلچسپ اور دلپذیر ہوتی تھی۔ موقع محل پر مناسب اشعار کا استعمال کرتے تھے۔ خود بھی ایک باکمال شاعر تھے اور کمال تخلص کرتے تھے۔

جب سفر کے قابل نہ رہے تو ایک عرصہ تک ضلع غازی آباد میں پیشنمازی اور تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کئی ماہ کی علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

(الجواد جلد نمبر ۰ سال ۱۹۸۹ء ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ)

محمد داؤد، سید، زنگی پور

۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء

-----/-----

مولانا سید محمد داؤد صاحب، زنگی پور میں ۹ رجب ۱۲۹۴ھ (= جولائی ۱۸۷۷ء) کو پیدا

ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام "سید مظفر" ہے مدرسہ ناظمیہ کے دور اول کے فارغ التحصیل حضرات میں تھے مولانا سید محمد ہارون صاحب کے ساتھیوں میں تھے۔ علمی پایہ بہت بلند تھا اور ذہانت وجودت طبع بے مثال تھی۔ آپکو جو اجازہ سرکار نجم العلماء نے عطا فرمایا تھا وہ آپ کی لیاقت وصلاحیت پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ آپ بڑے خوش بیان اور باثر خطیب تھے، مصائب اس طرز سے پڑھتے تھے کہ ہر شخص متاثر ہوتا تھا۔ بیان میں اصلاحی پہلو نمایاں رہتا تھا۔ بچپن ہی سے آپ کو نماز وعبادت اور تلاوت قرآن کا شوق تھا اور عمر کے ساتھ ساتھ تقوی اور تورع بڑھتا گیا یہاں تک کے قدیم زمانے کے علماء مقدسین کی تصویر نظر کے سامنے آجاتی تھی۔

آپ کی صحت ہمیشہ خراب رہی۔ اختلاج قلب اور نزلہ نے زندگی بھر ساتھ نہ چھوڑا اس لئے کسی تصنیف کی نوبت نہ آئی، جہاں کچھ لکھنا شروع کیا دوران سر شروع ہو گیا اور وہ تحریر نامکمل رہ گئی۔ البتہ اردو، عربی اور فارسی کے قصائد نہایت مضمون خیز اور موثر ہوتے تھے۔

ممتاز الافاضل کرنے کے بعد جناب سید علی احمد صاحب رئیس اورنگ آباد ضلع بلند شہر کے یہاں تدریس کے لئے روانہ کئے گئے۔ کچھ دن وہاں قیام کیا تھا کہ مولانا سید ذکی حسن صاحب زنگی پوری نے اپنی نیابت کے لئے پٹنہ بلالیا اور بادشاہ نواب مرحوم کی سرکار سے متوسل ہو گئے۔ پٹنہ کے مومنین آپ کے گرویدہ تھے اور آپ خود بھی وہاں مانوس ہو گئے تھے مگر وہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی اس لئے پٹنہ چھوڑ کر پھر اورنگ آباد واپس آگئے۔ وہاں سے مدرسہ عالیہ رامپور میں بطور مدرس مقرر ہوئے اور آخر عمر تک وہیں رہے۔

(گوہر منثور، انجمن گلزار جوبلی نمبر)

محمد درویش، سید، جونپوری

۹۹۸ھ/۱۵۹۰ء

ملا محمد درویش زیدی سید اور مفتی محلہ (جونپور) کے سادات کے مورث اعلیٰ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۱۷ واسطوں سے امام زین العابدین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد میں سید ابوالفرح واسطی نے چنگیز خاں کے حملوں کے زمانے میں شہر واسط (عراق) سے بھاگ کر موضع تجن پور میں سکونت اختیار کی۔ ملا محمد درویش اسی خاندان میں وہیں پیدا ہوئے۔

ملا محمد درویش سن شعور تک پہنچے تو تحصیل علم کے جذبے نے جونپور پہنچایا جہاں شیخ الملک مبارک خیر محمدی کی خانقاہ میں مقیم ہوئے استاد الملک ملا محمد افضل سے تمام علوم کی تحصیل کر کے نامور علماء وفضلاء میں شمار ہونے لگے۔ پوری عمر طلبہ کو تعلیم دینے میں گذار دی۔ دنیاوی نمائش اور جاہ وحشم کی طرف کبھی توجہ نہ کی۔

زمانہ طالب علمی میں ایک رات کتاب پڑھتے غنودگی طاری ہوئی اور ملا محمد درویش کے گیسو چراغ کی لو پر پڑ گئے۔ لیکن آگ کا کوئی اثر ان کے بالوں پر نہ ہوا۔ اتفاقاً شیخ مبارک خیر نے یہ ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ملا محمد درویش کی عالی نسبی کا یقین ہو گیا کیونکہ "آتش دوزخ سادات پر حرام ہے" نکاح وکتابت کے ذریعے ان کے سلسلہ نسب کی مزید تحقیق وتفتیش کی اور مطمئن ہو کر اپنی بیٹی ملا محمد درویش سے بیاہ دی۔

آخر کار ملا محمد درویش نے خواجہ میر کے محلہ میں سکونت اختیار کی جہاں ان کی اولاد آج بھی موجود ہے۔ اور وہ علاقہ مفتی محلہ کہلاتا ہے۔

آپ کی وفات ۱۷ ذی الحجہ ۹۹۸ھ (=۷ اکتوبر ۱۵۹۰ء) میں ہوئی

(تحفۂ نجوم السماء، جلد اول ص ۷-۹)

محمد راجی

۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء

مولوی محمد راجی، ملا محمد حفیظ جونپوری (دیکھئے احوال) کے نبیرہ تھے۔ شروع میں اپنے جد امجد سے استفادہ کیا۔ ان کے انتقال کے بعد دوسرے علماء کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ تھوڑی ہی مدت میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ علمائے جونپور کے سرتاج تھے۔ تمام علوم متعارفہ پر عبور حاصل تھا اور ہر فن میں درس دیتے تھے۔ البتہ فقہ اور اصول فقہ میں غیر معمولی مہارت تھی اور اسی وجہ سے افقہ الفقہاء کے لقب سے مشہور تھے۔ توکل علی اللہ اور دنیا سے بے نیازی آخری حد تک تھی۔ پوری زندگی درس وتدریس اور تزکیہ نفس میں گذار دی۔ آپ کو شاعری کا بھی ذوق تھا۔

۱۷ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ (=۲۰ اگست ۱۷۷۹ء) کو اس عالم فانی سے رخصت ہوئے اور فیض آباد میں قاضی غلام مصطفےٰ کے باغ میں دفن ہوئے۔

(تحفۂ نجوم السماء، جلد ۱ ص ۱۳)

محمد رحیم رحیمیان

سا ۲۰/۳ مارچ ۱۹۰۲ء

سنہ ۱۲/۱۲ /۱۹۹۲ء

مولانا محمد رحیم رحیمیان ابن مولانا خدا رحم صاحب کوئٹہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ ابتدائے جوانی میں نجف تشریف لے گئے۔ یہ آیۃ اللہ سید ابوالحسن اصفہانی کی مرجعیت کا دور تھا۔ مولانا محمد رحیم ناسازی مزاج کی وجہ سے چند سال سے زیادہ وہاں نہ رہ سکے اور آیۃ اللہ اصفہانی کے مشورے سے مشہد مقدس چلے گئے۔ بہت سختیوں میں رہ کر وہاں تعلیم جاری رکھی۔ وہاں کسی سے شہریہ نہیں ملتا تھا اور مولانا پورے گیارہ مہینے اجارہ کا روزہ رکھ کر اس کی اجرت سے مایحتاج زندگی کو پورا کرتے تھے۔

آخر ان دشواریوں سے تھک کر وطن واپس آئے اور تبلیغ دین و ترویج شرع مبین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ لیکن اس کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ بلکہ تجارت کا لائسنس لے کر تجارت کرتے رہے۔ ناتجربہ کاری کی وجہ سے کافی مقروض ہو گئے۔ کچھ خاص دوستوں نے مدد کرنی چاہی تو آپ نے کہا کہ "میں نے اپنے آقا امام زمان علیہ السلام سے عالم خواب میں گذارش کی ہے اور ان حضرت نے قرض ادا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔" چنانچہ جلدی وہ قرض ایک غیر متوقع طریقے سے ادا ہو گیا۔

مولانا محمد رحیم علم طب میں دستگاہ رکھتے تھے اور بعض کشتہ جات بناتے تھے۔ علم اعداد اور روحانی اعمال وادعیہ کا اجازہ آپ نے جناب سید ابوالحسن حافظیان سے حاصل کیا تھا۔ سانپ کے کاٹنے کا اثر نہ ہو یا بچھو کے ڈنک مارنے کا اثر ختم ہو جائے یہ باتیں سب کے مشاہدے میں آتی رہتی تھیں۔ ماہ رمضان المبارک میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نام پر کم از کم چودہ مرتبہ قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ انتقال کے سال میں بھی ضعیفی و ناتوانی کے باوجود یہ عمل پورا کیا

آپ کی زندگی کامل نظم وضبط کا مرقع تھی۔ آیۃ اللہ گلپائیگانی نے فرمایا تھا کہ میرے وکلاء میں صرف دو آدمی نہایت منظم ہیں ایک مولوی محمد رحیم رحیمیان دوسرے شیراز کے وکیل وطن واپس آنے کے بعد آپ آیۃ اللہ سید محسن الحکیم کے وکیل مطلق رہے۔ ان کے بعد آیۃ اللہ الخوئی اور آخر میں آیۃ اللہ گلپائیگانی کے وکیل مطلق رہے۔

جب بعث پارٹی نے عراق سے غیر ملکی طلبہ کو نکالنا شروع کیا تو آپ نے پاکستانی طلبہ کی تعلیمی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے آیۃ اللہ الخوئی کی طرف سے کوئٹہ میں نہایت مناسب جگہ پر ایک بڑا مدرسہ بنام دار العلم الجعفری قائم کیا جو ۴۰ کمروں، تین بڑے ہال اور کتاب خانہ پر مشتمل ہے۔

تصانیف

(۱) کتاب میراث جس میں شرح لمعہ کی کتاب المیراث کو آسان طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ (۲) جفر جامع = ۲ مجلد۔ جو چار اجزاء پر مشتمل ہے اور ہر جز ۱۹۲۰ صفحہ کا ہے۔ (اہل فن جانتے ہیں کہ ۷۹-۸۷ سال کی عمر میں ایسی دقیق کتاب کی تصنیف کے لئے کتنے تجمع حواس کی ضرورت ہے اور وہ بھی صرف ڈیڑھ سال میں (۳) احکام حج جو صرف واجبات حج پر مشتمل ہے۔ (۴) احکام عقائد۔ بچوں کے لئے (۵) لوح صدور صدیہ لوح گھروں اور دوکانوں میں برکت کے لئے ہے جو مومنین کو ہدیۃً دیتے تھے۔ یہ کئی بار کراچی میں چھپ چکی ہے۔

حدود ۱۹۹۲ء میں ۹۰ یا ۹۲ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ اور کوئٹے میں دفن ہوئے۔ وصیت کے مطابق مدرسہ کے چوکیدار جو سید تھے اور چند سال پہلے انتقال کر چکے تھے ان کی قبر کے پائنتی دفن ہوئے۔ آپ نے اپنی اہلیہ کو بھی ان چوکیدار کی سیدانی اہلیہ کی قبر کے پائنتی دفن کیا تھا۔

زندگی کے آخری دور میں جب حج کی استطاعت ہوئی تو ضعیفی و ناتوانی کی وجہ سے خود یہ فریضہ انجام دینے سے قاصر تھے۔ لہٰذا ایک سید صاحب کو جو امام مسجد تھے اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ ان سید صاحب سے یہ کہا تھا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خطاب کر کے کہا ہے کہ میں نے حج کی نیابت کے لئے اپنی اولاد کو چھوڑ کر آپ کی اولاد کا انتخاب کیا ہے۔ اب آپ کے کرم کا منتظر ہوں کہ میرا یہ حج بارگاہ ایزدی میں قبول ہو جائے۔

(محمد تقی رحیمیان۔ فرزند)

محمد رضا

...../.....

ت ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء

مولوی محمد رضا مرحوم موضع شیر کوٹ ضلع کوہاٹ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی تعلیم آپ نے گھر پر پائی۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے آپ بہت دلدادہ تھے۔ اس مقصد کے لئے عراق بھی گئے۔ وہاں سے واپس آ کر محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ آپ نے ملازمت کے ساتھ ساتھ وعظ و نصیحت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس ضمن میں آپ کو علاقہ شیعہ بنگش میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔

مدرسہ کے وقت کے علاوہ فرصت کے لمحات میں رضا کارانہ طور پر طلبا اور شائقین دینیات کو مذہبی تعلیم باقاعدگی سے دیتے تھے۔

آپ نے ۵۹ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

(پیام عمل لاہور۔ ستمبر ۱۹۷۵ء)

سید محمد رضا

۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء

۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء

ثقۃ الاسلام مولانا سید محمد رضا صاحب، مولانا سید نیاز حسن برقی حیدر آبادی کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ آپ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کرنے کے بعد عراق تشریف لے گئے۔ جہاں ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں صاحب تذکرۂ بے بہا آپ سے ملے تھے۔ عراق سے واپس آ کر نشر علوم دین میں مصروف ہو گئے۔ درس و تدریس کا سلسلہ عرصہ تک قائم رہا۔ مولانا کی سکونت محلہ کھیت پالسی میں تھی۔ یہ محلہ اور اسی سے متصل محلہ دار الشفاء اس زمانہ میں شیعیان حیدر کرار سے چھلک رہا تھا اور دونوں محلوں میں بہت سے علمی گھرانے آباد تھے۔

مولانا بہت کم آمیز تھے۔ زہد و تقویٰ قابل رشک تھا۔ ہر معاملہ میں آپ کا رویہ محتاط تھا۔ مسجد اثنا عشری میں ایک عرصہ تک امامت جماعت کے فرائض انجام دیے۔ طبیعت میں قناعت پسندی تھی۔ داد و دہش ایسی کہ کسی مستحق کو کیا دیتے تھے کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔

قرآن کی تعلیم اور تلاوت پر بہت زور دیتے تھے۔ حیدر آباد کے ادارۂ چہاردہ معصومین نے مولانا ہی کے حکم سے ماہ رمضان المبارک میں دورۂ قرآن کا سلسلہ شروع کیا جس میں مولانا نے آخر وقت تک شرکت فرمائی۔ اس ادارہ میں یہ سلسلہ ابھی قائم ہے۔

ماہ محرم کے عشرۂ اولیٰ میں مولانا کا انہماک غیر معمولی ہوتا تھا۔ مولانا ان دس دنوں میں روزانہ سوسوا سو دورے کی مجلسیں پڑھا کرتے تھے۔ ظاہر ہے یہ مجلسیں مختصر ہوتی تھیں ہر مجلس دو تین جملوں پر ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ مولانا کے خلوص اور عشق حسین کی تاثیر تھی کہ دو تین ہی جملوں میں

رقت ہو جاتی تھی۔ بعض مرتبہ تو مولانا کے اس جملہ پر ہی کہ "آج کون سی تاریخ ہے" مجلس ختم ہو جاتی تھی۔

مولانا کئی بار عتبات عالیات کی زیارتوں سے مشرف ہوئے۔

طویل علالت کے بعد ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ/۲۰ اگست ۱۹۵۱ء کو حیدر آباد میں انتقال فرمایا اور دائرہ میر مومن میں دفن ہوئے۔

(نوٹ: تاریخ علمائے دکن میں آپ کا نام سید احمد رضا لکھا ہے۔)

(راحت عزمی وحمد اللہ موسوی)

محمد رضی، سید، زنگی پوری

...... / ......

۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء

علامہ سید محمد رضی زنگی پوری میرے بہت شفیق استاد تھے اور مجھے ان کی خدمت میں تقرب حاصل تھا۔ آپ نے شروع سے آخر تک تمام علوم اپنے ماموں مولانا سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری (دیکھئے احوال) سے حاصل کئے تھے۔ یہ بات میں نے اور میرے ساتھیوں نے استاد مرحوم سے بارہا سنی تھی۔ اور مولانا محمد ہارون صاحب کی کتاب ابطال التناسخ کے شروع میں علامہ غلام الحسنین پانی پتی نے جو تذکرہ مصنف لکھا ہے اس میں بھی یہ عبارت ملتی ہے۔ "چونکہ آپ کی بڑی تمنا ہے تو لید مثل۔ اس لئے پرائیویٹ طور پر بھی دو سو سے زیادہ طلاب کو پڑھایا جن میں سے ایک آپ کے حقیقی بھانجے مولوی سید محمد رضی صاحب زنگی پوری، مولوی فاضل و منشی فاضل بھی ہیں جنہوں نے مولانا کے سوا کسی

دوسرے استاد سے تعلیم نہیں پائی۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دے کر اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے تھے۔" مذکورہ بالا عبارت سے جو ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں لکھی گئی تھی (جبکہ مولانا محمد ہارون صاحب حیات تھے) پتہ چلتا ہے کہ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل بھی پاس کیا تھا۔

اصلاح ماہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں آپ کی ایک تحریر شائع ہوئی تھی جس میں آپ نے اپنا نام اور پتہ یوں لکھا ہے: سید محمد رضی مولوی فاضل زنگی پوری، ہیڈ مولوی شیعہ ہائی اسکول جوہری محلہ، امام باڑہ میر باقر سوداگر لکھنؤ

لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں آپ کی تحریری صلاحیتوں اور آپ کے مقالات و مضامین کی گہرائی کا اندازہ تمام علمی حلقوں کو ہو چکا تھا۔ چنانچہ سرکار نجم العلماء کی فرمائش پر آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی تھی جس کا مسودہ مدرسۃ الواعظین کے کتب خانہ سے گم ہو گیا۔ جب مولانا سید محمد سجاد صاحب بناری نے ۱۳۴۷ / ۱۹۲۸ میں جامع العلوم جوادیہ کی تاسیس فرمائی تو پرنسپل کے عہدہ کے لئے جناب مولانا سید محمد یوسف صاحب زنگی پوری کا اور وائس پرنسپل کے طور پر جناب مولانا سید محمد رضی صاحب زنگی پوری کا انتخاب فرمایا۔ ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد مولانا سید محمد رضی صاحب پرنسپل ہوئے اور چند مہینوں کے بعد جب مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہ اجازات اجتہاد لے کر نجف اشرف سے واپس آئے تو ان کو وائس پرنسپل بنایا گیا۔

علامہ محمد رضی زنگی پوری علوم اسلامیہ کے عالم شہیر اور محقق بصیر تھے۔ آپ نہ صرف منطق و فلسفہ بلکہ تاریخ اسلام علم کلام اور ادب عربی کے بھی ماہر تھے۔ (میرے عربی منظومات کی اصلاح آپ ہی فرماتے تھے) ان کے عربی ادب کا نمونہ جامع العلوم جوادیہ کے فخر الافاضل کی سند ہے۔ میرے پاس ان کے چند عربی مکتوبات کی نقلیں ہیں جن سے ان کے اعلیٰ ادبی ذوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

منیرؔ زنگی پوری

میری طالب العلمی کے دور میں بنارس میں کئی اعلیٰ درجہ کے شاعر اور استاد جمع ہو گئے تھے۔ جن میں ناطقؔ بنارسی، بسملؔ بنارسی، ناظمؔ بنارسی اور قتلؔ بنارسی کے نام ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اسی زمانے میں واحقؔ جونپوری گورنمنٹ سروس میں وہاں پوسٹ ہو کر آئے تھے، قیسؔ زنگی پوری کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اور مولانا ظفر الحسن صاحب عاقلؔ کے قصیدے مقاصدوں میں دوسروں کے نام سے پڑھے جاتے تھے۔ ان سب اساطین فن کا جمگھٹا اکثر و بیشتر مولانا سید محمد رضی صاحب کی قیام گاہ پر (مدرسہ جوادیہ میں) ہوتا تھا۔ ۱۹۳۲ء تک علامہ سید محمد رضی صاحب نے اردو کا ایک شعر نہیں کہا تھا۔ لیکن شب و روز کے شعر و سخن کے چرچوں نے ان کے خفیہ ذوق کو اس طرح بیدار کیا کہ دو تین دنوں میں ایک طویل قصیدہ، جو ادبی محاسن سے بھرا ہوا تھا، کہہ کر مجمع احباب میں پیش کیا۔ تخلص منیرؔ اختیار کیا۔ پھر تو قصائد اور غزلوں کی بارش ہونے لگی۔ ایک قصیدہ کے مقطع میں خود فرمایا؎

ہوا ہے چند ہفتوں میں منیرؔ اک شاعر کامل

ہز ہائی نس نواب سر سید رضا علی آف رام پور نے ۱۹۴۳ء یا ۱۹۴۴ء میں ایک جامع تفسیر قرآن لکھوانے کا منصوبہ بنایا اور اس پروگرام کا انچارج خطیب اعظم مولانا سید محمد دہلوی مرحوم کو بنایا۔ اس بورڈ کے دوسرے ممبر مولانا سید محمد رضی زنگی پوری تھے۔ شروع شروع میں آپ چار مہینے کے لئے رامپور جاتے تھے۔ اور آٹھ مہینہ جوادیہ میں رہ کر تفسیر نویسی کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ بعد میں رام پور کے قیام کی مدت بڑھ گئی اور آپ نے مدرسہ کی سربراہی مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہ کے حوالے کر دی۔

آپ کی صحت ہمیشہ سب کے لئے تشویش کا باعث بنی رہتی تھی۔ اور اب ضعف و ناتوانی

بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ جب تک آپ کے ہاتھ میں قلم پکڑنے کی طاقت رہی بستر بیماری پر لیٹے لیٹے بھی تحریر میں مشغول رہے جب یہ بھی ممکن نہ رہا تو آپ نے بنارس ٹیلیگرام بھیجا کچھ اعزہ پہنچے اور آپ کو رام پور سے بنارس لائے۔ ۱۳ راگست ۱۹۵۱ء کو بنارس پہنچے اور ۱۵ راگست ۱۹۵۱ء (۱۸ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ) کی صبح کو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اسی روز پانچ بجے شام کو بڑے امام باڑہ (بنارس) میں تدفین ہوئی۔ "رضی عصر" سے آپ کا سنہ وفات ۱۳۷۰ھ نکلتا ہے۔

تصانیف

(۱) قاتلان حسین کی گرفتاری (مطبوعہ) عبد الشکور کاکوروی، مدیر النجم (لکھنؤ) نے ایک رسالہ لکھا تھا "قاتلان حسین کی خانہ تلاشی" اس میں یہ دعوے کیا گیا تھا کہ قاتلان "سید الشہداء" شیعہ تھے۔ تین شیعہ علماء نے اس کے جوابات لکھے: ایک تو یہی "قاتلان حسین کی گرفتاری" (از علامہ سید محمد رضی زنگی پوری) دوسرے "قاتلان حسین کا مذہب" (مصنفہ سید العلماء سید علی نقی النقوی)۔ اور تیسرے "قاتلان حسین کا حبس دوام" (مصنفہ مولانا سید ظفر مہدی گہر جائسی، مدیر سہیل یمن)۔ (۲) اسلام کا اقتصادی نظام (مطبوعہ) (۳) تفسیر رضی (مطبوعہ) (۴) ابطال مادیت (مطبوعہ) (۵) سیاست علویہ (الواعظ کے ساتھ کتابی شکل میں قسط وار چھپتی تھی) (۶) سوط عذاب علی المسرف المرتاب یہ سنیوں کے رسالے روح الملام کا جواب تھا جس میں سنیوں نے انکار غیبت امام زمانہ کیا تھا۔ سوط عذاب مجلہ اصلاح ماہ رجب ۱۳۴۲ھ میں بطور ضمیمہ چھپنا شروع ہوا تھا۔ (۷) اردو دیوان (غیر مطبوعہ)

ان کتابوں کے علاوہ بے شمار تحقیقی اور مبسوط مضامین الواعظ، اصلاح اور البرہان (لدھیانہ) میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ جن میں کچھ تو اتنے مبسوط تھے کہ ان کو مرتب کر دیا جائے تو

ایک کتاب ہو جائے۔

اولاد: ایک پسر جناب سید علی عمران صاحب اور ایک دختر

(ذاتی معلومات۔ الجواد)

محمد رضی رضوی

"مولانا سید محمد رضی صاحب رضوی ابن جناب سرکار علامہ حائری لاہوری مجتہد پنجاب" کی ایک کتاب "الغریب" کا ذکر رسالہ "الواعظ" (دسمبر ۱۹۲۵ء) میں ملتا ہے۔ اس کتاب میں فلسفۂ شہادت امام حسین علیہ السلام کو بیان کر کے مخالفین تعزیہ داری کے اعتراضات کو رد کیا ہے۔

محمد زکی، سید، اگدا حسین

...../.....

۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء

مولانا سید محمد زکی عرف مولانا گدا حسین صاحب زنگی پور کے رہنے والے زبردست عالم متبحر تھے۔ باڈی (پٹنہ) کی مسجد میں پیش نماز تھے اور نہایت زہد و تقویٰ کے ساتھ وہیں زندگی گذار دی۔

آپ کی وفات پر رسالہ اصلاح جلد ۱۸ نمبر ۱۲ (ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ) میں جو نوٹ چھپا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں: "تقدس، زہد و عبادت میں ثانی حضرت ابوذر تھے۔ اس پیرانہ سالی میں نماز تہجد کبھی شاید قضا نہ ہوئی۔ ابتدا میں بڑے مدرس تھے مگر جب قویٰ نے جواب دیا بصارت میں فتور ہوا تو بجز عبادت خدا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ آپ نے کیم ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو پٹنہ میں انتقال کیا اور وہیں دفن

ہوئے" کیم ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ/۱۰ راکتوبر ۱۹۱۵ء سے مطابق ہے۔

مولانا سید محمد مختار صاحب زنگی پوری حفظہ اللہ نے مجھے بتایا کہ ایک مجتہد جامع الشرائط نے آپ کی قوت اجتہاد کو دیکھتے ہوئے جن مسائل میں آپ خود استنباط کریں ان میں دوسرے کی تقلید آپ کے لئے حرام قرار دی تھی۔ لیکن آپ ایسے پاک باطن اور نیک نفس تھے کہ زندگی بھر کسی کو وہ اجازہ اجتہاد نہیں دکھایا۔ آپ کے مرنے کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا محمد لطیف صاحب مرحوم (دیکھئے احوال) نے اسے آپ کے صندوق میں دیکھا۔

مطلع انوار صفحہ ۲۲۲ پر آپ کا نام زکی حسین لکھا ہے جو سہو ہے۔ صحیح نام وہ ہے جو میں نے اوپر لکھا ہے۔

محمد زکی سید، تاج العلماء

۱۳۲۶ھ/۱۹۰۹ء

۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء

تاج العلماء مولانا سید محمد زکی صاحب محرم ۱۳۲۶ھ/جنوری ۱۹۰۹ء میں لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ آپ سرکار نجم العلماء کے پوتے تھے۔ آپ کے والد ماجد سید محمد صاحب سرکار نجم العلماء کے بڑے فرزند تھے۔ سید محمد زکی ابھی ۹ رسال کے تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے اور آپ کی تعلیم اور پرورش کی پوری ذمہ داری نجم العلماء نے اٹھائی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ ناظمیہ کے تمام مدارج طے کئے اس کے بعد نجف اشرف تشریف لے گئے۔ پانچ سال کے بعد جب وطن واپس آئے تو وہ دن سرکار نجم العلماء کے لئے انتہائی شادمانی اور مسرت کا دن تھا۔

اب مدرسۃ الواعظین کا شعبۂ نشر و اشاعت آپ کی نگرانی میں دیا گیا۔ ۱۹۵۶ء میں آپ مدرسہ کے متولی منتظم بنائے گئے۔ الواعظ میں ایک صفحہ آپ کے لئے مخصوص تھا جس میں آپ فقہی مسائل کے جوابات لکھتے تھے۔ بقول مولانا سید آغا مہدی صاحب مرحوم کے "اس زریں دور میں مدتوں سے ملتوی شدہ اجلاس (دوبارہ) جاری ہوئے" یہ اجلاس کئی کئی دن تک کبھی کلکتہ، کبھی پٹنہ، کبھی لکھنؤ میں ہوتے۔ جن میں عظیم الشان اجلاس (چہاردہ صد سالہ یادگار مرتضوی) بھی شامل تھا۔

جب سرکار مفتی سید احمد علی صاحب نے عتبات عالیات کا سفر کیا تو تقریباً چھ مہینے تک مدرسہ باقریہ کے پرنسپل کی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد رہیں۔

تصنیفات: الواعظ اور مسلم ریویو کی ہر اشاعت میں سالہا سال مضامین لکھتے رہے۔ کئی رسالے لکھے جن میں "الانجیل" کو تبلیغی اعتبار سے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ تاج العلماء نے ۲۳ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ/ ۲۹ جولائی ۱۹۷۱ء کو تقریباً ساڑھے آٹھ بجے شب میں رحلت فرمائی اور اپنے دادا نجم العلماء کے پہلو میں دفن ہوئے۔

(اصلاح جلد ۹۲ شمارہ ۸ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ)

محمد سجاد، سید، بنارسی

ولادت ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء
وفات ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء

مولانا سید محمد سجاد صاحب اعلا زنگی پوری اور قدوۃ الاتقیاء مولانا سید علی جواد صاحب طاب ثراہ کے بڑے فرزند تھے۔ کاشی جیسے مرکز ہندویت میں تشیع کا پرچم انہیں باپ بیٹوں کی قوت ایمانی سے بلند ہوا۔ ہندو مسلمان دونوں آپ کی روحانیت سے متاثر تھے۔

۱۲۸۹ھ کے بعد مولانا سید ابوالحسن صاحب (ابو صاحب) اور علامہ کنتوری اعلی اللہ مقامہما نے مختلف مقامات پر مدرسۂ ایمانیہ قائم کرنے کی تحریک کی۔ ان مدارس میں سے مدرسۂ منصبیہ (میرٹھ) اور مدرسۂ ایمانیہ (بنارس) ابھی زندہ ہیں۔ مدرسہ ایمانیہ بنارس مولانا سید علی جواد صاحب قبلہ کی سرپرستی میں جاری رہا اور ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا سید محمد سجاد صاحب نے اس کو آگے بڑھایا۔

مولانا بہت ہی روشن فکر اور صائب الرائے تھے۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ علمائے دین کو افراد قوم کا محتاج نہ ہونا چاہیے بلکہ قدیم علماء کی طرح انہیں کوئی ایسا فن یا ہنر جاننا چاہیے جو ان کا ذریعۂ معاش بنے اور وہ آزادانہ بغیر کسی رو رعایت کے خدمت دین انجام دے سکیں اس مقصد سے آپ نے ایک مدرسہ اپنے والد بزرگوار کے نام پر قائم کرنا چاہا جس میں طلباء کو انگریزی زبان اور کوئی صنعت وحرفت بھی سکھائی جائے۔ اس منصوبہ کے لئے آپ نے ایک لاکھ روپیہ کی اپیل کی تھی لیکن ابھی تقریباً ایک چوتھائی رقم جمع ہونے پائی تھی کہ آپ مرض سل ودق میں مبتلا ہو گئے۔ اس زمانہ میں یہ مرض لاعلاج تھا۔ جب صحت سے مایوسی ہوگئی تو آپ نے اس رقم سے گورنمنٹ کا پرومیسری نوٹ خرید کر اس کی قلیل ماہانہ آمدنی سے جامع العلوم جوادیہ قائم کردیا۔ جس میں صرف علوم دینیہ کا شعبہ کھل سکا۔ مدرسہ کی عمارت کا افتتاح ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ/ ۲ ستمبر ۱۹۲۸ء بروز جمعہ ہوا۔

مدرسہ کے افتتاح کے تقریباً پندرہ مہینے بعد ۱۳ جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ (۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء) کو بوقت صبح آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ نے تین بیٹیاں یادگار چھوڑیں۔

رسالہ اصلاح لکھتا ہے کہ "بوقت انتقال آپ کی عمر ۴۷۔ ۴۸ سال سے زیادہ نہ ہوگی" اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء میں آپ کی ولادت ہوئی ہوگی۔

(اصلاح جلد ۲۳ نمبر ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ وفاتی معلومات)

محمد سمیع، سید، زنگی پوری

خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی کے الفاظ میں "ادیب کامل جناب سید محمد سمیع صاحب زنگی پوری اپنے وقت کے ظہوری تھے" اور جناب سید محمد ہارون صاحب نے فارسی اور عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں آپ ہی سے پڑھی تھیں۔

(تذکرہ مصنف، ایصال الفتاح از خواجہ غلام الحسنین)

محمد شفیع

ان کا ذکر الذریعہ میں ہے اور لکھا ہے "الساکن فی الہند" اور ان کے صاحب رسائل کثیرہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔

محمد صادق، ملا، جونپوری

/

۱۰۸۶ھ/۱۶۷۵ء

ملا محمد صادق مفتی ابو البقاء جونپوری کے فرزند تھے۔ تمام علوم معقولات ومنقولات اپنے والد ماجد سے حاصل کرکے علامۂ زماں وفاضل دوراں ہوگئے۔ مرد دانش مند، صاحب تدبیر اور اہل الرائے تھے۔ خوبیٔ تقدیر نے دربار سلطانی تک پہنچایا۔ اور کئی سال علمائے پایہ تخت کے زمرہ میں بسر کئے۔ بالآخر شہنشاہ اورنگ زیب نے شہزادہ بہادر شاہ ولیعہد کی اتالیقی پر مامور فرمایا۔ جب بہادر شاہ اول تخت سلطنت پر بیٹھے تو ملا محمد صادق کو جہانگیر نگر (ڈھاکہ) کی طرف جاگیر دیکر روانہ کیا۔ ملا محمد صادق نے وہیں بود و باش اختیار کرلی اور صاحب تجلی نور کے وقت تک ملا صاحب کی اولاد وہاں

باعزت زندگی گذار رہی تھی۔

ملا محمد صادق نے شرح زنجانی اور ایک شرح مایۂ عامل لکھی تھی۔

(تکملہ نجوم السماء جلد اول صفحہ ۹)

محمد صادق

۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء

—/—

مولوی محمد صادق مولوی الہ بخش سندھی کے فرزند تھے۔ رانی پور (ریاست خیر پور سندھ) میں رہتے تھے۔ ۱۸۷۸ء (۱۲۹۵ھ) میں پیدا ہوئے۔

الذریعہ جلد ہفدہم سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مولوی سید محمد اختر ابن سید محمد اسماعیل کے شاگرد تھے۔ آپ نے کم ازکم تین کتابیں قادیانیوں کی رد میں لکھیں۔ الذریعہ جلد ۱۷ میں ان میں سے دو کتابوں کا ذکر ہے۔ جو مطبوعہ تھیں۔

(۱) القول الجید فی رد الملحد

(۲) القول الصادق فی رد المنافق

الذریعہ جلد ۲۰ میں تیسری کتاب کا نام ملتا ہے۔

(۳) الجد دفی رد القادیانیہ

الذریعہ جلد ۲۰ میں چوتھی کتاب معیار الصلحاء کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا موضوع بظاہر قادیانیت سے متعلق نہیں معلوم ہوتا۔

(الذریعہ مجلدات ۱۷، ۲۰، ۲۱)

محمد صادق، سید، حکیم

...../.....

بعد ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

مولانا حکیم سید محمد صادق جناب سید ابوالحسن صاحب طاب ثراہ (جناب ابو صاحب) کے شاگرد خاص تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ آپ لکھنو کے باشندے تھے۔ آپ نے سلطان المدارس سے صدر الافاضل اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کیا تھا۔ قیام لکھنو کے دوران آپ نے علم طب بھی حاصل کیا تھا۔ یہ سب باتیں رسالۂ اصلاح میں شائع شدہ آپ کے ان القاب سے اخذ کی گئی ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ کے مضامین کے ساتھ درج ہوتے تھے۔ ۱۳۴۰ھ کے عشرے میں بلکہ اس کے قبل و بعد بھی آپ کے علمی مضامین رسالۂ اصلاح میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ ان میں آپ کا نام یوں درج ہوتا تھا۔ "مولوی حکیم سید محمد صادق مولوی فاضل وصدر الافاضل کلکتہ" رسالۂ الشہید آگرہ کے محرم نمبر ۱۳۴۳ھ میں بھی نام یوں ہی درج تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود ۱۳۴۵ھ میں آپ کلکتہ میں مقیم تھے اس کے بعد اصلاح (رمضان ۱۳۵۰ھ) میں آپ کے نام کے بعد لکھا ہے۔ "پرانی حویلی حیدرآباد دکن" اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس وقت کلکتہ سے حیدرآباد دکن منتقل ہو چکے تھے۔

آپ کا ایک رسالہ "مظلوم کربلا" کتابی صورت میں رسالۂ اصلاح جلد ۳۶ نمبر ۵ (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ) کے ساتھ (۲۸ صفحہ کا) چھپا ہے۔ اس میں مصنف کا نام یوں لکھا ہے۔ "جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی، مولوی فاضل صدر الافاضل دام فیضہ طبیب ریاست حیدر آباد دکن"

محمد صادق، سید، کھجوئی

مولوی حکیم سید محمد صادق صاحب کھجوئی کی ایک کتاب "مجالس عشرہ" کا ذکر الذریعہ جلد نوزدہم میں ملتا ہے۔

محمد صالح، سید، عرشی

...../.....

حدود ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء

مولوی حکیم الحاج سید محمد صالح المتخلص بہ عرشی، حاجی سید ناظم حسین صاحب ساکن کھجوا ضلع سارن کے فرزند تھے۔ آپ کے دو چھوٹے بھائی مولوی سید علی حسین صاحب اور مولوی سید مرتضیٰ حسین صاحب تھے جن کے حالات علیحدہ درج ہیں۔

مولوی محمد صالح صاحب نے تعلیم لکھنو میں حاصل کی اور وہیں طب پڑھی۔ ماہر طبیب تھے اور جہاں بھی رہے مطب جاری رکھا۔ آپ کی ایجاد کردہ "چٹکی" کموئی بہت مشہور ہوئی۔

آپ عرصہ تک مدرسۂ ایمانیہ (بنارس) میں مدرس اعلیٰ رہے۔ "کموئی دواخانہ" کے اشتہارات جو اصلاح وغیرہ میں چھپتے رہتے تھے ان سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۲۳ھ میں آپ بنارس میں تھے۔ نیز یہ کہ ۱۳۳۱ھ کے پہلے گیا چلے گئے تھے۔ اور ۱۳۳۵ھ میں چھپرہ میں تھے۔ ممکن ہے گیا میں امامت مسجد بھی آپ سے متعلق رہی ہو

عرشی صاحب اچھے شاعر تھے اور امام رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی شب میں کھجوے میں اپنے مکان پر ایک شاندار مقاصدہ منعقد کرتے تھے اور خود بھی قصیدہ کہتے تھے۔ ان کے

قصیدوں کے کچھ مخطوطات میرے پاس ہیں۔ ان کا ایک مجموعہ قصائد "تجلیات عرشی" کے نام سے لکھنؤ میں چھپا تھا۔ معلوم نہیں جو مخطوطہ قصائد میرے پاس ہیں وہ سب تجلیات عرشی میں آ گئے ہیں یا نہیں۔

آپ کے دو مختصر رسالے بھی شائع ہوئے تھے۔ (۱) اہل بیت (۲۰ صفحات) (۲) اہل بیت کی نماز

اصلاح (ماہ صفر ۱۳۳۸ھ) میں یہ خبر شائع ہوئی تھی "کھجوہ سے ماہ شوال ۱۳۳۷ھ میں حجاج کا قافلہ روانہ ہوا تھا اس میں (مولوی سید محمد صالح عرشی) بھی شریک تھے اور حسن اتفاق سے جناب مولوی حاجی مقبول احمد صاحب کا بھی ساتھ ہو گیا۔ یہ قافلہ ۲۶ر نومبر مع الخیر وطن واپس آیا۔ بہت اچھا قافلہ تھا۔ جس میں خوب مجلسیں راستہ بھر ہوتی رہیں۔"

آپ نے جناب سید سبط حسین صاحب، جناب سید محمد باقر صاحب اور جناب سید ناصر حسین صاحب طاب ثراہم کے ناموں کو فارسی میں صنعت توشیح میں لکھا تھا جو میرے پاس موجود ہیں۔

حدود ۱۳۵۳ھ میں وطن میں رحلت فرمائی۔

(اصلاح - ذاتی معلومات)

محمد طاہر، مرزا، لکھنوی

حدود ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۶ء
۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

مولانا الحاج مرزا محمد طاہر صاحب لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ آپ ایک جلیل القدر عالم اور بہترین واعظ و خطیب تھے۔ بہت ہی متقی پرہیزگار اور عابد شب زندہ دار تھے۔ ابطال باطل اور اعلائے کلمۂ حق آپ کی زندگی کا شعار تھا۔ آخر عمر تک عزائے مظلوم کی خدمت سے بھی عذر نہ فرمایا۔ جس نے مجلس پڑھنے کا وعدہ لیا خود پہنچ گئے۔

آپ نے ۲۲ر نومبر ۱۹۷۶ء (۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ) کو حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث ۸۰ رسال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ (عمر کے حساب سے آپ کی ولادت ۱۸۹۶ء کے حدود میں ہوئی ہوگی۔)

(الجواد محرم نمبر جنوری فروری ۱۹۷۷ء)

محمد طاہر، سید، بجنوری

---/---
۱۳۱۱ھ/۱۸۹۰ء

مولانا سید محمد طاہر صاحب صدر الافاضل موضع گنولی، ضلع بجنور کے باشندے تھے۔ سید المدارس امروہہ، منصبیہ کالج میرٹھ اور سلطان المدارس لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ عالیہ جعفریہ، نوگانواں سادات میں بحیثیت وائس پرنسپل خدمت انجام دی۔ پھر ساکھنی ضلع بلند شہر میں

دو سال تک امام جماعت رہے۔ اس کے بعد جامع العلوم جوادیہ بنارس میں (غالباً ۱۹۶۰ء میں) تدریسی خدمات انجام دیئے پھر حامد المدارس (پیسانی) سلطان المدارس (لکھنؤ) اور جامعہ التبلیغ (لکھنؤ) میں درس دیتے رہے۔ آخر عمر میں دوبارہ جامعہ عالیہ جعفریہ (نوگانواں سادات) تشریف لے گئے۔

۲۰ ستمبر ۱۹۹۰ء (۱۱ صفر ۱۴۱۱ھ) کو راہی جنت ہوئے۔

(اصلاح جلد ۸۵ نمبر ۱۲۔ ۱۱ ربیع الاول۔ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ)

محمد طاہر، سید، ملا

۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء

جواد العلماء مولانا سید علی جواد صاحب بنارسی کے چھوٹے بیٹے مولانا سید محمد مرتضی صاحب نے باپ کی زندگی میں وفات پائی۔ ان کے فرزند ملا محمد طاہر صاحب اس وقت صرف چند ماہ کے تھے۔ آپ کی ولادت ۲۰ رجون ۱۹۲۰ء (۳ رشوال ۱۳۳۸ھ) کو ہوئی تھی۔ مختصر عرصے کے بعد دادا (جواد العلماء) نے بھی رحلت فرمائی۔ اس کے بعد ملا سید محمد طاہر کی پرورش ننھیال یعنی سرائے میر ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی جہاں ابتدائی تعلیم کے مراحل طے ہوئے۔ اس کے بعد جامع العلوم جوادیہ میں ملا سید محمد یوسف صاحب اور علامہ سید محمد رضی صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ ملا سید محمد یوسف صاحب مرحوم نے ۵۹ ۱۳ھ / ۱۹۴۰ء میں انتقال فرمایا جب ملا محمد طاہر صاحب نے جامع العلوم جوادیہ سے خارجے کرنجی طور پر علامہ سید محمد رضی صاحب سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ آپ کو فقہ، اردو ادب اور

انشاء پردازی پر قدرت کاملہ حاصل تھی۔

مولانا سید مظفر حسین صاحب کی رحلت کے بعد شہر بنارس کی دینی واجتماعی سربراہی آپ کے حصے میں آئی۔ نیز مدرسہ ایمانیہ کی پرنسپلی بھی آپ کو سنبھالنی پڑی۔ علاوہ بریں آپ جامع العلوم جوادیہ کے بانی منتخب ہوئے۔ تنفس اور اختلاج قلب و درد سر جیسے امراض میں مبتلا رہنے کے باوجود مدرسہ میں درس وتدریس، شہر میں امامت جمعہ و جماعت، مجالس ومحافل میں بیانات، نماز میت جیسے فرائض دینیہ میں تاحیات مشغول رہے اور جسمانی عوارض کو ان ذمہ داریوں کی راہ میں رکاوٹ بننے نہ دیا۔

آپ کی پہلی شادی بڑے چچا مولانا سید محمد سجاد صاحب کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دوسری شادی حکیم مسعود حسن خان صاحب (سیتاپور) کے خاندان میں ہوئی۔ جن سے خدا نے پانچ اولادیں عطا کیں۔

۲۹ رجب ۱۳۹۱ھ / ۲۰ ستمبر ۱۹۷۱ء کو بواسیر کے آپریشن کی تیاری ہورہی تھی کہ اچانک دل کا دورہ پڑا اور ڈیڑھ منٹ کے اندر علم وعمل کی یہ شمع گل ہوگئی۔

(الجواد "تذکرہ طاہر" اگست ۱۹۷۱ء)

نوٹ

مطلع انوار میں صفحہ ۶۵۲ پر محمد طاہر بنارسی اور صفحہ ۵۸۷ پر محمد طاہر اعظم گڈھی کے نام سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ملا سید محمد طاہر صاحب بنارسی ہی سے متعلق ہے۔

محمد ظہور، واعظ

۱۳۳۳ھ/۱۹۱۲ء

۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

مولانا محمد ظہور صاحب مئوناتھ بھنجن کے رحمت علی مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ مئوناتھ بھنجن (جسے عرف عام میں صرف مئو کہا جاتا ہے) پہلے ضلع اعظم گڈھ کی تحصیل تھی اور اب ایک مستقل ضلع ہے۔ لگ بھگ ایک لاکھ کی آبادی میں ستر ہزار کے قریب مسلمان ہیں جن کا آبائی پیشہ پارچہ بافی ہے۔ ابتدا میں پورے قصبہ میں شیعوں کا تنہا خاندان، ملک سید علی مرحوم کا تھا۔ ماہ محرم تھے میں تعزیہ داری عرصہ دراز سے بڑے تزک و احتشام سے پورے قصبے میں ہوتی آئی ہے۔ جس کا اہتمام و انتظام سنی مسلمان کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔

آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل، کوپاگنج میں مولانا عبدالرشید ایک جلیل القدر مجاہد عالم دین تھے (دیکھئے احوال) اور ان کی رہنمائی سے مئو کے بابو میاں (عرف پاکو میاں) نے تنہا شیعہ عقیدہ قبول کیا تھا۔ آج ان کی نسل ایک پورے محلہ میں آباد ہے۔ بابو میاں کے ایک بیٹے رحمت علی مرحوم تھے جن کے تیسرے فرزند مولانا حکیم اختر حسن صاحب تھے اور چوتھے مولانا محمد ظہور صاحب تھے۔ آپ کی پیدائش جنوری ۱۹۱۲ء مطابق ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۳ ہجری میں ہوئی۔

گھر پر ابتدائی تعلیم کے بعد پورا معروف کے مدرسہ ظفر الایمان میں ۱۳۴۰ ہجری میں داخل ہوئے۔ ۱۳۴۵ ہجری میں مدرسہ ایمانیہ بنارس میں داخل ہوئے اور وہاں سے مولوی اور عالم کی سند حاصل کرنے کے بعد مدرسہ سلطان المدارس میں داخل ہوئے۔ اور وہاں سے صدر الافاضل کی امتیازی سند لینے کے بعد مدرسۃ الواعظین کے واعظ ہوئے۔

مدرسۃ الواعظین کی طرف سے تین سال جبل پور، رائے پور اور دوسرے شہروں میں تبلیغ

کرتے رہے۔ اس کے علاوہ مہاراشٹر میں بھی فیض پہونچایا۔

سفر

۱۹۵۰ء میں حج بیت اللہ اور عراق وشام کے زیارات سے مشرف ہوئے، ۱۹۵۳ء میں شام گئے اور چند ماہ دمشق میں قیام فرمایا۔

۱۹۵۴ء میں مصر اور ایران بھی گئے۔ بیت المقدس کی بھی زیارت کی اور مقامات مقدسہ میں بڑے بڑے علماء سے ملاقاتیں رہیں۔

۱۹۵۷ء میں دوبارہ حج اور عراق کی زیارتوں سے مشرف ہوئے۔

آیۃ اللہ محسن الحکیم طباطبائی نے اپنا وکیل بنایا۔

۱۹۶۴ء میں تیسری بار حج کا شرف حاصل کیا اور نجف اشرف میں کچھ طلبا کو درس دیا۔

اڑیسہ

۱۹۵۸ء میں تبلیغ دین کی غرض سے اڑیسہ پہونچے اور جہاز سوگڈا میں جہاں مومنین مسجد بنانا چاہتے تھے اور کلکٹر نے اس پر پابندی عائد کر دی تھی۔ مولانا محمد ظہور نے اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت نہرو سے خصوصی اجازت لیکر ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی ۱۹۶۵ء میں مدرسۃ الواعظین کے وائس پرنسپل مقرر ہوئے اور تا حیات اس عہدہ پر فائز رہے۔ اسی درمیان میں ۱۹۶۸ء میں کینیا یوگانڈا، اور ماڈاگاسکر تشریف لے گئے جہاں ۲۰ مہینہ تک لوگوں نے آپ سے فیض اٹھایا۔

وفات

۱۰ نومبر ۱۹۷۵ء مطابق ۸ ذیقعدہ ۱۳۹۵ روز پنجشنبہ صبح کے وقت مولانا نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور شب جمعہ میں تدفین ہوئی نماز جنازہ مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب نے

پڑھائی۔ آپ کے ایک صاحبزادہ مولانا ذوالحسن صاحب نیروبی (کینیا) دارالسلام اور اروشا (تانزانیا) میں سالہا سال تک دینی خدمات انجام دینے کے بعد اب اروشا میں قیام فرما ہیں۔ راقم الحروف سے مخلصانہ تعلقات ہیں۔

(انجم ورسا رح ۷۔۱۹۷۷ جلد ۲۰)

محمد عالم، مرزا، فخر العلماء

۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

مرزا ابوالقاسم صاحب جو بمبئی کی خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد میں امام جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ فخر العلماء مرزا محمد عالم انہیں کے فرزند ارجمند تھے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۳۶ میں آپ کا داخلہ سلطان المدارس لکھنؤ کے درجہ سوم میں ہوا۔ جہاں سے آپ نے صدر الافاضل تک پوری تعلیم حاصل کی اسی دوران الہ آباد بورڈ لکھنؤ یونیورسٹی اور شیعہ عربی کالج سے بھی اعلیٰ سندیں حاصل کیں، صدر الافاضل کا امتحان پاس کر کے ۱۹۵۰ء میں آپ برائے تحصیل و تکمیل علوم عراق تشریف لے گئے۔ ابتدا میں آپ نے چند ماہ کربلائے معلی میں قیام فرمایا اور شرح کبیر کو دوبارہ مولانا سید حسن مرحوم (مقیم کربلائے معلی عراق) سے پڑھا۔ اس کے بعد نجف اشرف میں حجۃ الاسلام آغا شیخ محمد علی بربری سے نحو و صرف، معانی و بیان کی تکمیل کی، اور حجۃ الاسلام آغا مرزا اعلم خراسانی و حجۃ الاسلام آقائے سید نصر اللہ مستنبط و حجۃ الاسلام آقائے شیخ علی اور آقائے سید جواد تبریزی وغیرہم سے فقہ و اصول کے درسیات کی تکمیل کی۔ جس کے بعد آپ ۱۹۶۱ء میں ہندوستان واپس تشریف لائے۔

تصنیف و تالیف

عراق روانگی سے قبل آپ علمی جریدہ "العلم" کے مدیر اعلیٰ رہے، اور آپ نے اہمیت نماز، محیط الدائرہ اور نقد الشعر کی تلخیص فرمائی دوران قیام عراق شرح تجرید علامہ حلی کا اردو میں ترجمہ کیا۔ واپسی عراق کے بعد آپ کے تصانیف تقریباً ڈھائی درجن ہیں۔ بعض کتب دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہوئیں۔

اساتذہ

آپ نے حسب ذیل علماء و افاضل سے علی الترتیب تعلیم حاصل کی۔ مولانا سید محمد حسن صاحب، مولانا سید الطاف حیدر صاحب مولانا سید احمد صاحب، مولانا سید ابن حسن نونہروی صاحب، مولانا کلب عابد صاحب، مولانا سید محمد صاحب، ان کے علاوہ مفتی اعظم، محسن الملت، مولوی سید محمد صادق صاحب اور مولانا سید حسین صاحب سے بھی شرف تلمذ حاصل رہا۔

قومی خدمات

آپ ادارہ عالیہ تبلیغ و اشاعت کے بانی تھے۔ مدینۃ العلم جامعۃ التبلیغ کے پرنسپل تھے۔ اس کے علاوہ مدرسہ ناصریہ جونپور اور لکھنؤ کے شیعہ کالج کی مجلس عاملہ کے ممبر اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے ممبر تھے۔ آپ کے قائم کردہ مدرسہ جامعۃ التبلیغ سے تشنگان علوم سیراب ہو رہے ہیں جن میں ہندوستان کے ہر صوبے اور علاقے کے طلباء شامل ہیں۔

وفات

آپ کا انتقال ۷ جنوری ۱۹۸۹ء/ ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۰۹ ہجری درگاہ حضرت عباس رستم نگر لکھنؤ میں قلبی دورہ پڑنے سے ہوا اور اپنے تعمیر کردہ مدرسہ جامعۃ التبلیغ مصاحب گنج لکھنؤ میں حسب وصیت سپرد خاک کئے گئے۔

(سید فرید مہدی رضوی۔ تعمیر قوم آواز لکھنؤ ۱۶ اگست ۱۹۹۰)

محمد عبادت، سید، امروہوی

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء

۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء

مولانا سید محمد عبادت نقوی جناب سید اولاد حسین صاحب ابن مولانا سید محمد عبادت صاحب امروہوی کے فرزند تھے۔ آپ ۶۔۷ صفر ۱۳۲۹ ہجری/ ۶۔۷ رفروری ۱۹۱۱ کی درمیانی شب میں امروہہ میں پیدا ئے۔ آپ کے والد بڑے عالم اور فقیہ تھے اور آپ کے جد اعلی مولانا سید محمد عبادت صاحب امروہہ میں شیعیت کے مبلغ تھے اور انھیں نے یہاں نماز جمعہ و جماعت کی بنیاد رکھی۔ ان مرحوم کے بعد یہ سلسلہ امامت آپ ہی کی اولاد میں رہا۔ آپ کے جد اعلی غفران مآب کے شاگرد تھے اور آپ کے والد سید اولاد حسن صاحب جناب مفتی سید محمد عباس صاحب کے شاگرد تھے۔ سید اولاد حسن صاحب بڑے خوش گو اور خوش فکر شاعر بھی تھے اور خطاطی میں بھی کمال حاصل تھا چنانچہ امروہہ کی جامع مسجد کی عمارت کے کتبے ان کی خطاطی کی سند ہیں۔

اب یہاں سے مولانا سید محمد عبادت نقوی کا ذاتی حال شروع ہوتا ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم نور المدارس سے شروع ہوئی۔ ابھی دس سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ ۱۹۲۰ء میں والد ماجد کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ ۱۹۲۱ء میں مولانا سید یوسف حسن صاحب مجتہد نے منصبیہ کالج میرٹھ میں داخل کرا دیا۔ تین سال کے بعد امروہہ واپس آ کر الحاج مولوی سید مرتضی حسین صاحب کے درس میں شرکت کی اور ان سے صرف و نحو، ادب کلام اور فلسفہ کے دروس پڑھے ۱۹۲۹ء میں لکھنؤ گئے اور جناب مفتی سید احمد علی صاحب مرحوم سے فقہ و اصول فقہ کی تکمیل کی۔

۱۹۳۰ء میں وطن واپس آئے۔ اسی سال سے امروہہ کی جامع مسجد میں امامت جمعہ و جماعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۷۸ء تک سید المدارس (امروہہ) میں پرنسپل کے

عہدہ پر فائز رہے۔ فلسفہ سے خاص شغف تھا۔ حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ شاعری میں بڑے فن کار تھے اور آپ کا شمار استاد شعراء میں ہوتا تھا اور بہتوں شعراء آپ سے اصلاح لیتے تھے۔ آپ کلیم تخلص کرتے تھے اور کلام میں غالب کا رنگ نمایاں تھا۔

۱۹۵۳ء میں زیارت عتبات عالیات کے لئے عراق گئے جہاں آیۃ اللہ الحکیم طاب ثراہ نے آپ کی علمی گفتگو سے متاثر ہو کر آپ کو اجازہ روایت اور اپنی وکالت عطا کی۔ ۱۹۹۰ء میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ اولاد: چار بیٹے اور تین بیٹیاں آپ کی یادگار ہیں۔

تصنیفات

(۱) ملا صدرا کے رسالہ المظاہر الالٰہیہ کا اردو ترجمہ کیا جس پر ایک ضروری مقدمہ اور ایک تحفہ بہ سلسلۂ عقیدۂ رجعت اردو میں لکھا۔ دوسرے تصانیف:

(۲) سراج الفقیہ (عربی) (۳) الاستفسار فی نجاسۃ المشرکین و الکفار (عربی) (۴) رموز و اسرار (اردو)

آپ بہت ہی منکسر المزاج خوش اخلاق اور متواضع عالم تھے راقم الحروف آپ سے سری اور امروہہ میں ۱۹۸۲ء میں ملا تھا۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۸۹ (۲۲ = ربیع الاول ۱۴۱۰ ہجری) کو وطن مالوف امروہہ میں وفات پائی

(انجمن وظیفہ مومنین گولڈن جبلی نمبر و دستاویز (ا) سنہ جبلی نمبر ماہ نامہ جلد ۲۹ نمبر ۸ ربیع الاول ۱۴۱۰ ہجری)

محمد عباس، سید، مظفر پوری

۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

مولانا سید محمد عباس صاحب ابن سید عبد الکریم صاحب اپنے وطن محلہ برہم پورہ (مظفر پور، بہار) میں ۵ ۱۹۲۵ء (= ۱۳۴۳ھ) میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ مدرسہ عباسیہ (پٹنہ) میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد سلطان المدارس (لکھنؤ) سے صدر الافاضل کیا۔ ۱۹۴۳ء سے محلہ کمرہ (مظفر پور) کی بڑی مسجد میں امام جماعت مقرر ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں ٹانگانیکا (اب تانزانیا) تشریف لے گئے۔ جہاں شہر لنڈی میں پیش نماز رہے۔ جنوری ۱۹۶۰ء میں وہاں سے واپس تشریف لائے۔ اور ۱۹۶۱ء میں دوبارہ ٹانگانیکا گئے جہاں متاما میں پیش نماز رہے۔ ۱۹۶۳ء سے کمرہ (مظفر پور) مسجد میں امامت جماعت آپ سے متعلق ہوئی جہاں آپ آخر عمر تک رہے۔ آپ نے ۲۲ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ/ ۲۴ جون ۱۹۹۲ء کو بروز پنجشنبہ رحلت فرمائی۔ ۲۵ جون کو کربلائے عشری بیچ، داؤد پور (مظفر پور) میں دفن ہوئے۔

(ماخذ: وثیقہ سادات دو بنجمن گوپال جوبلی نمبر ۱۱ مجلہ دسمبر ۱۹۹۲ء اصلاح ربیع الاول ۱۴۱۳ھ)

محمد عبد الحسین، حافظ

تیرہویں صدی

حافظ محمد عبد الحسین ابن محمد عبد الہادی جعفری طیاری کربلائی ایک فاضل جلیل تھے۔

اصل وطن مدراس تھا جہاں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ جعفری طیاری کی نسبت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت جعفر طیار کی اولاد میں تھے۔ کربلا جا کر وہیں آباد ہو گئے تھے اور وہاں کے اعلیٰ طبقہ

کے علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔

آپ کی ایک کتاب "انیس الشہید" بزبان فارسی ہے۔ جو آپ نے فتح علی شاہ قاچار کی ملکہ کے نام پر ۱۲۴۳ھ میں لکھی تھی۔ اسی کتاب میں آپ کی دوسری تین کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

(۱) زاد المؤمنین۔ جس میں آپ نے اپنے حالات بھی لکھے تھے۔ (۲) تذکرۃ الطریق

(۳) عنایۃ الرضا

(الکرام البررہ جلد دوم ۷۲۲)

محمد عسکری، سید، جونپوری

ـــ/ـــ

۱۱۹۰ھ_۱۷۷۶ء

سید محمد عسکری جونپوری شیخ علی حزیں کے معاصر تھے۔ زمانہ طفلی میں انتہائی غبی اور کند ذہن تھے۔ ایک روز استاد نے معمول سے زیادہ ڈانٹ پھٹکار سنائی۔ آخر انھوں نے جان دینے کا ارادہ کیا۔ آدھی رات کے بعد گومتی کے پل پر پہنچ کر دریا میں چھلانگ لگانا چاہتے تھے کہ ایک بزرگ نے سامنے آکر روکا اور ان کے سینے پر چند حروف انگشت شہادت سے لکھ دیے۔ اور فرمایا کہ جاؤ کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس وقت سے ان کا سینہ علوم و فنون کا خزانہ ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں میں کتابوں کا مطالعہ کر کے معقولات و منقولات اور اصول و فروع میں یگانہ روزگار ہو گئے۔ اب تو ہر طرف سے ہر سطح کے طلباء ان کے پاس پہنچنے لگے۔ ان کو بھی درس و تدریس کے علاوہ کسی کام کا شوق نہ تھا۔ سیکڑوں طلبا آپ کے فیض سے عالم محقق بن گئے۔

ان کے شاگردوں میں مولوی عبد القادر، مولوی عبد العلی خاں اور ملا محمد عوض جونپوری کے نام

ملتے ہیں۔

تکملۂ نجوم السماء جلد دوم میں آپ کی وفات کی تاریخ ۲۹ ذیقعدہ ۱۱۹۰ھ (ہندسہ میں بھی اور لفظوں میں بھی) لکھی ہے۔ لیکن تاریخ سلاطین شرقی وصوفیائے جونپور (مصنفہ سید اقبال احمد جونپوری، مطبوعہ ۱۹۸۸ء) میں تاریخ وفات ۲۹ ذیقعدہ ۱۱۹۵ھ درج ہے۔ تکملہ کا قول قابل اعتماد ہے کیونکہ وہ مقدم بھی ہے۔ اور لفظوں میں بھی مندرج ہے اسلئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ۱۱۹۵ھ کاتب کی غلطی ہے۔

۲۹ ذیقعدہ ۱۱۹۰ھ ۹ جنوری ۱۷۷۷ء کے مطابق ہے۔

(تکملۂ نجوم السماء جلد دوم ص ۲۱۲)

محمد علی، مولوی

مولوی محمد علی، ملا محمد صادق فرزند ابوالبقاء جونپوری کے نبیرہ تھے۔ شروع میں دہلی میں تحصیل علوم میں مصروف رہے۔ جب ان کے جد ملا محمد صادق جہانگیر آباد (ڈھاکہ) گئے تو ان کے ساتھ جا کر وہاں تکمیل کی۔ علوم ظاہری و باطنی اور فضائل و کمالات کا ذخیرہ حاصل کیا۔ ہندوستان میں اس زمانے میں کوئی عالم ان کا مثل و نظیر نہ تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں شرح سلم لکھی جس کا نام "معراج العلوم شرح سلم العلوم" تھا جس سے سیکڑوں طلبہ نے فائدہ اٹھایا۔

عین جوانی میں ڈھاکہ میں دنیا سے گزر گئے۔ سال وفات معلوم نہیں ہے۔

(تکملۂ نجوم السماء جلد اول ۱۹)

محمد علی، مرزا

شمس العلماء، مرزا محمد علی ابن مرزا ابو علی اصفہان کے باشندے تھے اور وہیں پیدا ہوئے تھے۔ شاہان اودھ کے وقت میں آپ لکھنؤ آئے اور وہیں بودوباش اختیار کرلی۔ بہت سے علماء آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کے صاحبزادے کا نام محمد تقی تھا۔

(از مرزا محمد حسین عالم ابن مولانا مرزا الطاف حسین بذریعہ مولانا غلام حسنین کنتوری)

محمد قاسم، سید

رسالہ اصلاح (محرم ۱۳۲۲) میں شائع شدہ سکریٹری مدرسۂ ناظمیہ کی جس تحریر کا ذکر مولانا سید فخر الدین صاحب کے حالات میں آیا ہے۔ اس فہرست میں چودھواں نام "مولوی سید محمد قاسم صاحب، فاضل طبیب بہ مقام فیض آباد" کا ہے۔

محمد قاسم، سید، الہ آبادی

۱۳۸۲ / ۱۹۶۳

مولانا سید محمد قاسم صاحب دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ احقاق حق اور ابطال باطل میں کسی کی رعایت نہ کی۔ نصرت حق سے کبھی غافل نہ رہے۔ چند روز قبل غازی پور کے مقدمہ میں بعض حوالے بتائے تھے۔ دیکھنے میں وہ ایک فقیر منش انسان تھے مگر مسند علم پر ایک سلطان کج کلاہ معلوم ہوتے تھے۔

مرحوم کا انتقال ۹ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ (= ۳ فروری ۱۹۶۳ء) کو ہوا۔

(الجواد مارچ ۱۹۶۳، شوال المکرم ۱۳۸۲)

محمد قاسم، سید، مظفر پوری

----/----

۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

مولانا حکیم سید محمد قاسم صاحب ایک قدیم وضع کے بزرگ عالم تھے۔ آپ کا تقدس اور سادگی قابلِ غبطہ تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سلطان المدارس سے صدر الافاضل کیا۔

مولانا عرصہ سے برہم پورہ (مظفر پور) کی مسجد میں امام جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دے رہے تھے اہل شہر آپ کی قناعت، سادہ زندگی اور عادات و ریاضات کے قدرداں تھے۔

افسوس یہ ہے کہ اولاد و احفاد کے سوانح ارتحال نے مولانا کو بہت زیادہ شکستہ خاطر کر دیا تھا۔

آپ نے ۷رجون ۱۹۷۷ء (=۱۸رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ) کو چھپن پور ضلع مظفر پور میں رحلت فرمائی۔

(الجواد، جون ۱۹۷۷ء)

محمد لطیف، سید، زنگی پوری

----/----

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء

مولانا سید محمد لطیف صاحب جناب مولانا سید محمد زکی (گدا حسین) کے فرزند اور جانشین تھے۔ اپنے والد ماجد کی رحلت کے بعد باولی (پٹنہ) کی مسجد میں امام جمعہ و جماعت ہوئے۔ تاریخ اسلام پر عبور تھا۔ آپ کی سب سے اہم تصنیف، گوہر منثور در تاریخ زنگی پور ہے۔ جو آپ کی زندگی میں طبع ہوئی تھی لیکن اب گویا نایاب ہے۔ آپ کے پوتے اور میرے دوست مولانا سید محمد یوشع صاحب (لکھنؤ) نے ازراہ محبت اس کی فوٹو کاپی کرا کے میرے پاس دار الاسلام بھیجی تھی اور اس سے مجھے اس

تذکرہ کی تالیف میں بہت مدد ملی ہے۔ زنگی پوری کے سلسلے میں مولانا سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری نے مناد یہ وطن لکھی تھی اس میں ان حضرات کی عربی تحریروں کے نمونے، مکاتیب کی صورت میں دیے گئے ہیں۔ میں نے اسے استاذ الاعلام مولانا سید محمد رضی صاحب مرحوم کے پاس سے لے کر بالاستیعاب دیکھا تھا اور کچھ ادبی جواہر پارے نقل بھی کر لئے تھے۔ جو میرے پاس محفوظ ہیں۔ اس کا اصل نسخہ بخط مصنف جامع العلوم جوادیہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

آپ کے نوحوں اور خمس وغیرہ کا ایک مجموعہ "خنجر ہائے ماتم" کے نام سے شائع ہوا تھا جس کا ذکر اصلاح ماہ صفر ۱۳۵۲ھ میں ہے۔ اصلاح ماہ شعبان ۱۳۳۳ھ میں آپ کا ایک مضمون "گائے اور بقر عید" کے عنوان سے چھپا تھا۔ اصلاح ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ میں آپ کی کتاب "اولوالعزم" کا ذکر ہے جو عظمت سید الشہدا کے بیان میں ہے۔

آپ کے دونوں بیٹوں، سید علی زیاد صاحب اور سید علی عباد قیس زنگی پوری کا ذکر اس تذکرہ میں اپنے اپنے مقامات پر آیا ہے۔

آپ نے ۷رشوال ۱۳۵۳ھ (=۲رفروری ۱۹۳۵ء) کو پٹنہ میں انتقال فرمایا۔ اصلاح ذی الحجہ میں خبر انتقال چھپی تھی اور یہ لکھا تھا کہ آپ "زہد و ورع سادگی تواضع انکسار کے مجسم نمونہ تھے۔"

محمد ماہ، ملا، دیوگامی

ملا محمد ماہ قصبہ دیوگام (ضلع اعظم گڑھ) کے شیوخ کے اعلیٰ خاندان سے تھے۔ ملا رکن الدین، "بحریہ آبادی" (؟) سے علوم حاصل کئے اور ملا نور الدین مداری سے تکمیل کی۔ دیوان

عبدالرشید (مصنف مناظرہ رشیدیہ) سے بھی بہت فیض حاصل کیا اور عالم اکمل و فاضل اجل ہو گئے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۵۰ سال تک جونپور میں قیام کرکے علم کی روشنی پھیلاتے رہے اور اس دور کے وہاں کے اکثر علماء و فضلاء نے انھیں سے کسب فیض کیا۔ ان کے شاگردوں میں حافظ امان اللہ بنارسی اور مفتی ابوالبقاء قابل ذکر ہیں۔

آخر عمر میں سلس البول میں مبتلا ہوئے اور عالم جاودانی کی طرف رحلت کی۔ ان کی اینٹ سے بنی ہوئی قبر دیوگام میں میر علی حسین کے دروازے کے سامنے مصنف تجلی نور کے وقت تک موجود تھی۔ سال وفات معلوم نہ ہو سکا لیکن ان کے شاگرد مفتی ابوالبقاء کے والد ملا محمد درویش کا انتقال ۹۹۸ھ میں ہوا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملا محمد ماہ نے بھی دسویں صدی ہجری کے اواخر یا گیارہویں صدی کے اوائل میں وفات پائی ہوگی۔

(تکملہ نجوم السماء، جلد اول ۵-۶)

محمد مجتبیٰ، سید، نوگانوی

۱۳۲۳/۱۹۰۵

۱۳۷۷/۱۹۵۸

مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب نوگانوی جناب سید محمد حسین صاحب (پیش نماز جانسٹھ) کے فرزند تھے۔ ان کی ولادت ۱۳ر رجب المرجب ۱۳۲۳ھ (= ۱۳ر ستمبر ۱۹۰۵ء) کو نوگانواں سادات (ضلع مرادآباد) میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد، منصبیہ کالج (میرٹھ) مدرسہ عالیہ (رام پور) اور سید المدارس (امروہہ) میں تحصیل کی۔ اس دوران پنجاب یونیورسٹی اور الہ آباد بورڈ

کے عربی اسناد نمایاں نمبروں سے حاصل کئے۔ اس کے بعد سلطان المدارس (لکھنؤ) میں رہ کر صدر الافاضل کیا۔ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد بغرض تحصیل مراتب اجتہاد مع متعلقین عراق تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ تک کربلائے معلی میں آقا سید عبدالحسین کے درس خارج میں شرکت کرنے کے بعد نجف اشرف پہنچے۔ وہاں کئی سال تک آیات اللہ سید ابوالحسن اصفہانی، شیخ محمد حسین اصفہانی اور شیخ عبدالحسین رشتی طاب ثراہم کے دروس ومباحثات میں شرکت کی۔ واپسی کے وقت آپ کو دس مراجع کرام نے اجازات مرحمت فرمائے جن کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں:

آیات اللہ سید ابوالحسن اصفہانی، شیخ ضیاء الدین عراقی، شیخ عبدالحسین رشتی، شیخ محمد حسین کاشف الغطاء، شیخ محمد ہادی کاشف الغطاء، شیخ محمد کاظم شیرازی، شیخ عبدالحسین انجے، سید عبداللہ شیرازی، مرزا محمد ہادی خراسانی اور سید محسن حکیم طباطبائی اعلی اللہ درجاتہم فی العلیین۔

درس وتدریس کا سلسلہ زمانہ طالب العلمی سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ روانگی عراق سے پہلے کئی سال تک سید المدارس (امروہہ) میں مدرس رہے۔ مدرسہ عالیہ جعفریہ کا افتتاح کیا۔

تصانیف

(۱) شرح سمط الدرر آپ کی قلمی زندگی کا شاہکار ہے جو "بہارستان تبلیغ" کے نام سے پانچ بار شائع ہو چکی ہے۔

(۲) کشف الاشتباہ: موسیٰ جاراللہ، ایک روسی عالم نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا جواب علامہ رشتی نے اجوبہ 'موسیٰ جاراللہ' کے نام سے لکھا، مولانا محمد مجتبیٰ نے اس کا یہ اردو ترجمہ کیا اور اپنے محققانہ حواشی کے ساتھ شائع کیا۔

آپ نے ایک کتب خانہ "مکتبہ حسینیہ" کے نام سے قائم کیا تھا۔

آپ عربی، فارسی اور اردو کے عمدہ شاعر تھے۔ اردو میں "منظر" تخلص تھا۔

وفات

۲۶ ربجمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ / ۱۷ جنوری ۱۹۵۸ء کو ساڑھے تین بجے دن میں اپنے وطن نوگانواں سادات میں رحلت فرمائی۔ مولانا سید محمد صاحب، امروہوی مجتہد نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(الجواد جلد ۹ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ)

محمد محسن، حائری، سید

جناب مولوی سید محمد محسن صاحب حائری کاٹھیاواڑ اور سندھ کے علاقہ میں تبلیغ دین میں معروف رہتے تھے۔ اسمٰعیلی فرقہ کے مشنری ہمیر لاکھا کے ساتھ آپ کا مناظرہ مسئلہ امامت پر ہوا تھا جس کیلئے یہ طے پایا تھا کہ خواجہ حسن نظامی مرحوم اس میں حکم ہوں۔

(اصلاح جلد نمبر ۳۰ نمبر ۷، رجب ۱۳۴۵ھ)

محمد مرتضیٰ، سید

سید محمد مرتضیٰ صاحب سید علی حسین صاحب تحصیلدار کے فرزند تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ سید حسین نیشاپور سے آکر اعظم گڑھ میں آباد ہو گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد سید محمد مرتضیٰ لکھنؤ تشریف لے گئے اور مختلف علماء و مجتہدین سے فقہ و اصول اور معقولات و منقولات کی تکمیل کی۔

۱۳۲۵ء میں زیارت عتبات عالیات کیلئے عراق تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آٹھ سال کربلائے معلیٰ میں رہ کر علمی خدمات انجام دیتے رہے یہاں تک کہ وہاں کے مجتہدین عظام نے آپ کو از خود اجازات سے سرفراز فرمایا۔

آپ کا انتقال جونپور میں ہوا اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

(تاریخ سلاطین شرقی و صوفیائے جونپور ۱۶۲)

محمد مسلم، شیخ، حکیم

—/—

۱۳۵۱ / ۱۹۳۲

مولوی حکیم شیخ محمد مسلم صاحب کجھوے کے رہنے والے تھے لیکن حسین گنج آکر آباد ہو گئے تھے آپ میرے استاذ محترم جناب مولانا محمد مصطفےٰ صاحب قبلہ جوہر کے پدر بزرگوار تھے۔ مختلف جگہوں پر مطب کیا جن میں بھاگل پور بھی شامل ہے۔ میرے والد ماجد مولانا حکیم سید ابوالحسن صاحب قبلہ کے پرانے کاغذات میں مجھے طب کا وہ اجازہ ملا ہے جو ان کے استاد نے حکیم محمد مسلم صاحب کو دیا تھا۔

موصوف کا ایک سلسلۂ مضامین "عالم برزخ میں ہلچل" کے عنوان سے عرصہ تک اصلاح میں بالاقساط چھپتا رہا تھا۔ معلوم نہیں وہ تصنیف مکمل ہوئی یا نہیں لیکن جس قدر قسطیں چھپ چکی تھیں اگر ان کو اکٹھا کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے تو ایک دلچسپ کتاب اہل ذوق کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ یہ تحقیق اور ظرافت کا دلچسپ امتزاج ہے۔

رسالۂ اصلاح جلد نمبر ۳۶ نمبر ۵ (جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ) میں آپ کی خبر وفات ان الفاظ

میں چھپی ہے: "افسوس کہ ہماری قوم کے ایک ممتاز بزرگ جناب مولوی حکیم محمد مسلم صاحب ساکن
حسین گنج ضلع سارن نے ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ کو دفعتہ (کذا) مرض فالج سے انتقال کیا۔ ممدوح کی
دلچسپ تحقیقی کتاب عالم برزخ میں آجکل بہت مقبول و مشہور ہو چکی ہے۔ مرحوم انگریزی عربی فارسی
اردو سب کے ماہر تھے اور علم طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مذہب حق کی تبلیغ میں اکثر اوقات مشغول
رہتے اور اس کی وجہ سے کسی نقصان کی پروا نہیں کرتے تھے۔" (۹ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ، ۱۲ اگست ۱۹۳۲ء
کے مطابق تھی)

آپ نے دو فرزند یادگار چھوڑے: ایک تو مولانا محمد مصطفیٰ صاحب قبلہ جوہر اور دوسرے
مولوی محمد مرتضیٰ صاحب جو میرے قیام مدرسہ سلیمانیہ کے وقت (۱۹۳۱ء میں) وہاں مدرس تھے۔

آپ کی ایک صاحبزادی کی شادی ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو ہوئی تھی۔ انھوں نے ۱۵ ربیع
الثانی ۱۳۳۹ھ کو انتقال کیا جیسا کہ اصلاح کے ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کے پرچے میں ہے جو کم
از کم چار مہینہ تاخیر سے شائع ہوا تھا۔

محمد مصطفیٰ، شیخ جوہر

۱۸۹۵/۱۳۱۲

۱۹۸۵/۱۴۰۶

مولانا شیخ محمد مصطفیٰ جوہر، حکیم محمد مسلم صاحب (دیکھیے احوال) کے بڑے صاحبزادے
تھے۔ آپ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ/۱۰ مئی ۱۸۹۵ء کو حسین گنج میں پیدا ہوئے۔ حکیم صاحب ۱۹۱۰ء
میں بھاگل پور میں مطب کرتے تھے جہاں جوہر صاحب انگریزی اسکول کے چھٹے درجہ میں تھے ایک

روز حکیم صاحب نے سخت لہجے میں کہا کہ میں تم کو انگریزی نہیں بلکہ عربی پڑھوانا چاہتا تھا۔ جوہر
صاحب نے دوسرے روز بوریا بستر باندھا اور لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئے۔ سلطان المدارس میں ان کی
برادرانہ دوستی راقم الحروف کے والد ماجد مولانا سید ابوالحسن صاحب سے ہو گئی جو اس وقت درجات
کے لحاظ سے جوہر صاحب سے دو سال سینیر تھے۔ یہ دوستی آخر دم تک قائم رہی۔ مولانا جوہر صاحب
نے راقم الحروف کو بتایا تھا کہ وہ (یعنی جوہر صاحب) ۱۹۲۳ء میں سلطان المدارس سے فارغ ہوئے
تھے۔ (لیکن والد صاحب ۱۹۱۹ء میں فارغ ہو گئے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ والد صاحب نے
دو دو درجوں کے امتحانات ایک ساتھ دیے ہوں گے)

مدرسہ عباسیہ (پٹنہ): ۱۳۴۲/۱۹۲۳ء میں مدرسہ عباسیہ کی تاسیس ہوئی جس کا افتتاح
۲۲ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ کو سرکار باقر العلوم سید محمد باقر صاحب نے فرمایا۔ ماہ صفر ۱۳۴۴ھ/اگست
۱۹۲۵ء میں مولانا محمد مصطفیٰ جوہر مدرسہ میں نائب مدرس اعلیٰ ہو کر پہنچے اور اسی سال ۱۳ رجب
۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء کو موصوف مدرس اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے اور آپ نے راقم الحروف
کے والد ماجد کو نائب مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے پٹنہ بلا لیا۔ مئی ۱۹۳۰ء کے تیسرے ہفتے میں جبکہ
تعطیلات گرما سر پر تھیں مدرسہ کے تمام مدرسین نے چھ ماہ کی تنخواہیں باقی ہونے کے سبب اتفاقی
استعفا دیدیا اور اکیس مئی ۱۹۳۰ء کو مدرسہ عباسیہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

۱۹۳۵ء سے پہلے آپ کانپور تشریف لے گئے اور پٹکاپور کی مسجد میں امام جمعہ و جماعت کی
حیثیت سے مقیم رہے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد بہت سے مومنین ہجرت کر کے پاکستان چلے
گئے لیکن آپ ۱۹۴۹ء کے اوائل تک کانپور ہی میں مقیم رہے۔ آخر آپ بھی حیدرآباد دکن تشریف لے
گئے لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد وہاں سے کراچی منتقل ہو گئے۔ کراچی میں چھاگلہ کمپاؤنڈ (کھارادر)
میں چار سال محرم کے مجالس سے صبح و شام خطاب فرمایا۔ یہ تقریریں دوسرے دن گجراتی زبان میں

شائع ہو جاتی تھیں اور مفت تقسیم کی جاتی تھیں۔ خوجہ مسجد کھارادر اور سرکاری ملازمین کے قائم کردہ مارٹن روڈ کے امام باڑہ میں ابتدائی ایام میں امامت فرمائی۔ مولانا ظفر حسن امروہوی کے قائم کردہ جامعہ امامیہ (ناظم آباد) میں دو سال تک بحیثیت مدرس اعلیٰ خدمات انجام دیئے۔ جب آپ نارتھ ناظم آباد منتقل ہو گئے تو روزانہ مغرب کے وقت اپنے شریعت کدہ پر مومنین کا اجتماع منعقد کرتے تھے۔ نماز مغربین کے بعد تفسیر قرآن، حدیث، تاریخ اور دوسرے دینی موضوعات پر تقریر کرتے تھے اور پیچیدہ مسائل کے دینی حل پیش کرتے۔ ان اجتماعات میں برادران اہل سنت کے معزز فقہاء اور علماء بھی شوق سے شرکت کرتے تھے۔ اور بہت سے صاحبان نظر وقتاً فوقتاً شریک ہوتے رہتے تھے جن میں سے چند نام یہاں بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں: جوش ملیح آبادی، علامہ رشید ترابی، پروفیسر علی حسنین شیفتہ، محمد علی حبیب (حبیب بینک) آغا سلطان احمد مرزا دہلوی اور تہذیب الحسن (چیف انجینیر)۔ جوہر صاحب نے ان تقریروں کا سلسلہ اپنی سخت علالت کے باوجود جاری رکھا تھا۔

حافظہ

استاد معظم مولانا جوہر صاحب جیسا حافظہ میں نے کہیں نہیں پایا۔ کتابوں کا مطالعہ ان کی زندگی تھی اور جو چیز ایک بار پڑھ لی دو مرتے دم تک یاد رہی کہ یہ بات کس کتاب کے کس صفحہ میں ہے۔ حدود ۱۹۷۵ء میں آنکھوں پر موتیا بند آ گیا اور آپریشن کیلئے استخارہ ہمیشہ منع آتا رہا اسلئے آپریشن نہ کرایا۔ اس عالم میں بھی جب ان سے پوچھا کہ فلاں کتاب کہاں ملے گی تو تفصیل سے بتاتے تھے کہ فلاں لائین میں مثلاً تین کتابوں کو چھوڑ کر چوتھی کتاب نکالو۔ اور وہی مطلوبہ کتاب ہوتی تھی۔

کتب خانہ

حسین گنج ضلع سیوان کے رئیس اعظم بابو یوسف محمد صاحب مرحوم (متوفی ۱۳/ جمادی

الاولی ۱۳۴۳ھ روز پنجشنبہ) عربی، فارسی اور اردو کے ماہر تھے۔ تقوی، طہارت، نماز شب، نوافل اور روزانہ اعمال عاشورا کے سختی سے پابند تھے۔ کتب بینی کا شوق تھا۔ لکھنؤ، بمبئی، دہلی حتی کہ ایران وعراق سے کتابیں منگواتے رہتے تھے اور تقریباً ہر کتاب پر ان کی تحریر موجود تھی۔ رفتہ رفتہ ایک زبردست کتب خانہ اکٹھا ہو گیا جس میں ہزاروں مآخذ اور مدارک موجود تھے۔ بہار میں صرف انہیں کے پاس بحار الانوار کی پچیس جلدیں موجود تھیں۔ ان کے ورثہ نے وہ کتابیں استاذ معظم کو استفادہ کیلئے دیں۔ اور اب وہ کتابیں مولانا مرحوم کے کراچی کے کتب خانہ کی زینت ہیں۔

انگریزی

جوہر صاحب کو انگریزی زبان پر کافی عبور تھا۔ مرحوم نے مجھ سے پٹنہ میں فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ ان پر خارش کا اتنا زبردست حملہ ہوا کہ جسم کا کوئی حصہ محفوظ نہ رہا یہاں تک کہ انگلیوں سے بھی خون وغیرہ نکلتا رہتا تھا۔ ایک طرف تو مطالعہ کے بغیر وقت گزارنا ناممکن تھا دوسری طرف دینی کتابیں ہاتھ میں لیتے ہوئے ڈر تھا کہ کہیں اوراق نجس نہ ہو جائیں۔ اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ الف لیلہ ولیلہ کا انگریزی ترجمہ منگوایا اور اسے پڑھنا شروع کیا۔ ادھر مرض ختم ہوا ادھر کتاب ختم ہوئی اور مولانا انگریزی کے ماہر ہو گئے۔

سادگی وقناعت

تمام عمر بڑی سادہ زندگی بسر کی۔ معمولی لیکن صاف ستھرا لباس پہنتے۔ سادہ غذا اور وہ بھی قلیل مقدار میں استعمال کرتے۔ طلب دنیا اور ہوس دنیا سے بے نیاز تھے۔ مجلسیں عبادت سمجھ کر پڑھتے تھے۔ دوران مجلس اگر سامعین میں سے کوئی شخص کوئی سوال کرتا تو بہت خوش ہوتے اور منبر ہی سے تسلی بخش جواب دے کر اسے مطمئن کر دیتے۔ تاعمر مجلس پڑھنے کی اجرت کسی سے نہیں مانگی۔ کبھی

کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا۔ تفسیر قرآن اور علوم قرآنی سے بہت دلچسپی تھی اور اپنی زندگی کو علوم محمد و آل محمد کیلئے وقف کر دیا تھا۔

شاعری

شاعری میں آپ کا استادانہ درجہ پٹنہ اور دوسرے ادبی مراکز میں مسلم تھا۔ قیام پٹنہ کے دوران بیسیوں نوجوان آپ کی شاگردی کے فیض سے مستند شاعر بن گئے۔ آپ کے قصائد، سلام اور رباعیاں اگر زیور طباعت سے آراستہ ہو جائیں تو مدح اہلبیت کا ایک قیمتی ذخیرہ قوم کے ہاتھوں میں آجائے۔ آپ جوہر تخلص کرتے تھے اور قیس زنگی پوری نے اس تخلص سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے نام کا یہ سجع کہا تھا

عرش دنیا و مافیہا محمد مصطفےٰ جوہر

شادیاں اور اولاد

آپ کی پہلی شادی حسین گنج کے سید محمد کاظم صاحب کی دوسری صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی چھوٹی بہن سے شادی کی جن سے ایک بیٹی پیدا ہوئیں۔ جب زوجۂ ثانیہ بھی راہی جنت ہوئیں تو جناب محمد رضا صاحب (حسین گنج) کی صاحبزادی سے عقد کیا۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا کئے: طالب جوہری اور ابو القاسم جوہری۔

تصنیفات و تراجم

آپ کے قلمی آثار میں جو چیزیں مجھے معلوم ہیں ان کو یہاں درج کرتا ہوں: (۱) توحید و عدل: نہج البلاغہ کی روشنی میں (۲) عقائد جعفریہ (۳) اصول جعفریہ (۴) ثبوت خدا (۵) جناب

سیدہ کے تاریخی خطبہ فدک کا ترجمہ جو آغا سلطان احمد مرزا کی کتاب سیرۃ فاطمۃ الزہرا میں شامل ہے۔ (۶) الغدیر کی پہلی جلد کا اردو ترجمہ۔ جو نسخہ ہوں آغا مرتضیٰ پویا کے پاس ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے غیر مطبوعہ آثار ان کے ورثاء کے پاس محفوظ ہیں۔

وفات

آپ نے ۹ ر صفر ۱۴۰۶ھ / ۲۴ ر اکتوبر ۱۹۸۵ کو بروز پنجشنبہ کراچی میں انتقال فرمایا۔ آپ کے فرزند جناب طالب جوہری اس وقت باب العلم امام باڑہ میں مجلس پڑھ رہے تھے اسی دوران انھیں یہ منحوس خبر ملی۔ سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ ڈیڑھ بجے رات کو محفل مرتضیٰ میں تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ کو گھر لایا گیا۔ صبح نو بجے اسے رضویہ امام بارگاہ میں منتقل کیا گیا۔ سوا دس بجے نماز جنازہ پڑھائی گئی جس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔ نماز ظہر کے قبل انھیں سخی حسن کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

محمد معصوم، ہندی

دبستان المذاہب کے مولف نے لاہور کے علمائے شیعہ اثنا عشریہ کے ضمن میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان سے وہ ۱۰۵۳ھ میں ملے تھے۔

(طبقات اعلام الشیعہ جلد پنجم ۵۷۶)

محمد مہدی، سید، بھیکپوری

۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء

۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

مولانا سید محمد مہدی قدوۃ العارفین مولانا سید علی طاب ثراہ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کے حالات جو تذکرہ بے بہا میں درج ہیں۔ ان میں چھوٹی چھوٹی بہت سی خامیاں ہیں۔ میں نے شجرۂ طیبہ کی تالیف کے وقت پرانی تحریروں اور معاصر حوالوں کی بناء پر ان سب اسقام کو دور کر دیا۔ اور اس بناء پر آپ کا پورا حال پھر سے لکھنا لازم ہو گیا۔

آپ کی ولادت ۲۵ ربیع الثانی ۱۲۶۹ھ، ۲ / جنوری ۱۸۵۲ء کو غالباً آپ کے ننہال ہنگرہ ضلع مظفر پور میں ہوئی۔ آپ نے تحفۃ الابرار میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے والد ماجد کو اولاد کی صحیح تربیت کی اہمیت کا اتنا احساس تھا کہ زمانہ رضاعت ختم ہوتے ہی آپ کو اور اسکے بعد آپ کے چھوٹے بھائی مولانا حکیم ڈاکٹر سید محمد جواد صاحب کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ اور تربیت و تعلیم اور نگہداشت کے تمام امور بنفس نفیس خود انجام دیتے تھے لیکن یہ محبت عقل کے تابع تھی اور ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے بچوں کی تعلیم اور تہذیب نفس میں تساہلی نہیں فرماتے تھے۔

سولہ ۱۶ سال کی عمر میں آپ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے پھر حصول تعلیم کی غرض سے آپ پٹنہ تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ تحصیل علم میں گزار کر لکھنؤ کا سفر کیا اور وہاں مختلف علماء سے درس لینا شروع کیا۔ "سواء السبیل" کی تقریظ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ سے خاص طور سے کسب فیض کیا۔ آخر میں اوحد الناس مفتی سید محمد عباس صاحب طاب ثراہ کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی نے تجلیات میں مفتی صاحب کے تلامذہ کی فہرست میں مولانا سید محمد مہدی بھیکپوری کے علاوہ، مولوی سید احمد حسن

صاحب بھیکپوری اور مولوی سید مرتضیٰ صاحب فلسفی نونہروی کے نام لکھے ہیں۔ مولانا سید تصدق حسین صاحب کنتوری (ابن علامہ کنتوری) سے بھی آپ نے استفادہ کیا تھا۔ چونکہ استاد اور شاگرد کی عمروں میں صرف سات سال کا فرق تھا اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ سید محمد مہدی صاحب نے ورود لکھنؤ کے فوراً بعد ان سے متوسط سطح کی کتابیں پڑھی ہونگی۔ تحصیل علم سے فراغت پانے کے بعد آپ ۱۳۰۶ھ سے پہلے مظفر پور آئے اور نواب حاجی سید محمد علی خان ابن نواب حاجی سید محمد تقی خان کی سرکار میں طرح اقامت ڈالی۔ نواب سید محمد تقی خان ابھی حیات تھے۔ نواب صاحب موصوف نے محلہ کمرہ مظفر پور میں ایک مسجد اور عالیشان امامباڑہ تعمیر کیا تھا نیز مدرسہ ایمانیہ کی تاسیس کی تھی (گمان غالب یہ ہے کہ یہ ابو صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہ اور علامہ کنتوری اعلی اللہ مقامہ کی تحریک کا نتیجہ رہا ہوگا۔)

نواب صاحب مرحوم نے ۱۳ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ میں ۸۸ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ اپنی وفات سے ایک سال قبل انہوں نے =/۱۲۰۰۰ بارہ ہزار روپے سالانہ آمدنی کی جائداد ان کارہائے خیر کیلئے وقف کر دی تھی۔

مولانا سید محمد مہدی صاحب تقریباً ساری زندگی اسی مدرسہ، مسجد اور امام باڑہ سے بحیثیت مدرس اعلی، اور خطیب منسلک رہے۔ مولانا سید محمد مہدی صاحب اس وقت سے مدرسہ ایمانیہ کے مدرس اعلی کی حیثیت سے منسلک ہوئے تھے جب مسجد کی پیشنمازی مولانا سید عابد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ سے متعلق تھی۔ جب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں مولانا سید عابد حسین صاحب قبلہ سلطان المدارس لکھنؤ تشریف لے گئے اس وقت سے مولانا سید محمد مہدی صاحب کے سر پر مدرسہ کے ساتھ ساتھ مسجد کی ذمہ داری بھی آگئی اور ان ذمہ داریوں کو آپ آخر عمر تک انجام دیتے رہے۔

سفر زیارت

آپ نے عراق کے مشاہد مشرفہ کی زیارت دو مرتبہ کی تھی اور دوسرے سفر میں مشہد مقدس بھی تشریف لے گئے۔ پہلے سفر کا سال معلوم نہ ہو سکا۔ دوسرا سفر ۱۳۰۷ھ میں ہوا تھا۔ سفر عراق میں آپ کو سرکار مرزا سید محمد تقی شیرازی طاب ثراہ نے اجازۂ روایت و امور حسبیہ عطا فرمایا تھا۔

ہندوستان میں فقیہ اہل البیت مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے آپ کو مفصل اجازۂ روایت عطا کیا تھا جو مواعظ المتقین میں چھپا ہے۔

سفر حج

۱۳۲۱ھ میں آپ اپنی اہلیہ اور چند دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حج اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔

بیماری اور وفات

۱۳۴۰ھ میں آپ کے بائیں حصہ جسم پر فالج کا اثر ہو گیا۔ علاج سے کچھ فائدہ ہوا اور آپ اس قابل ہو گئے کہ پھر مظفر پور جا سکیں۔ لیکن دو تین برس بعد مرض نے پھر شدت اختیار کر لی اور آپ وطن واپس آ گئے۔ آخر کار شب ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۹۲۹ء بوقت عشاء آپ نے وطن مالوف میں رحلت فرمائی اور اپنے برادر شفیق حاجی دلدار حسین صاحب کے تعمیر کردہ امامباڑہ کے صحن میں دفن ہوئے۔

شادیاں اور اولاد

آپ کی شادی خدیجہ خاتون بنت جناب سید الٰہی بخش صاحب بھکیپوری سے ہوئی تھی ان

سے آپ کو ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی۔ بیٹے جناب حکیم سید محمد سجاد صاحب (جو پہلے حاجی گنج پٹنہ میں مطب کرتے تھے پھر تقریباً ۱۳۴۴ھ میں مظفر پور منتقل ہو گئے) اور بیٹی ہاجرہ خاتون تھیں جو راقم الحروف کی نانی تھیں۔ خدیجہ خاتون کا انتقال پٹنہ میں ۱۰ شوال ۱۳۳۰ھ کو ہوا۔

تصانیف

آپ نے اردو میں ۶، عربی اور فارسی میں ایک ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ یہ سب کتابیں آپ کی حیات ہی میں چھپ گئی تھیں۔

(۱) سواء السبیل (۲) حجۃ بالغہ (۳) و (۴) زمزمۃ الحجاج ومدینۃ الزیارات (۵) و (۶) لوائح الاحزان ج اوج ۲ (۷) تحفۃ الابرار (فارسی) (۸) مواعظ المتقین (عربی)

لوائح الاحزان

لوائح الاحزان کی دونوں جلدیں غیر منقسم ہندوستان کے شہر شہر اور دیہات دیہات میں پہنچیں اور ان کی وجہ سے مصنف علام کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ ان مجلسوں کے مجموعے ہیں جو مصنف علام نے وقتاً فوقتاً پڑھی تھیں۔

لوائح الاحزان جلد اول کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جب آپ بعد فراغ تحصیل علوم عقلیہ ونقلیہ لکھنؤ سے اپنے وطن میں تشریف لائے تو مومنین کے اصرار سے اپنے والد ماجد کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز جمعہ و جماعت شروع کی۔ ماہ صیام کی نماز جمعہ میں اطراف و جوانب کے مومنین دور دور سے آنے لگے اور اشاعت دینی میں روز بروز ترقی ہونے لگی۔ بعد نماز ظہر روزانہ وعظ ہوتا تھا۔ لوگ پابند صلوٰۃ و صوم و احکام الٰہی اور تارک معاصی مناہی ہو گئے۔

۱۳۱۵ھ میں احباب کے اصرار سے آخر میں مصائب بھی بیان کرنے لگے۔ اور یہ التزام

برابر جاری رہا۔ محرم ۱۳۱۶ھ میں آپ نے اپنے یہاں مجالس کا سلسلہ ڈالا جو ابتک جاری ہے۔ تب آپ کو روایات فضائل اور مصائب جمع کرنے کا شوق ہوا۔ چار سال میں کتاب لوعج الاحزان جلد اول مرتب ہوئی۔ اس کا تاریخی نام مظہر المصائب ہے۔ (۱۳۱۹ھ)

جلد اول میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حالات کے جدول بھی دیئے ہیں۔ علاوہ بریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بارہویں امام علیہ السلام تک کا پورا شجرہ بھی کئی صفحات میں گلدستوں کی شکل میں دیا ہے۔ اس میں یہ التزام رکھا ہے کہ معصومین کی جن اولادوں کے بارے میں اتفاق رائے ہے ان کا نام گلاب کی شکل کے حلقہ میں لکھا ہے اور جن کے بارے میں اختلاف ہے ان کا نام دائرے میں دیا ہے۔

پہلی جلد میں چہاردہ معصومین کی ولادت کی محفلیں اور ۱۳ معصومین کی وفات وشہادت کی مجلیس شامل ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کی مجالس میں ترتیب واقعات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

۱۳۱۹ھ کے بعد کی مجلیس آپ دوسری جلد میں مرتب کرتے جاتے تھے۔ خیال تھا کہ یہ جلد بھی پہلی جلد کی طرح ضخیم ہوگی لیکن فالج کی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا اور جب صحت سے مایوسی ہوگئی تو تقریباً چالیس مجلسوں پر اسے تمام کرنا پڑا۔

جناب سید محمد مہدی صاحب مفتی سید محمد عباس صاحب کے شاگرد تھے اور استاد ہی کی طرح عربی اور فارسی ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ تحفۃ الابرار میں جا بجا حالات وواقعات کی مناسبت سے اپنے اشعار درج کئے ہیں۔

محمد مہدی، سید، زید پوری

۱۳۱۴ھ - ۱۸۹۶ء

۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۰ء

مولانا سید محمد مہدی صاحب جناب سید عطا محمد صاحب کے صاحبزادے اور مولانا شمشاد حسین صاحب کے نواسے تھے۔ آپ کی ولادت ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ / ۶ فروری ۱۸۹۶ء کو آبائی وطن زید پور ضلع بارہ بنکی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن میں مولانا علی ضامن صاحب سے حاصل کی۔ اسکے بعد آپ کے نانا آپ کو حیدرآباد لے گئے جہاں وہ مدرس تھے۔ وہاں سید محمد مہدی صاحب نے اپنے نانا صاحب کے علاوہ مولانا مہدی حسن صاحب اور مولانا احمد حسین صاحب سے کسب فیض کیا۔

حیدرآباد سے واپس آکر آپ نے سلطان المدارس میں داخلہ لیا اور صدر الافاضل کرنے کے بعد مدرسۃ الواعظین میں داخل ہوئے۔ وہاں کی تعلیم مکمل کرکے مسلسل بارہ سال تک مدرسۂ مذکورہ کی جانب سے فرائض تبلیغ انجام دیتے رہے۔

اسکے بعد آپ ریاست حسن پور (ضلع سلطان پور) میں بحیثیت امام جماعت وعالم دین مقیم رہے۔ خاتمۂ زمینداری نے ریاست کا سلسلہ ختم کردیا تو آپ وطن واپس آئے۔

۱۹۶۳ء میں مدرسہ سلطان المدارس میں معقولات کے استاد کی حیثیت سے مقرر ہوئے اور وہیں رہ کر طلباء کو آخر عمر تک فیض پہنچاتے رہے۔

آپ بہترین ذاکر وخطیب تھے۔ ہندو بیرون ہند مختلف شہروں میں ذاکری کے سلسلے میں تشریف لے جاتے تھے۔ عشرۂ محرم میں چالیس سال تک چک الہ آباد تشریف لے جاتے رہے۔ زندگی کے آخری محرم میں بہ سبب علالت وہاں نہ جاسکے لہٰذا زید پوری کے امام باڑہ سرکار حسینی میں

مجلس پڑھیں یہاں تک کے ۹ر محرم الحرام ۱۴۰۱ھ / ۱۸ر نومبر ۱۹۸۰ء کو پانچ بجے شام کو رحلت فرمائی۔

آپ بہترین شاعر بھی تھے۔ ناشاد تخلص کرتے تھے۔ فراست زید پوری مرحوم سے تلمذ تھا۔ قصائد و غزلیات کا مجموعہ (غالبًا غیر مطبوعہ) یادگار چھوڑا ہے۔

اولاد

آپ نے دو بیٹے یادگار چھوڑے: (۱) مولانا سید اخلاق مہدی صاحب جنھوں نے یہ حالات مرحمت فرمائے۔ (۲) جناب محمد وصی صاحب۔

محمد مہدی، سید، زنگی پوری

۱۳۳۳ / ۱۹۱۴ء

۱۳۷۵ / ۱۹۵۵ء

مولانا سید محمد مہدی صاحب ابن مولانا سید محمد یوسف صاحب دسمبر ۱۹۱۴ء (= محرم۔ صفر ۱۳۳۳ھ) میں اپنے آبائی وطن زنگی پور ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بنارس گئے جہاں مدرسۂ ایمانیہ میں مولوی تک تحصیل کی اسکے بعد جامع العلوم جوادیہ میں داخل ہوئے اور فخر الافاضل کی سند حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جوادیہ ہی میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں جب راقم الحروف جوادیہ میں داخل ہوا اس وقت آپ مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں مدرس ہوکر جا چکے تھے۔ ۱۹۵۴ء میں جوادیہ میں واپس پرنسپل ہوکر آگئے۔ (۱۳ر دسمبر ۱۹۵۳ء کے جلسہ مجلس انتظام کی کاروائی میں اس تقرر کی توثیق میری نظر سے گزری تھی) اور آخر عمر تک وہیں رہے۔

علم و فضل میں بے نظیر تھے۔ نہایت خوش اخلاق تھے۔ مجھ جیسے خردوں سے بھی انکسار فرماتے تھے۔ درس و تدریس میں انہماک تھا۔ معقولات کے علاوہ بھی طلباء کو اوقات مدرسہ سے الگ فقہ و اصول فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔

آپ کی شادی مولانا سید محمد مختار صاحب زنگی پوری کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ آپ کے صاحبزادے مولوی سید انتصار مہدی صاحب فخر الافاضل برہم پورہ مظفر پور میں امام جماعت اور وہاں کے مدرسہ کے انچارج ہیں۔

مولانا نے ۱۳ر صفر المظفر ۱۳۷۵ھ / ۳۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء کو وطن میں رحلت کی۔

(ذاتی معلومات)

سید محمد تقی

محمد واجد علی خاں، سید

محمد وحید اللہ

محمد ہادی، سید، جونپوری

محمد ہارون، سید، زنگی پوری

خاں مراد آبادی اور سرکار نجم العلماء سے کسب فیض کیا۔ ادبیات میں مولانا سید مہدی مصطفےٰ آبادی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ کچھ عرصہ تک حکیم سید محمد ہاشم صاحب سے بھی درس لیا۔ ۱۹۰۱ء (= ۱۳۱۹-۲۰ھ) میں مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی اور علمائے اعلام کے ہاتھوں خلعت اور دستار فضیلت ملی۔

جس سال مولانا ممتاز الافاضل کے امتحان میں شریک ہوئے اس سال آیۃ اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی اعلی اللہ مقامہ (نجف اشرف) اس درجہ کے فقہ و اصول فقہ کے ممتحن تھے۔ پرچہ سوالات میں ایک سوال غلط تھا۔ مولانا نے اپنے جواب میں اس غلطی کو ظاہر کرکے سوال کو صحیح کرکے اس کا جواب تحریر فرمایا اور یہ بھی لکھ دیا کہ اس سوال میں یا تو غلطی ہوگئی ہے یا قصداً مغالطہ دیا گیا ہے۔ اس پر آیۃ اللہ طباطبائی یزدی نے مولانا سید محمد ہارون کی تعریف میں یہ عبارت تحریر فرمائی جو مدرسہ ناظمیہ کی رپورٹ میں چھپ چکی ہے: "قوت متصرفہ ایشاں بسیار خوب است و اعتراضیکہ بر سوال ما کردہ اند کہ غلط شدہ یا مغالطہ۔ بلے مغالطہ شدہ و ایں در مقام امتحان خیلے مناسب است۔"

اسی سال ضرورت زمانہ کو ملحوظ رکھ کر بغیر کسی تیاری کے پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل کے امتحان میں شریک ہو کر اس کی بھی سند حاصل کی اور ایسا امتیاز حاصل کیا کہ یونیورسٹی کی طرف سے ۳۰ روپیہ کا انعام ملا۔ جناب قاری سید عباس حسین صاحب (پروفیسر عربی، علیگڑھ کالج) سالہائے دراز تک درجہ مولوی فاضل کے ممتحن ہوتے رہے تھے انھوں نے مولانا ہارون صاحب کے پرچے دیکھنے کے بعد فرمایا تھا کہ "آج تک کوئی ایسا طالب علم امتحان مولوی فاضل میں شامل نہیں ہوا۔" اور آپ کا عربی مضمون تو اتنا پسند آیا کہ جناب ممدوح نے پورے نمبر دیدیے۔

مولوی فاضل کرنے کے بعد آپ کو اورینٹل کالج (لاہور) میں بطور عربی استاد کے بلالیا گیا۔ وہیں کے قیام کے زمانے میں منشی محبوب عالم نے آپ کو "پیسہ اخبار" کا ایڈیٹر بنا دیا۔ اور

۱۵ پندرہ روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کردی۔ دو سال کے بعد آپ لکھیم پور کھیری میں مدرس ہو گئے۔ پھر سرکار نجم الملۃ کے حکم سے امروہہ کے مدرسہ میں چلے گئے۔ ۱۹۰۳ء میں گورنمنٹ اینگلو عربک ہائی اسکول (دہلی) میں معلم اول السنہ مشرقیہ مقرر ہوئے اور چھ سات سال تک وہیں رہے۔ دہلی میں ہی ۱۹۰۳ء میں آپ کو ایسا زہر دیا گیا جس کے اثرات علامہ مجتبیٰ حسن کاموںپوری نے ان الفاظ میں بیان کئے ہیں۔

"مولانا محمد ہارون صاحب کو دشمنی کے سبب کچھ لوگوں نے زہر دیدیا تھا جس کی وجہ سے ان کا سارا جسم بیکار ہوگیا تھا۔ اور ہر وقت جگہ جگہ سے خون وغیرہ بہتا رہتا تھا۔ ان کی انگلیاں بھی بیکار ہوگئی تھیں۔ مگر اس حالت میں بھی ہاتھوں میں پٹیاں باندھ کر لکھتے رہتے تھے۔ جب لوگوں نے انھیں آرام کرنے کا مشورہ دیا تو معلوم ہے انھوں نے کیا جواب دیا؟ انھوں نے فرمایا: جس کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے وہ کیا آرام کرتا ہے؟ وہ تو اپنے گھر کا قیمتی سامان جلدی جلدی باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔"

علالت بڑھنے پر دلی چھوڑ کر حسین آباد (مونگیر) میں قیام فرما ہوئے۔ وہاں بھی بیماری نے ساتھ نہ چھوڑا تو ملازمت چھوڑ کر وطن چلے آئے۔ جب ۱۳۳۸ھ (= ۱۹۲۰-۱۹۱۹) میں مدرسۃ الواعظین قائم ہوا تو آپ کو شعبہ تصنیف و تالیف کا صدر مقرر کیا گیا۔ وہاں سے ۱۹۲۰ء میں آپ کی گراں قدر کتاب "ابطال التناسخ" مدرسہ کے پہلے ثمرہ کے طور پر شائع ہوئی۔

مولانا عصری تقاضوں کو سمجھتے تھے اور جدید رجحانات کی روشنی میں دینی تعلیمات کو پھیلانے کا کام کرتے رہے۔ ان کے تالیفات برصغیر میں شیعہ مولفین کیلئے مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ ہر شخص آپ کا مداح اور سنی شیعہ دونوں آپ کے گرویدہ تھے۔ مدرسہ دینیہ (دہلی) کو زندگی بخشی۔

۱۹۱۸ء میں ڈیرہ غازی خاں میں مرزائیوں، حنفیوں، وہابیوں اور اہل قرآن سے کامیاب

مناظرے کئے۔ ایک ایک دن ایک فرقہ والے آتے تھے اور شکست کھا کر واپس جاتے تھے۔

۵ر دسمبر ۱۹۱۸ء کو وہاں سے فاتحانہ شان سے واپس آئے۔

۱۳۳۷ھ میں بہ غرض زیارت عتبات عالیات عراق کا سفر کیا۔ اس سفر میں مرض کی وجہ سے زحمتیں بہت ہوئیں مگر زیارات سے مشرف ہوتا ہی تمام زحمتوں کا کافی معاوضہ تھا۔ کربلائے معلی میں آپ نے دو رسالے لکھے: (۱) سبحہ حسینیہ (مسئلہ تسبیحات اربعہ میں) اور (۲) تحفۂ حائریہ (شرح روایت باقریہ) دونوں رسالے عربی زبان میں تھے۔ ان دونوں رسالوں کو جناب مولانا سید کلب باقر صاحب نے مراجع کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر جناب آقا سید محمد باقر صاحب نے اجازۂ روایت تحریر فرمایا۔ نیز آقا شیخ حسین مازندرانی اور آقا شیخ محمد مہدی الکشمیری نے بھی اجازہائے روایت تحریر کئے۔ آخر میں مولانا سید کلب باقر صاحب نے بھی اجازۂ روایت تحریر فرمایا۔ یہ چاروں اجازے مولانا کی کتاب الرحلۃ العراقیۃ میں مندرج ہیں۔ جو آپ کا سفرنامۂ عراق ہے۔ اس کتاب کا مخطوطہ جامع العلوم جوادیہ کے کتب خانہ میں ہے جسکی فوٹو کاپی جناب شیخ محمد سعید الطریحی نے حاصل کر کے اسے آفسٹ سے اپنے سہ ماہی رسالے الموسم میں شائع کیا ہے۔ موصوف ہالینڈ میں مقیم ہیں اور ان کا یہ موقر رسالہ بیروت میں چھپتا اور ہالینڈ سے شائع ہوتا ہے۔

اس جانکاہ علالت میں امتحان بالائے امتحان یہ ہوا کہ آپ کے جوان صاحبزادے سید شبیر حسین نے جن کی شادی وسط شعبان ۱۳۳۳ھ میں جناب مولانا سید محمد یعقوب صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی صرف ایک ماہ بعد ۱۲ر رمضان کو بیضہ کی وبا میں انتقال کیا۔ ضعیف باپ نے جو مرثیہ کہا اس کا ایک شعر یہ ہے:

زندگی سے تری وابستہ تھا جینا میرا اب یہ جینا نہیں اے جان! یہ ہے سخت نکال[1]

---

[1] نکال یعنی عذاب

تصانیف

تصنیف کا شوق تو طالب العلمی ہی کے زمانے سے تھا۔ مگر آپ نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۲۳ سال کی عمر سے اس کام کو خاص طور سے ہاتھ میں لیا۔ باوجود جاں گداز علالت کے بیس سال کے عرصہ میں ایک سو سے زیادہ کتابیں مختلف علوم وفنون میں تصنیف کیں۔ یہ تصنیفات عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہیں اور ہر زبان میں نثر اور نظم دونوں طرح کی کتابیں ہیں۔ (نظم میں آپ علم تخلص کرتے تھے) کچھ کتابیں مطبوعہ ہیں۔ باقی مخطوطات ہیں جو مولانا محمد ہارون صاحب کے بھانجے اور شاگرد علامہ سید محمد رضی زنگی پوری کے پاس تھے اور اب جامع العلوم جوادیہ کے کتب خانہ میں ہیں۔ ذیل میں چند کتابوں کا نام درج کیا جاتا ہے:

فن حدیث

العقود الحسین (فی شرح الاربعین) بہ زبان عربی، چھ جلدوں میں

اصول فقہ

سبحہ حسینیہ، تحفۂ حائریہ، مسئلۂ مسح علی القدمین

اوراد واذکار

انیس المتہجد، اوراد القرآن

تفسیر

توحید القرآن، علوم القرآن، ملخص التفاسیر (عربی)

کلام ومناظرہ

ابطال الفتاح، بیضۃ العصر، المعراج، تنقیح البیان (ردفرقہ اہل قرآن)، السیف الیمانی (ردقادیانی)، املۃ القرآن، ثبوت شہادت

مواعظ

مواعظ رمضانیہ، مواعظ دہلویہ، مواعظ امروہویہ، مواعظ عشرۂ حسینیہ، مواعظ حسنہ، نزل الابرار، شذرات العقیان، تحفۃ الصائمین۔

رجال

مناد یہ وطن (علمائے زنگی پور کے حالات)

علم ہیئت

البدر التمام (اردو ترجمہ الہیئۃ والاسلام)

ان کے علاوہ اردو و فارسی نظم میں کتابیں ہیں۔ اخلاق کتابیں اور ادبیات عربی نیز اہم کتابوں پر حواشی ہیں۔ جن کا ذکر بنظر اختصار ترک کیا جاتا ہے۔

مولانا نے صرف ۴۹ سال کی عمر میں ۱۳ر جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ / ۲۳ر جنوری ۱۹۲۱ء کو وطن میں رحلت فرمائی۔

(ابطال الفتاح کے ساتھ چھپا ہوا تذکرہ مصنف از قلم خواجہ غلام الحسنین پانی پتی، ایک فرد ایک ادارہ (از عندلیب زہرا)

البرہان ۱۳۳۹ھ، اصلاح ۱۳۳۹ھ، مطلع انوار)

محمد ہاشم، سید

---/---

۱۹۹۳/۱۴۱۳

مولانا سید محمد ہاشم صاحب لاہور اور کراچی کی مسجدوں میں امام جماعت رہے۔ آپ نے ۱۸ر مئی ۱۹۹۳ء (=۲۶ر ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ) کو رحلت فرمائی۔

(الجواد جلد نمبر ۲۳ نمبر ۷، ۸، محرم الحرام ۱۴۱۴ھ)

محمد یعقوب، سید، زنگی پور

---/---

۱۹۲۵/۱۳۴۳

مولانا سید محمد یعقوب صاحب جناب سید علی حسین صاحب زنگی پوری کے صاحبزادے تھے۔ وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ گئے جہاں دوسرے علماء اعلام کے علاوہ جناب مفتی سید محمد عباس صاحب سے خاص طور سے کسب فیض کیا۔

ورع و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ زندگی بھر نماز نہیں پڑھائی۔ آپ کے صاحبزادے جناب ملا سید محمد یوسف صاحب مرحوم تھے جو جامع العلوم جوادیہ کے پہلے پرنسپل تھے۔

آپ کی صاحبزادی کی شادی جناب مولانا سید محمد ہارون صاحب کے صاحبزادے سید شبیر حسین صاحب سے ہوئی تھی۔ سید شبیر حسین صاحب کا شادی کے ایک مہینہ کے اندر ہی انتقال ہو گیا۔

(اصلاح جلد نمبر ۱۸ نمبر ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ)

مولانا محمد یعقوب صاحب نے ۷ر شعبان ۱۳۴۳ھ (۲۳ر مارچ ۱۹۲۵ء) کو انتقال فرمایا۔

(اصلاح ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ)

محمد یوسف، سید، زنگی پوری

۱۳۰۶/۱۸۸۹

۱۳۵۹/۱۹۴۰

مولانا سید محمد یوسف صاحب جناب مولانا سید محمد یعقوب ابن مولانا سید علی حسین ابن سید خیرات علی زنگی پوری کے فرزند تھے۔ ۱۰رمئی ۱۸۸۹ء (= ۱۰ر رمضان ۱۳۰۶ھ) کو زنگی پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے پدر بزرگوار اور عم نامدار جناب سید محمد ابراہیم صاحب سے حاصل کرنے کے بعد مولانا سید علی جواد صاحب طاب ثراہ کی سرپرستی میں مدرسۂ ایمانیہ (بنارس) میں داخل ہوئے جہاں درجہ عالم تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسۂ ناظمیہ (لکھنؤ) میں داخلہ لیا اور ممتاز الافاضل ہوئے پھر سلطان المدارس سے صدر الافاضل کیا۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ملا فاضل پاس کیا۔

سرکار نجم العلماء نے آپ کے علمی تبحر اور انتظامی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے آپ کو مدرسہ ناظمیہ میں مدرس معین کیا نیز مدار المہام بنا کر مدرسہ کا پورا انتظام آپ کے سپرد کر دیا۔ مدرسہ میں قیام کے زمانے میں آپ نے ایک انجمن "نادی الادب" قائم کی تھی جس میں مدرسۂ ناظمیہ اور سلطان المدارس کے طلباء اپنی عربی نظم و نثر کی تخلیقات سناتے تھے۔ بہت سے مدرسین بھی اس میں عملی حصہ لیتے تھے۔

سرکار نجم العلماء نے آپ کو مئی ۱۹۲۳ء میں بغرض تبلیغ زنجبار بھیجا۔ جہاں آپ کی خوش اخلاقی اور خوش بیانی کے چرچے بعد میں بھی رہے۔ (الواعظ، ستمبر ۱۹۲۵ء) وہاں سے ۱۹۲۷ء میں واپسی ہوئی۔

جب مولانا سید محمد سجاد صاحب طاب ثراہ نے بنارس میں جامع العلوم جوادیہ کی تاسیس

فرمائی تو آپ کو بطور پرنسپل وہاں بلا لیا جہاں آپ آخر تک رہے۔ سرکار نجم العلماء نے آپ کو بنارس جانے کی اجازت دیتے ہوئے مولانا محمد سجاد صاحب کو یہ لکھا تھا کہ آپ نے میرا داہنا ہاتھ لے لیا۔ اگر بنارس کی اہمیت نہ ہوتی تو موصوف کو کبھی جانے نہ دیتا۔

آپ نے ۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ / ۱۰رجون ۱۹۴۰ء کو مدرسہ جوادیہ میں انتقال فرمایا۔ لاش بغرض تدفین زنگی پور لے جائی گئی۔

آپ اپنے دور کے فقیہ، ادیب اور خطیب تھے۔ آپ کے فرزند مولانا سید محمد مہدی صاحب بھی زبردست عالم تھے جن کا حال اس تذکرہ میں دیا گیا ہے۔

مختار احمد، سید، گوپال پوری

حدود ۱۳۳۰/۱۹۱۰ء

۱۳۶۲/۱۹۴۳

مولوی سید مختار احمد صاحب سید عابد حسین صاحب ابن سید ظاہر حسین صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔ گوپال پور وطن تھا۔ وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ ایمانیہ بنارس تشریف لے گئے جہاں آپ کے چچا مولانا سید ناظر حسین صاحب مرحوم مدرس اعلیٰ تھے۔ انھیں کی نگرانی میں تعلیمی مراحل طے کئے اور الہ آباد بورڈ سے فاضل پاس کیا۔ اصلاح (ماہ رمضان ۱۳۵۳ھ) کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت درجۂ فاضل میں تھے۔

اسکے بعد آپ مدرسہ اسلامیہ (کجھوہ ضلع سارن) میں مدرس مقرر ہوئے جہاں آخر عمر تک رہے۔ جنوری ۱۹۴۳ء میں انتقال فرمایا۔

میں نے کری کی ایک چھٹی میں مرحوم سے مقامات بدیع کے چند مقامے پڑھے تھے۔ مرحوم شاعر بہت اچھے تھے۔ قیصر تخلص کرتے تھے۔ ان کا ایک قطعہ بہار اور یوپی میں بہت مشہور ہے۔

الٰہی نسل امامت میں ہے عجب تاثیر   ہر ایک ان میں ہے یکساں صغیر ہو کہ کبیر
عجب نہیں کہ نظر بندی مصور نے   پلٹ پلٹ کے دکھائی ہو ایک ہی تصویر

آپ بہت ہی خوش اخلاق، خوش مذاق اور بذلہ سنج تھے۔ حجۃ الاسلام مولانا سید علی صاحب قبلہ گوپال پوری سے بہت ہی گہرے دوستانہ روابط تھے۔ مولانا سید علی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ یہ دونوں حضرات گوپال پور سے عشری خرد جا رہے تھے۔ یکہ کی سواری تھی یکہ کا انجر پنجر ڈھیلا تھا اور اس وقت کی کچی سڑک گڈھوں اور کھائیوں سے عبارت تھی۔ ایک جگہ زبردست دھچکا لگا تو مولانا مختار احمد صاحب مرحوم بے ساختہ کراہ اٹھے۔ مولانا سید علی صاحب نے جب سبب پوچھا تو بولے: بیضاوی کی جلد کٹ گئی۔ آپ ذاکری اعلیٰ پایہ کی کرتے تھے۔

مرتضیٰ حسین، سید، الور

ح ۱۳۰۲/ ۱۸۸۵

۱۳۳۳/ ۱۵ء ۱۹۱۴

اصلاح جلد نمبر ۱۸ نمبر ۹ (رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ) میں آپ کی خبر وفات ان الفاظ میں درج ہے:

"مولوی سید مرتضیٰ حسین صاحب، مہاراجہ کالج دھول پور۔ آپ نے ۳۱ برس کے سن میں بعارضۂ دق بہ مقام ریاست الور انتقال فرمایا۔ آپ مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ کے افاضل سے تھے اور پنجاب

یونیورسٹی کے منشی، عالم، فاضل، مولوی، عالم، فاضل اور انگریزی میں انٹرنس پاس تھے۔"

اس تحریر کے مطابق آپ کی ولادت حدود ۱۳۰۲ھ میں ہوئی ہوگی۔

مرتضیٰ حسین، سید، حسین آبادی

ح ۱۳۱۰/ ۱۸۹۰

مولوی حکیم سید مرتضیٰ حسین صاحب حسین آباد (ضلع بلیا، یوپی) کے باشندے تھے۔ آپ مولوی حکیم سید ممتاز حسین صاحب کے صاحبزادے تھے۔ وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ جا کر مدرسہ ناظمیہ سے فارغ التحصیل ہوئے اور وہیں علم طب بھی حاصل کیا۔

آپ کی پہلی شادی مولوی سید حفاظت حسین صاحب بھیکپوری (دیکھئے احوال) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اور اس سلسلے سے موتیہاری (بہار) میں تھوڑی سی جائیداد بھی ملی تھی چنانچہ آپ نے موتیہاری میں طبابت شروع کی۔ پہلی زوجہ کے انتقال کے بعد مولوی سید راحت حسین صاحب بھیکپوری (دیکھئے احوال) کی بیوہ صاحبزادی سے عقد کیا۔ اس رشتہ کی ناکامی کے بعد موضع کٹوکھر (ضلع سارن) میں شادی کی۔ اسکے بعد آپ احمد آباد (گجرات) میں پیش نماز ہو کر چلے گئے اور وہیں متوطن ہو گئے ۱۹۶۳ء میں دو سال کیلئے افریقہ بلائے گئے جہاں ٹنگو ماجماعت (تانزانیا) میں امامت جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر احمد آباد واپس آگئے اور وہیں حدود ۱۹۸۰ء (=۱۴۰۰ھ) میں انتقال فرمایا۔

(ذاتی معلومات)

مرتضیٰ حسین، سید، فاضل

۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء

۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

سید مرتضیٰ حسین (صاحب مطلع انوار) لکھنؤ کے محلہ راجہ بازار میں ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ یکم اگست ۱۹۲۳ کو چہار شنبہ کے روز پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا سید سردار حسین نقوی عرف قاسم آغا ابن مولانا سید اعجاز حسین نقوی ابن مولانا سید محمد نقوی تھے۔

گھر میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے مدرسہ عابدیہ میں داخلہ لیا اور اسکے بعد سلطان المدارس میں داخل ہوئے۔ سلطان المدارس سے صدر الافاضل کی سند کے حصول کے بعد وہ ناظمیہ میں داخل ہوئے جہاں سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی۔ مدرسہ کی تعلیم کے دوران میں انہوں نے شیعہ عربی کالج سے عماد الادب اور عماد الکلام کی سندیں حاصل کیں اور الہ آباد بورڈ سے عالم (عربی) کامل (فارسی) اور فاضل (اردو) پاس کیا اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب اور دبیر کامل کی سندیں حاصل کیں۔ اور آخر میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل، منشی فاضل اور اردو فاضل کے امتحانات پاس کئے۔

اجازہائے روایت

آپ کو آیۃ اللہ سید شہاب الدین نجفی مرعشی شیخ محمد محسن آغا بزرگ تہرانی اور سید محمد محسن لکھنوی اور دوسرے کئی علماء اعلام نے اجازہائے روایت مرحمت کئے۔

سفر

آپ نے کویت۔ عراق۔ شام۔ لبنان۔ سعودی عربیہ۔ ایران بنگلہ دیش اور امریکہ کے سفر

کئے تھے۔ ہندوستان تو اصل وطن ہی تھا۔ پاکستان جانے کے بعد پھر ایک مرتبہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔

انکی عملی زندگی کا ایک بڑا حصہ ایک سرکاری تعلیمی ادارہ میں استاد کی حیثیت سے گزرا اور اسی دوران وہ گھر پر تفسیر وحدیث فقہ وکلام منطق وفلسفہ اور تاریخ وادب کا درس دیتے رہے۔ مذہبی دنیا میں انہوں نے اکابر علماء سے کسب فیض کیا اور ادبی حلقہ میں بھی انہوں نے جو مرتبہ حاصل کیا وہ انکے ہم عصروں کیلئے قابل رشک ہے۔ ادب میں وہ غالبیات کے ماہر تھے اور غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر روس میں ہونے والے بین الاقوامی سیمینار میں محققین نے متفقہ طور پر فاضل لکھنوی اور مالک رام کو غالب کے مستند ترین ماہر ہونے کی سند دی۔ اور انکے تحقیقی کاموں کو نمونے کا کام قرار دیا۔

تصانیف

آپ نے تقریباً تین سو کتابیں لکھیں۔ جن میں سے ۲۲۵ کے نام معلوم ہیں۔ سو کتابیں چھپی ہیں ایک سو دو غیر مطبوعہ ہیں اور ۲۳ مفقود ہیں اور باقی کا حال نہیں معلوم۔

آپ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام سید حسین مرتضیٰ نے آپ کا جو مختصر تعارف شائع کیا ہے اس میں بوستان فاضل کے نام سے آپ کے تصانیف کی مفصل فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کرکے لکھی ہے۔ بوستان اول میں سو مطبوعہ کتابوں کے نام ہیں۔ بوستان دوم میں ایکسو دو غیر مطبوعہ تصانیف کے نام ہیں جو انکے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ بوستان سوم میں ان ۲۳ تالیفات کا نام ہے جو نایاب ہیں ظاہر ہے کہ ان سب کتابوں کا نام لکھنا اس مختصر تذکرے میں ممکن نہیں ہے اسلئے یہاں صرف حرف الف سے شروع ہونے والی ۲۴ کتابوں کا نام درج کیا جاتا ہے۔

۱- آخری تاجدار امت ۲- آیۃ اللہ خمینی: قم سے قم تک ۳- احوال آتش و تعارف

کلیات ۳- احوال الرجال والکتاب المومن ۵- احوال و رباعیات خیام ۶- اذکار اسماء اللہ سبحانہ و تعالیٰ ۷- اردو قواعد و انشاء ۸- اردو ادب میں شیعوں کا تعمیری و تحقیقی حصہ ۹- اردوئے معلیٰ (صدی ایڈیشن) ۱۰- اسرار الصلوۃ ۱۱- اسلام میں خواتین کے حقوق ۱۲- اسلامیات لازمی برائے جماعت نہم و دہم ۱۳- اسلامی معاشرہ ۱۴- اصول اسلام اور ہم ۱۵- اقبال کی کہانیاں ۱۶- امام حسین کے تعلیمات ۱۷- انتخاب آتش ۱۸- انتخاب ذوق ۱۹- انتخاب ناسخ ۲۰- انقلاب اسلامی معرکہ مشہد و آیۃ اللہ شیرازی خطوط و سوانح ۲۱- انقلاب اسلامی کی تحریک حیات و افکار جمال الدین افغانی ۲۲- انوار الآیات ۲۳- انیس اور مرثیہ نگاری اور پیام ۲۴- اوصاف الحدیث

آپ کے تحقیقی مقالات اردو اور عربی انسائیکلو پیڈیا میں شامل ہیں اور انکے علاوہ وہ مقالات ہیں جو دو سو سے زائد سیمینارز اور کانفرنسوں میں پڑھے گئے۔ دوسروں کی بہت سی کتابوں پر مقدمے لکھے اور بے شمار تحقیقی مقالے علمی، ادبی اور مذہبی رسالوں میں چھپے۔

شادی اور اولاد

آپ کی شادی آغائے بارہوی کی بڑی صاحبزادی سے ۱۹۴۷ء میں ہوئی تھی۔ ایک بیٹی اور پانچ بیٹے آپ نے یادگار چھوڑے جن میں حجۃ الاسلام سید حسین مرتضیٰ گل سر سبد ہیں۔

راقم الحروف سے فاضل لکھنوی کے تعلقات زمانہ طالب علمی سے تھے موصوف نے شیعہ عربی مدارس کے طلباء کی ایک انجمن قائم کی تھی جس کے وہ خود سکریٹری تھے اور مجھے نائب سکریٹری بنایا تھا۔ انکے پاکستان جانے کے بعد صرف ایک مرتبہ لاہور میں ان سے ملاقات ہوئی اس وقت مطلع انوار زیر ترتیب تھی۔ کتابیات پر ان کے دو مقالے سرفراز میں شائع ہوئے تھے اور میں نے بربنائے دوستی انکا استدراک شائع کیا۔ دیکھ رہا ہوں کہ اب وہی کام مطلع انوار کے سلسلہ میں انجام دینا

پڑا ہے۔

وفات

آپ نے ۷ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۸۷ء روز یکشنبہ میو اسپتال لاہور میں رحلت فرمائی۔ تشییع جنازہ میں بے شمار شیعہ، سنی علماء و عوام نے شرکت کی اور شیعہ و سنی دونوں طریقوں کے مطابق نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور قبرستان شاہ کمال لاہور میں دفن کیا گیا۔

(سید مرتضیٰ حسین کا ایک مختصر تعارف
مرتبہ سید حسین مرتضیٰ)

مسرور حسین، سید امروہوی

۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء

مولانا سید مسرور حسین صاحب امروہوی مدرسۃ الواعظین کے اولین دور کے واعظین میں تھے اور غالباً ۱۹۲۵ء میں داخل ہوئے تھے۔ انجمن موید العلوم کے سربراہ تھے اور بہت سی اہم کتابیں مدرسہ کی جانب سے آپ کے زیر اہتمام شائع ہوئیں۔

آپ نے آقائے جواد بلاغی طاب ثراہ کی کتاب الرحلۃ المدرسیۃ کا ترجمہ "اسرار عیسوی" کے نام سے کیا تھا جو بالاقساط الواعظ میں شائع ہوتا رہا۔ العروۃ الوثقیٰ کے چند ابواب کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جن میں سے کتاب الصوم علیحدہ کتابی صورت میں میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔

اس کے بعد آپ مدرسۃ الواعظین کی طرف سے ماڈاگاسکر بھیجے گئے۔ جہاں آپ نے بہت ہی گراں قدر تبلیغی خدمات انجام دیے۔ فرانسیسی زبان سیکھی نیز ماڈاگاسکر کی ملاگاسی زبان میں

مہارت حاصل کی۔ ماڈاگاسکر میں آپ نے ایک ملاگاسی خاتون سے شادی کی تھی جن سے ایک بچی پیدا ہوئی۔

ایک مشہور فرانسیسی شاعر "الیگزینڈر گنل" سے دوستی ہوئی تو اسے واقعات کربلا کے علل واسباب واقعات شہادت اور نتائج شہادت سمجھائے۔ وہ اس قدر متاثر ہوا کہ دنیا کے بچوں کی طرف سے حضرت علی اصغر کی قیادت میں رقیام امن کے لئے ایک انتہائی موثر اور طویل نظم لکھکر اقوام متحدہ میں بھیجی۔ مولانا مسرور حسین صاحب نے اس نظم کا اردو ترجمہ "معصوموں کا ستارہ" کے نام سے کیا۔ جو سرفراز کے محرم نمبر (متاع رباب نمبر)۔ (۲۵ رجون ۱۹۵۸ء / ۶ رذی الحجہ ۱۳۷۷ھ، جلد ۳۵) میں ص ۱۹۲ سے ص ۲۰۹ پر شائع ہوا۔ اس میں مترجم کا پیش لفظ اور شاعر کے مقدمہ کا اقتباس بھی شامل ہے۔ نظم ص ۱۹۸ سے ص ۲۰۹ تک ہے۔

ہندوستان واپس آکر آپ وطن مالوف (امروہہ) میں رہے جہاں آپ نے ۱۳ رفروری ۱۹۵۷ء مطابق ۱۲ ر رجب ۱۳۷۶ھ کو وفات پائی۔

مصطفےٰ بیگم، سیدہ

سیدہ مصطفےٰ بیگم مولوی سید باقر حسین صاحب کی صاحب علم وکمال بیٹی تھیں۔ شاعرہ بھی تھیں۔ ان کے فارسی مکتوبات کا ایک مجموعہ "رقعات مصطفائیہ" کے نام سے چھپا تھا اس کے علاوہ ان کی حسب ذیل کتابوں کا ذکر الذریعہ کی مختلف جلدوں میں میری نظر سے گزرا ہے:

(۲) قصائد مصطفائیہ (۳) عقائد الصالحین (۴) ایران کربلا (۵) مرقع غم (۶) مفتاح الحاجات فی الادعیہ والاوراد (۷) مقتل شہداء (۸) ذخیرۂ مصائب۔

یہ پتہ نہ چل سکا کہ آپ کس دور میں تھیں اور کہاں کی رہنے والی تھیں۔

مظاہر حسن، سید، امروہوی

۱۳۲۴ / ۱۹۰۶
-----/-----

آپ رجب ۱۳۲۴ھ / (= اگست ستمبر ۱۹۰۶ء) کو محلہ جامع مسجد، امروہہ، میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ بعدہ مقامی میونسپل اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ عربی اور فارسی کی تعلیم اشرف المدارس (امروہہ) میں حاصل کی۔ آپ ایک عرصہ تک اے بی مشن ہائی اسکول (دہرہ دون) میں ہیڈ مولوی رہے پھر گورنمنٹ اسکول امروہہ میں عربک پرشین ٹیچر اور دربار ہائی اسکول، جھابوہ اسٹیٹ (سینٹرل انڈیا) میں ہیڈ مولوی رہے۔

آپ کے چند تصانیف کا پتہ چلتا ہے :(۱) رہبر منطق (۲) شرح قصیدۂ بانت سعاد۔ الذریعہ میں (۳) نحو میر (منظوم، اردو، ۵۰ صفحے) کا ذکر ملتا ہے۔

(انجمن وظیفہ سادات ومومنین)

مظاہر حسین، سید نوگانوی

حدود ۱۳۰۰ / ۱۸۸۳
-----/-----

سید مظاہر حسین نوگانوی (مولود حدود ۱۳۰۰) نے مقتل ابن نما (مثیر الاحزان) کا ترجمہ اردو میں "مقتل حسین" کے نام سے کیا تھا۔

دوسری جگہ ملتا ہے کہ مولانا مظاہر حسین صاحب۔ مدرسہ ناظمیہ میں مدرس تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی بزرگ سے متعلق ہیں۔

مظاہر حسین ۔ سید

—/—

۱۹۷۹/۱۳۹۹

مولوی حکیم سید مظاہر حسین ابن سید ناظم حسین ابن سید امیر حسن اپنے وطن مالوف گوپال پور (ضلع سیوان ، بہار) میں پیدا ہوئے ۔ ان کے دادا میرے دادا سید مقبول حسین صاحب مرحوم کے بھوئی تھے ۔ مظاہر حسین صاحب نے طبیہ کالج (پٹنہ) کی سند اعلیٰ نمبروں سے حاصل کی تھی اور ان کو تشخیص مرض کا ملکہ حاصل تھا لیکن نسخہ نویسی کے وقت مریض کی مالی حیثیت کا خیال نہیں رکھتے تھے اور غریبوں کے لئے بھی گراں قیمت دوائیں تجویز کرتے تھے اس وجہ سے مطب کامیاب نہ ہو سکا ۔ ۱۹۳۰ء کے وسط سے حدود ۱۹۴۷ء تک باندہ (یو۔ پی) میں رہے ۔ وہاں سے خیر پور (سندھ) چلے گئے ۔ ان کی اہلیہ باندہ ہی میں رہیں ۔

خیر پور میں مدرسہ سلطان المدارس میں مدرس مقرر ہوئے ان کو عربی ادب کی تدریس میں ماہر سمجھا جاتا تھا اور دیوان حماسہ ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے ۔ خیر پور کے مضافات میں ٹھرّو قصبہ ان کے دینی خدمات کا مرکز تھا جہاں وہ ہر ہفتہ جاتے تھے اور نماز جمعہ و جماعت اور وعظ و نصیحت سے لوگوں کو فیض پہنچاتے تھے ۔

انتقال سے ایک ہفتہ پہلے فرداً فرداً ہر شخص کے یہاں جا کر گذارش کی کہ اگر مجھ سے کوئی تکلیف پہونچی ہو تو اسے معاف کر دیجئے ۔ آخری جمعہ کے وعظ میں کہا کہ اب میں کوئی نماز جمعہ نہیں پڑھاؤں گا ۔ انتقال کے دن نماز مغرب پڑھا کر اپنی قیامگاہ پر چلے گئے اور مومنین سے کہہ دیا کہ نماز عشاء وہ فرادیٰ پڑھ لیں ۔ قیامگاہ پر آ کر روٹی پکائی (اپنا کھانا خود پکاتے تھے) پھر نماز عشاء پڑھی اور چادر اوڑھ کر لیٹ گئے ۔ بعد میں دیکھا گیا تو روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی ۔ یہ ۱۹۷۹ء کا واقعہ ہے ۔

(حمید حسین ذاتی معلومات)

مظفر حسین ، سید ، بنارسی

مولانا سید مظفر حسین صاحب سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے لیکن آپ کی تقریباً پوری زندگی بنارس میں بسر ہوئی ۔ وطن میں ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ ایمانیہ (بنارس) میں داخل ہوئے ۔ جہاں جناب مولانا سید علی جواد صاحب اور جناب مولانا سید محمد سجاد صاحب طاب ثراہما سے کسب فیض کیا ۔ پھر لکھنؤ جا کر تعلیم کے اعلیٰ مدارج طے کئے ۔

آپ کوئینس کالج (بنارس) کے سیکنڈری سیکشن میں اردو اور فارسی کے ہیڈ مولوی تھے ۔ (اب یہ کالج سمپورنانند سنسکرت وشو ودیالیہ بن چکا ہے) اپنی علالت کے زمانے میں دو مرتبہ مجھے عارضی طور پر اپنی جگہ پر رکھوا دیا تھا ۔ مجھ پر خاص شفقت فرماتے تھے کیونکہ والد مرحوم کے مخلص دوستوں میں تھے ۔

۱۹۳۹ء میں مولانا سید محمد سجاد صاحب کی وفات کے بعد آپ بنارس کے امام جمعہ و جماعت اور دینی مرجع تھے ۔ نیز ان مرحوم کی جگہ پر جامع العلوم جوادیہ کے "ہادی" بنائے گئے ۔ بنارس اور مضافات میں آپ کی بہت عزت تھی ۔ آپ بہت اچھے خطیب اور واعظ تھے اور نماز جمعہ کے بعد آپ کے مواعظ دلچسپی سے سنے جاتے تھے ۔

زوجہ اولیٰ کے انتقال کے بعد آپ کی دوسری شادی مولانا محمد سجاد صاحب کی دوسری صاحبزادی زاہدہ بی بی سے ہوئی تھی جن سے ایک بیٹی ہیں ۔

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید محمد حسنی صاحب فخر الافاضل آجکل مدرسہ ایمانیہ کے عمید ہیں ۔

مطلع انوار ص ۶۵۲ پر آپ کا نام "مظفر حسن بنارسی" لکھا ہے جو غلط ہے ۔ مشہور شاعر وفا

ملک پوری نے جو اودھ کی طالب علمی کے زمانے میں مولانا ممدوح کے نام کا تیج ایک قطعہ میں کہا تھا جو حسب ذیل ہے:

گلزارِ مصطفےٰ کا گلِ تر حسین ہے (دوسرا مصرعہ یاد نہیں)
فاتح ہوا یزید پہ طاہر مگر وفا ہر قوم کہہ رہی ہے مظفر حسین ہے

(ذاتی معلومات)

مظفر حسین، سید، طاہر جرولی

۱۹۲۹/۱۳۴۸

۱۹۸۷/۱۴۰۸

جناب مظفر حسین صاحب مرحوم طاہر جرولی ۱۴ رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء[1] لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ آپ کے والد سید نظیر حسین صاحب جرول ضلع بہرائچ کے تعلقدار تھے دراصل ان کا تعلق سادات زید پور سے تھا مگر وہ مستقل طور پر اپنی ننھیال جرول میں مقیم رہے۔ طاہر صاحب کی ننھیال سادات کنتور کے ایک عظیم علمی گھرانے میں تھی آپ کی والدہ ناصر الملۃ کی چھوٹی صاحبزادی اور صاحب عبقات الانوار علامہ حامد حسین صاحب کی پوتی تھیں۔

آپ کی عمر ابھی ۱۴ سال کی تھی کہ ۱۹۴۴ء میں باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے آپ کے ماموں نصیر الملۃ و سعید الملۃ طاب ثراہما نے اپنے سایہ عاطفت میں پرورش کیا۔

ابتدائی تعلیم کا آغاز یوں ہوا کہ بسم اللہ سرکار ناصر الملۃ نے پڑھائی اور گھر پر قرآن و دینیات

[1] تقویم کے لحاظ سے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء، ۲۹ رجب ۱۳۴۸ھ کے مطابق تھی

کی تعلیم نیز اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پانچویں درجے سے شیعہ کالج میں نام لکھا گیا جہاں سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ شیعہ کالج کی تعلیم مکمل کر کے لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۹۵۲ میں بی۔اے کیا اور پھر اسی یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ قانون کی تعلیم حاصل کر کے کچھ دنوں قیصر گنج، بہرائچ اور کچھ روز لکھنؤ میں پریکٹس کی۔ مگر مجالس کی مصروفیت نے وکالت کے سلسلے کو چلنے نہ دیا۔ آخرکار اسے ترک کر دینا پڑا۔

دینی تعلیم کا سلسلہ گھر پر جاری رہا جہاں نصیر الملۃ اور سعید الملۃ طاب ثراہما نے خصوصی توجہ سے مذہبی معلومات میں اضافہ کیا نیز مولانا مرزا محمد طاہر صاحب سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ شیعہ کالج میں بھی ملا احمد حسن صاحب مرحوم سے دینیات کی تعلیم حاصل کی۔

ذاکری

ذاکری کی ابتدا جرول میں مرثیہ خوانی سے ہوئی مگر جلد ہی مرثیہ خوانی ذاکری میں تبدیل ہو گئی اور ۴۶-۱۹۴۵ء تک باقاعدہ مجلسیں پڑھنا شروع کر دیں۔ ۱۹۵۸ء میں پہلی بار عشرۂ محرم میں مومنین کے اصرار پر جرول سے باہر قدم نکالا اور پہلا عشرہ کراچی میں مارٹن روڈ کے امام باڑے میں پڑھا جو بیحد پسند کیا گیا۔ کلکتہ کے لوگوں کے اصرار پر ۱۹۶۱ سے ۱۹۸۱ تک (مسلسل بیس سال) عشرۂ محرم کلکتہ میں پڑھتے رہے۔

قومی خدمات

ابتدائے عمری سے متعدد قومی تحریکوں سے وابستہ رہے۔ مزار شہید ثالث کی تعمیر نو میں تمام و کمال سرمایہ فراہم کیا۔ مولانا سعید الملۃ کے انتقال کے بعد ان کے حسب وصیت شیعہ کالج میں خصوصی دلچسپی لی جسکے تقریباً ۱۸ سال سکریٹری رہے۔ وقف حسین آباد مبارک کی پہلی کمیٹی کے متولی رہے۔

ملک پوری نے جوادیہ کی طالب علمی کے زمانے میں مولانا ممدوح کے نام کا سج ایک قطعہ میں کہا تھا جو حسب ذیل ہے:

گلزار مصطفےٰ کا گل تر حسین ہے (دوسرا مصرعہ یاد نہیں)

فاتح ہوا یزید پہ ظاہر مگر وفا ہر قوم کہہ رہی ہے مظفر حسین ہے

(ذاتی معلومات)

مظفر حسین، سید، طاہر جرولی

۱۹۲۹/۱۳۴۸

۱۹۸۷/۱۴۰۸

جناب مظفر حسین صاحب مرحوم طاہر جرولی ۱۴ رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء[1] لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ آپ کے والد سید نظیر حسین صاحب جرول ضلع بہرائچ کے تعلقدار تھے دراصل ان کا تعلق سادات زید پور سے تھا مگر وہ مستقل طور پر اپنی ننھیال جرل میں مقیم رہے۔ طاہر صاحب کی ننھیال سادات کنتور کے ایک عظیم علمی گھرانے میں تھی آپ کی والدہ ناصر الملۃ کی چھوٹی صاحبزادی اور صاحب عبقات الانوار علامہ حامد حسین صاحب کی پوتی تھیں۔

آپ کی عمر ابھی ۱۴ سال کی تھی کہ ۱۹۴۴ء میں باپ کے سایہ سے محروم ہوگئے آپ کے ماموں نصیر الملۃ و سعید الملۃ طاب ثراہما نے اپنے سایہ عاطفت میں پرورش کیا۔

ابتدائی تعلیم کا آغاز یوں ہوا کہ بسم اللہ سرکار ناصر الملۃ نے پڑھائی اور گھر پر قرآن و دینیات

---

[1] تقویم کے لحاظ سے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء، ۲۹ رجب ۱۳۴۸ھ کے مطابق تھی

کی تعلیم نیز اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پانچویں درجے سے شیعہ کالج میں نام لکھا گیا جہاں سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ شیعہ کالج کی تعلیم مکمل کرکے لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۹۵۲ میں بی-اے کیا اور پھر اسی یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ قانون کی تعلیم حاصل کرکے کچھ دنوں قیصر گنج، بہرائچ اور کچھ روز لکھنؤ میں پریکٹس کی۔ مگر مجالس کی مصروفیت نے وکالت کے سلسلے کو چلنے نہ دیا۔ آخرکار اسے ترک کر دینا پڑا۔

دینی تعلیم کا سلسلہ گھر پر جاری رہا جہاں نصیر الملۃ اور سعید الملۃ طاب ثراہما نے خصوصی توجہ سے مذہبی معلومات میں اضافہ کیا نیز مولانا مرزا محمد طاہر صاحب سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ شیعہ کالج میں بھی ملا احمد حسن صاحب مرحوم سے دینیات کی تعلیم حاصل کی۔

ذاکری

ذاکری کی ابتدا جرول میں مرثیہ خوانی سے ہوئی مگر جلد ہی مرثیہ خوانی ذاکری میں تبدیل ہوگئی اور ۳۶-۱۹۳۵ء تک باقاعدہ مجلسیں پڑھنا شروع کر دیں۔ ۱۹۵۸ء میں پہلی بار عشرہ محرم میں مومنین کے اصرار پر جرول سے باہر قدم نکالا اور پہلا عشرہ کراچی میں مارٹن روڈ کے امامباڑے میں پڑھا جو بیحد پسند کیا گیا۔ کلکتہ کے لوگوں کے اصرار پر ۱۹۶۱ سے ۱۹۸۱ تک (مسلسل بیس سال) عشرہ محرم کلکتہ میں پڑھتے رہے۔

قومی خدمات

ابتدائے عمر ہی سے متعدد قومی تحریکوں سے وابستہ رہے۔ مزار شہید ثالث کی تعمیر نو میں تمام و کمال سرمایہ فراہم کیا۔ مولانا سعید الملۃ کے انتقال کے بعد انکے حسب وصیت شیعہ کالج میں خصوصی دلچسپی لی جسکے تقریباً ۱۸ سال سکریٹری رہے۔ وقف حسین آباد مبارک کی پہلی کمیٹی کے متولی رہے۔

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے تقریباً تین سال جنرل سکریٹری رہے اسی زمانہ میں بمبئی میں ایک عظیم اور یادگار اجلاس ۱۹۸۰ء میں منعقد کیا جو مومنین کو برسوں یاد رہیگا۔ انجمن تحفظ حسینیت کے سرگرم رکن اور ۱۹۷۶ سے تادم مرگ صدر رہے۔ شیعہ کونسل قائم کی جسکے زندگی کے آخری لمحات تک چیرمین رہے۔ وقف مزار شہید ثالث کے سکریٹری کی حیثیت سے آپکے خدمات ناقابل فراموش ہیں اسی طرح کتب خانہ ناصریہ کے بھی مہتمم ہے۔

سفر حج و زیارات

یوں تو سید مظفر حسین طاہر جرولی نے ذاکری کے سلسلہ میں ہندوستان کے گوشے گوشے کے علاوہ بیرون ملک بھی یورپ، امریکہ، افریقہ، کناڈا اور خلیجی ممالک کے متعدد سفر کئے۔ مگر مخصوص زیارات کے سفر بھی آپ نے بہت کیے۔ چنانچہ ۱۹۳۹ میں پہلی بار ایران وعراق کا سفر کیا ۱۹۶۲ میں دوسری بار ۱۹۶۶ میں تیسری بار جس میں بیت المقدس خلیل الرحمن اور شام کے زیارات بھی کئے۔ ۱۹۶۹ میں چوتھی بار ۱۹۷۶ میں پانچویں بار اور ۱۹۷۸ میں چھٹی بار سفر کربلا۔ ۱۹۸۰ میں اہلیہ کے ہمراہ ایران کا سفر کیا ۱۹۸۱ میں اہلیہ کے ہمراہ حج کیا ۱۹۸۶ میں افریقہ سے واپسی پر عمرہ کیا اور پھر حج کرنے کے بعد شام وعراق کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۹۸۷ میں اہلیہ اور دو بیٹیوں کے ہمراہ ایران تشریف لے گئے جہاں سے سفر آخرت شروع ہوگیا اور امام رضا علیہ السلام کے جوار میں ہمیشہ کیلئے مقیم ہوگئے۔

۲۰ نومبر ۱۹۸۷ء کو تحفظ و تقدس حرم کے موضوع پر ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں طاہر صاحب تہران پہونچے۔ اس کانفرنس میں عالم اسلام کے منتخب علماء کرام اور دانشوروں کو مدعو کیا گیا تھا مگر سب سے زیادہ مرحوم کی تقریر پسند کی گئی جسکے بعد ایرانی حکام نے مرحوم سے وعدہ لیا کہ ڈیڑھ ماہ بعد دوبارہ ایران تشریف لائیں۔ ہندوستانی مندوبین میں سے طاہر جرولی صاحب کو مہمان

خصوصی کا درجہ دیا گیا تھا۔ جن کے لئے سیکوریٹی کا خاص انتظام تھا اگرچہ مرحوم اسکے لئے تیار نہ تھے۔ کانفرنس کے اختتام کے بعد ۲۸ نومبر کو صبح امام خمینی سے ملاقات کی۔ ۳۰ نومبر کو صبح نو بجے سازمان تبلیغات اسلامی کے اعلی ارکین سے ملاقات ہوئی جسکے بعد وزارت خارجہ کے ڈائرکٹر نے مولانا موصوف سے ملاقات کی دوپہر بعد شاہ عبدالعظیم اور کوہ بی بی شہر بانو کی زیارت کیلئے گئے اور ۱۰ بجے رات میں واپسی ہوئی۔

یکم دسمبر ۱۹۸۷ء کو تہران سے قم جانے کی غرض سے لباس تبدیل کرنے کیلئے گئے اور واپس کمرہ میں آئے۔ بیڈ کے بجائے زمین پر بچھے قالین پر ہی لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ بدن کو حرکت دی گئی تو نہ آنکھیں کھولیں اور نہ کوئی جواب دیا موصوف ان دنوں سید محمد مہدی شرافت صاحب اناؤنسر ریڈیو تہران کے مہمان تھے انہوں نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ حرکت قلب بند ہوجانے کے باعث موت واقع ہوگئی ہے۔ اب زندہ نہیں رہے۔ تین دسمبر کو ساڑھے گیارہ بجے لاش مشہد پہونچی۔ وہاں سازمان تبلیغات اور وزارت ارشاد اسلامی کے ذمہ دار ارکین نیز دیگر حکام استقبال کیلئے موجود تھے۔ موصوف کی لاش جب بہشت امام رضا میں غسل وکفن کیلئے لائی گئی اور غسل دینا شروع کیا گیا تو غسال کو اس بات پر حیرت تھی کہ یہ پہلی میت ہے جو اڑتالیس گھنٹے گزرنے کے بعد بھی ایسا لگتا ہے کہ جیسے محو خواب ہیں۔ غسل وکفن کا خود حکومت نے انتظام کیا تھا۔ تین بجے میت صحن آزادی میں پہونچی میت کو طواف کرایا گیا۔ اسکے بعد "ایک عظیم ہستی" کے عنوان سے ایک فرد نے فارسی میں مرحوم کی شخصیت پر روشنی ڈالی اور مجمع نے حلقہ بنا کے اور سر جھکا کے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔ نماز جنازہ ادا ہوئی اور پھر صحن آزادی میں ہی مرحوم کی اہلیہ اور بچیوں نے آخری دیدار کیا پھر تین دسمبر کو غروب کا وقت آیا تو خورشید فلک اور آفتاب خطابت دونوں ایک ساتھ غروب ہوئے۔

(خطیب الایمان کے سلسلے میں چند ضروری یادداشتیں
مرتبہ: مولانا ناصر [illegible] محمد اطہر و سید محمد مہدی شرافت)

مظفر علی خاں، سید

----/----

۱۹۳۵/۱۳۵۴

سید مظفر علی خاں ابن سید خورشید علی خاں، جانسٹھ ضلع مظفر نگر کے رئیس اور صاحب فضل و کمال تھے۔ مطالعہ وسیع تھا اور تصنیف و تالیف کا ذوق تھا۔ الغرض قدیم زمانے کے روسا کی طرح دولت دنیا اور دولت علم دونوں سے مالا مال تھے۔

۱۳۵۴ھ (=۱۹۳۵ء) میں وفات پائی۔

آپ کے چند تصنیفات حسب ذیل ہیں:

(۱) سلسلۃ الذہب (سوانح حیات حضرت زینب)

(۲) سیاست حسینیہ

(۳) شریعت سہلہ

(۴) اعجاز حسینی

(۵) گنج مفضل فی ترجمۃ حدیث المفضل

(۶) نماز ابو حنیفہ

مظہر حسن، زنگی پوری

----/----

۱۹۱۱/۱۳۲۹

مولوی مظہر حسن صاحب زنگی پوری۔ آپ مٹیا برج میں مقیم رہے۔ حسن اخلاق کا اثر پورے علاقہ میں ایسا تھا کہ ۱۸ رجب ۱۳۲۹ھ کو جب آپ کا انتقال ہوا ہے۔ تو اکثر دوکانداروں نے دوکانیں نہ کھولیں۔ کتنے گھروں میں کھانا نہ پکا۔

تقویم کے لحاظ سے ۱۸ رجب ۱۳۲۹ھ ۱۵ جولائی ۱۹۱۱ء کے مطابق تھی۔

مظہر علی، سید

محمد تغلق کے عہد میں سید مسعود فوج کے سربر آوردہ سرداروں میں تھے۔ وہ جناب حسین الاصغر فرزند امام زین العابدین علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ ان کی اولاد غازی پور کی بستیوں، مثلاً پارہ، نونہرہ، دیو کھیا، زنگی پور، حسین پور وغیرہ میں موجود ہے۔ مولانا سید مظہر علی صاحب اسی نسل سے تھے جن کا وطن گنگولی ضلع غازی پور تھا۔ ان کی شادی مولانا سید محمد صاحب دیو کھیاوی (دیکھئے احوال) کی صاحبزادی، بڑی بیگم سے ہوئی تھی۔ ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے، (۱) مولانا سید ضیاء اللہ، (۲) مولانا سید علی نقی۔

آپ کی وفات فیض آباد میں ہوئی اور مولوی کی باغ میں دفن ہوئے۔

(مہدی حسن عابدی، الجواد، اگست ۱۹۸۶)

معزالدین اردستانی

----/----

بعد ۱۹۳۸/۱۰۵۸

آپ کا اصل نام محمد بن تقسیم الدین محمد تھا۔ ایران سے آکر حیدرآباد میں مقیم ہو گئے تھے۔
جہاں انھوں نے اپنے استاد، جناب محمد بن خاتون عاملی، کے حکم سے سلطان عبداللہ قطب شاہ کے نام
پر سورہ ھل اتی کی تفسیر فارسی زبان میں لکھی۔ یہ تفسیر ۱۰ اررجب ۱۰۴۳ھ کو تمام تک پہونچی اور اس کا
ایک نسخہ کتبہ آستان قدس رضوی میں ہے۔

آپ کی دوسری کتاب "ہدایۃ العالمین" ہے جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے حکم سے
۱۰۵۸ھ میں لکھی گئی۔ اس میں امیرالمومنین کی امامت کو آیات قرآنی اور ان روایات سے ثابت کیا
ہے جو متفق علیہ بین الفریقین ہیں۔ (اس ایک کتاب کو کاتبوں نے کہیں کاشف الحق لکھا ہے، کہیں
کشف الحق لکھا ہے کہیں مناقب قطب شاہی لکھا ہے اور کہیں امامت)

(طبقات اعلام الشیعہ جلد پنجم ۵۷۰)

مکرم بخت، مرزا

----/----

۱۹۲۶/۱۳۴۴

"حاجی مولوی مرزا مکرم بخت صاحب، پیش نماز چناز" کے انتقال کی اطلاع رسالہ اصلاح
ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ میں چھپی ہے۔

ممتاز حسین، سید، مظفرنگری

----/----

۱۹۸۵/۱۴۰۶

مولانا سید ممتاز حسین صاحب موضع سنبھلیرہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ مدرسۃ
الواعظین کے وائس پرنسپل تھے۔ پوری زندگی تدریس و تقریر کے ذریعہ خدمت دین انجام دی۔
۲۱ رنومبر ۱۹۸۵ء (= ۸ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ) کو اپنے وطن میں انتقال فرمایا۔

(الواعظ جلد نمبر ۹۳ نمبر ۲۔ جمادی الاخری ۱۴۰۶ھ)

منظور حسین

۱۹۳۰/۱۳۴۹

۱۹۹۹/۱۴۲۰

شیعہ نگر رجیٹی شہر غازی آباد کے مشرق میں تحصیل گڑھ مکتیسر سے تقریباً چار میل جنوب میں
ہے۔ بستی کے نام میں شیعہ نگر کا اضافہ مولانا منظور حسین نے کیا تھا۔

آپ کے والد مولوی سعید احمد صاحب عاشق اہل بیت تھے۔ مجلس اور تحت اللفظ مراثی
پڑھا کرتے تھے۔ منظور حسین ان کی بڑی اولاد تھے۔ مولانا ابن علی صاحب، واعظ منجھلی اولاد تھے اور
پروفیسر علی مصر صاحب نویں اور آخری۔

مولانا منظور حسین ۱۵ ردسمبر ۱۹۳۰ / ۲۲ ررجب ۱۳۴۹ھ کو پیدا ہوئے۔ وطن میں ابتدائی
تعلیم حاصل کرنے کے بعد سید المدارس (امروہہ) گئے۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں جامعہ ناظمیہ میں داخل ہوئے

اور ۱۹۴۵ء میں ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے سے چھ سال پہلے سے مدرسہ میں بطور مدرس بھی کام کرتے رہے تھے۔ اپنے بھائی مولانا ابن علی صاحب کو آپ ہی ناظمیہ لے گئے۔

آپ کے اساتذہ میں قابل ذکر حضرات ہیں: مفتی سید احمد علی صاحب، سید العلماء سید علی نقی صاحب، علامہ سید عدیل اختر صاحب اور مولانا سید رسول احمد صاحب۔ طاب ثراہم۔ تلامذہ میں ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب اور علامہ ذیشان حیدر جوادی قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۳ء میں آپ نے اپنے وطن میں کتاب خانہ سعیدیہ قائم کیا۔ ۱۹۵۰ء میں آپ پاکستان چلے گئے۔ اور لطیف آباد حیدر آباد کو وطن قرار دیا۔ ۱۹۵۲ء میں مولانا سید ثمر حسن صاحب زیدی کے ساتھ مل کر مدرسۃ مشارع العلوم کا قیام عمل میں لائے اور کافی عرصہ تک وہاں تدریس میں مشغول رہے۔ اس کے بعد حسینی مسجد لطیف آباد نمبر ۱۱ میں مشغول تبلیغ ہو گئے۔ آپ نے درس و تدریس کے ذریعہ بے شمار علماء و فضلاء، پروفیسروں، سرکاری افسروں اور صوبائی و مرکزی وزراء کی تربیت کی۔

مولانا غلام مہدی نجفی اور مولانا عباس علی نجفی کے اصرار پر آپ دانشگاہ جعفریہ واگھر یجی مہدی آباد (سندھ) تشریف لے گئے اور بارہ تیرہ سال تک اس دانشگاہ کے پرنسپل رہے۔ آپ انتہائی سادگی کے ساتھ رہتے تھے۔ گوشہ نشینی کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ کا شعار بیباکی و حق گوئی تھا۔ سادات کرام کی بہت عزت کرتے تھے۔ جوانوں کی تربیت اور ان کے مسائل حل کرنے میں انہماک تھا۔

علالت کی بنا پر دانش گاہ جعفریہ سے اپنے وطن حیدر آباد واپس آگئے تھے۔ ڈیڑھ دو سال علاج جاری رہا۔ آخر کار ۱۸ ر رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ / ۲۷ ر دسمبر ۱۹۹۹ء شب دوشنبہ میں تقریباً ڈھائی بجے رات کو دار بقا کی طرف کوچ کیا۔

مہتاب شاہ جعفری، سید، شیرازی

حدود ۱۲۶۹ھ / ۳-۱۸۵۲ء

۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

مولانا سید مہتاب شاہ جعفری شیرازی کے کلام فیض التزام سے متاثر ہو کر کثیر التعداد اشخاص نے مذہب حق اختیار کیا۔ مرحوم نے بہ عمر ۷۵ سال ۸ ر جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۵ ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو رحلت فرمائی۔

(الواعظ لاہور جلد نہم شمارہ نمبر ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ)

۷۵ سال کی عمر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت حدود ۱۲۶۹ھ میں ہوئی ہوگی۔

مہدی، ملا، مازندرانی

۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء

ملا مہدی ابن محمد شفیع استر آبادی مازندرانی آقا سید علی طباطبائی (صاحب ریاض المسائل) کے خاص شاگردوں میں تھے اور اجتہاد کے درجہ پر فائز تھے۔ کچھ عرصہ تک کرمانشاہ میں رہے حدود ۱۲۳۰ھ میں بعہد غازی الدین حیدر لکھنؤ آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ گوشہ عزلت و قناعت میں زندگی بسر کی اور ہمیشہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے۔ عوام الناس سے کوئی ربط نہ رکھتے تھے البتہ اہل فضل و کمال اور طلبہ سے بکمال تواضع پیش آتے تھے۔ آپ کے تصانیف زیادہ تر اصول فقہ اور فقہ کے فن میں ہیں لیکن بیشتر ناتمام رہ گئے۔ جو کتابیں مکمل ہو گئی تھیں۔ ان کے نام

حسب ذیل ہیں: (۱) قسطاس المعقول فی بیان قواعد الاصول (۲) ثمرۃ الفواد در مسئلہ ترجیح اجماع منقول اسے کرمان شاہ میں اوائل ۱۲۳۵ھ میں لکھا تھا (۳) مصداق الاجتہاد۔ اصول فقہ و حدیث و تفسیر و کلام کے مسائل میں ۱۲۳۵ھ (۴) فصل الخطاب فی حجیۃ ظواہر آیات الکتاب ۱۲۳۵ھ (۵) احسن الاقوال ۱۲۳۸ھ (۶) ہدیۃ السلطان نصیر الدین حیدر شاہ کیلئے لکھنؤ میں ۱۲۴۳ھ میں لکھا (۷) غرۃ الحسین در احکام نماز پنجگانہ۔ نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان کیلئے تصنیف کیا۔ (۸) ۱۲۴۳ھ میں نصیر الدین حیدر شاہ کی والدہ بادشاہ بیگم کی فرمائش پر بحار الانوار کی جلد ہشتم کا ترجمہ بہ نام مجاری الانہار شروع کیا لیکن صرف باب اول و دوم کا ترجمہ پورا ہوسکا۔ (۹) رسالۂ مہارت در احکام طہارت (۱۰) رسالۂ ممتاز در مسائل نماز ۱۲۴۳ھ (۱۱) رسالہ استحکام در مسائل صیام (۱۲) رسالۂ کنوز در نمازہائے نوافل۔ وغیرہ۔

آپ نے ماہ ذیقعدہ ۱۲۵۹ھ (=۱۸۴۳ء) میں لکھنؤ میں رحلت فرمائی اور غفران مآب کے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔

(نجوم السماء جلد اول ۳۹۷-۳۹۵)

مہدی حسن، خواجہ، حافظ

----/----

۱۳۳۵/۱۹۲۷

حافظ خواجہ مہدی حسن صاحب کیرانہ ضلع مظفرنگر میں پیشنماز تھے۔ مولانا نے ۳۲-۳۰ سال کی عمر میں ۹ ذیقعدہ ۱۳۴۵ / ۱۱ مئی ۱۹۲۷ء کو رحلت فرمائی۔

(الواعظ جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۵)

مہدی حسن، شیخ، ناصری

----/----

۱۳۴۹/۱۹۳۱

مولوی شیخ مہدی حسن صاحب ناصری ملا فاضل اور ایم اے تھے۔ مرحوم کو اردو، فارسی، عربی، ایرانی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ پہلے میور کالج میں پروفیسر رہے اور بعد میں گورنمنٹ اسکول علیگڑھ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۴۹ (=۱۲ مئی ۱۹۳۱) کو رحلت فرمائی۔

(اصلاح جلد نمبر ۹ ۳ نمبر ۱ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ)

میر حسن گل، سید

حدود ۱۳۱۸ / ۱۹۰۰

حدود ۱۳۹۸ / ۱۹۷۸

مولوی سید میر حسن گل موضع حسن خیل بنگی کے رہنے والے تھے۔ آپ نے اپنے عہد کے علوم متداولہ کی تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ اس کے بعد علماء کی صحبت میں رہ کر آپ ایک جید عالم کے درجہ پر پہنچ گئے۔ آپ کے وعظ و نصیحت سے مومنین بنگش کافی عرصہ تک مستفیض ہوتے رہے۔ علاقہ بنگش کے مولوی صاحبان آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے فیض پاتے اور آپ کی صحبت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ آپ کو فقہ جعفریہ میں کافی مہارت حاصل تھی۔

آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ کئی شاگرد چھوڑ گئے۔

(پیام عمل، لاہور، ستمبر ۱۹۷۸)

نادر حسین، لکھنوی

---/---

بعد ۱۳۱۲/۱۸۹۵

مولوی نادر حسین ابن شیخ الٰہی بخش لکھنو کے رہنے والے تھے۔ عربی صرف ونحو کے ماہر تھے۔ اردو میں "شرح المیزان" لکھی تھی۔ نیز صرف میر کی شرح اردو میں سوال وجواب کے عنوان سے لکھکر سرکار میرزا شیرازی اعلی اللہ مقامہ کی خدمت میں سامرہ بھیجی تھی جوان مرحوم کی وفات کے چند دنوں بعد وہاں پہنچی۔ (سرکار میرزا شیرازی کی وفات ۱۳۱۲ میں ہوئی تھی)

(الذریعہ جلد ۱۳ ص ۹۷)

ناصر حسین، فیض آبادی

---/---

۱۳۱۵/۱۹۹۵

مولانا ناصر حسین صاحب ۱۹۴۷ء میں فیض آباد (ہندوستان) سے ہجرت کر کے نارووال تشریف لے گئے اور وہیں متوطن ہوئے۔ آپ ایک ممتاز بے باک، صاف گو، عالم دین تھے۔ موصوف نے شیعہ یتیم خانہ بنوایا۔ نیز نیوجرسی (امریکہ) میں امام بارگاہ کی بنیاد رکھی جو اب تک رواں دواں ہے۔ ماہنامہ پیام عمل (لاہور) کے سرپرست تھے۔

آپ نے ۳رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ/ ۴رفروری ۱۹۹۵ کو رحلت فرمائی اور لنگر خانہ حسینیہ سجادیہ نارووال میں سپرد خاک کئے گئے۔

(الواعظ شوال ۱۳۱۵)

ناصر حسین، سید، جونپوری

---/---

۱۳۱۳/۱۸۹۵

مولانا سید ناصر حسین صاحب جناب مولانا سید مظفر حسین ابن سید غلام حسین کے منجھلے بیٹے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب سات واسطوں کے بعد ملا حفیظا تک پہنچتا ہے (دیکھئے احوال)

آپ نے صرف ونحو اور تھوڑے معقولات حضرت ملا سخاوت علی صاحب سے پڑھے۔ بعد ازاں علامہ عبدالسلیم فرنگی محلی سے معقولات کی تکمیل کی۔ علوم فقہ وحدیث وکلام مولانا گلشن علی کنگانوی سے حاصل کئے اور فقہ واصول فقہ کے اعلی مدارج جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب کے ذریعے طے کئے۔ اس کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔

آپ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور عتبات عالیات کی زیارتوں سے مشرف ہوئے۔

تصانیف

(۱) علم الادب فی محاورات العرب (عربی) (۲) رشق الجنان در مناظرہ حدوث وتحریف قرآن (۳) رسالہ میلاد شریف (اردو) (۴) رسالہ آیۂ تطہیر (اردو) (۵) رسالہ اکبر آباد در نجاست کفار (فارسی) (۶) کتاب مبسوط در مصائب وفضائل ائمۂ اطہار (اردو) (۷) رسالہ ردِ اخبار (اردو)

آپ لاولد تھے۔ انتقال جونپور میں ۱۳۱۳ میں ہوا اور مفتی محلہ بزرگوں کے جوار میں دفن ہیں۔ قبر کے سرہانے جو پتھر لگا ہوا ہے اس پر عربی میں تین قطعات تاریخ کندہ ہیں۔

(تاریخ سلاطین شرقی وصوفیائے جونپور ۱۹۹۳)

نثار احمد، کان پور

الواعظ (ماہ نومبر ۱۹۲۵ء) میں اترولہ ضلع گونڈہ کے ایک تبلیغی جلسہ اور مجالس کی رپورٹ چھپی ہے جس میں مولانا لقا علی حیدری بدایونی شریک تھے۔ اسی میں "مولانا نثار احمد صاحب کان پور" کا ذکر ہے۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

نجم الحسن، سید، کراروی

----/----

۱۹۸۲/۱۴۰۲

مولانا سید نجم الحسن کراروی ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ صدر الافاضل کرنے کے بعد آپ نے مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لیا۔ جہاں سے فارغ ہو کر آپ بہار اور دوسرے صوبوں میں تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ حدود ۱۹۲۳ء میں رسالہ الواعظ کی ادارت آپ کو سونپی گئی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ پشاور چلے گئے جہاں فرائض محراب و منبر کی بجا آوری کے علاوہ ایک اہم مذہبی جریدہ "شہاب ثاقب" نکالنا شروع کیا۔

پاکستان کی متعدد قومی تنظیموں کے رکن ہونے کے علاوہ آپ حکومت پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی ممبر تھے۔ پاکستان مجلس علمائے شیعہ کے ناظم اعلیٰ تھے۔ نیز حج کمیٹی کے ممبر تھے۔

تصانیف

(۱) ذکر العباس (۲) چودہ ستارے (۳) بہتر تارے (۴) تاریخ اسلام (۵) مختار آل محمد وغیرہ

۹ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ/ یکم جولائی ۱۹۸۲ء کو پشاور میں رحلت فرمائی۔

(الواعظ جلد ۵۹ نمبر ۹۔۱۰ اگست، ستمبر ۱۹۸۲ء)

نذر حسن، سید، گوپال پوری

۱۹۰۲/۱۳۲۰

۱۹۸۳/۱۴۰۳

مولوی سید نذر حسن صاحب ابن سید محمد جعفر صاحب کی ولادت ۱۹۰۲ء (۱۳۲۰ھ) میں وطن مالوف گوپال پور (ضلع سیوان) میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم مولانا سید ناظر حسن صاحب گوپال پوری (مدرس اعلیٰ مدرسہ ایمانیہ بنارس) کی نگرانی میں ہوئی اور الہ آباد بورڈ کی سندیں مولوی، عالم اور فاضل وہیں سے حاصل کیں۔ بعدہٗ سلطان المدارس گئے جہاں سند الافاضل تک پڑھا۔

ایک عرصہ دراز تک گوریا کوٹھی ہائی اسکول (ضلع سارن) میں ہیڈ مولوی رہے۔ اس کے بعد وطن سے قریب حسین گنج ہائر سکنڈری اسکول میں ہیڈ مولوی ہوئے۔ اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ اسکول سے ریٹائر ہونے کے بعد مدرسہ اسلامیہ (کجھوہ ضلع سیوان) میں بحیثیت مدرس اعلیٰ رحلت سے کچھ ماہ قبل تک خدمات انجام دیئے اور مدرسہ کے نشاۃ ثانیہ میں اہم رول ادا کیا۔

آپ کے مضامین سالہا سال تک ہندوستان و پاکستان کے قومی اخبارات و رسائل میں

چھپتے رہے۔ درجنوں درسی کتابیں لکھیں۔ کچھ مذہبی تصنیفات لاہور کے ادارۂ معارف اسلام اور دہ ہیں کے امامیہ مشن کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔

آپ نے ۸ رجون ۱۹۸۳ء (۲۶ رشعبان ۱۴۰۳ھ) کو اپنے وطن میں رحلت فرمائی۔

(ذاتی معلومات)

نسیم حسن، امروہوی

آپ مولانا اعجاز حسین امروہوی کے صاحبزادے تھے۔

آپ کے پانچ تصنیفات کا ذکر میں نے الذریعہ کی مختلف جلدوں میں دیکھا ہے:-

۱- ازالۃ الغرور۔ بعض علمائے اہل سنت کے زبانی اعتراضات کا جواب

۲- تائید الاسلام

۳- زبردست خلافت۔ ایک مصنف کے جواب میں جس نے یزید کو خلیفۂ برحق گردانتے ہوئے قتل امام کو جائز لکھا تھا۔

۴- خبیث الاقران

۵- ترجمہ معیار الفضائل۔ اصل کتاب آپ کے والد ماجد کی تصنیف ہے۔

نصیر حسین۔ خیالؔ

۱۳۵۳/ ۱۹۳۴

نواب سید نصیر حسین خیالؔ شاد عظیم آبادی کے بھانجے تھے۔ عظیم آباد کے رؤسا میں شمار تھا۔ ادبی دنیا میں ان کا نام آج بھی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ ۱۳۴۷ء/ (۲۹-۱۹۲۸ء) میں ریاست خیرپور سندھ کے چیف سکریٹری مقرر ہوئے۔ "اعلیٰ تعلیم یافتہ، روشن خیال، ماہر سیاسیات اور قوم و ملت کے بڑے خادم اور بہی خواہ" تھے۔

تصانیف میں زبان اردو کی مفصل تاریخ "روداد اردو" مطبوعہ ہے۔

آپ نے ۱۱ ردسمبر ۱۹۳۴ء (= ۴ ررمضان ۱۳۵۳) کو علیگڑھ میں انتقال فرمایا۔ "آپ مختلف اوصاف حمیدہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ مذہب و ملت کی خاموش حمایت بہت سرگرمی سے کرتے تھے۔"

(اصلاح رمضان ۵۳ھ و شوال ۵۳ھ)

نظام الدین احمد

----/----

۱۰۵۹/ ۱۶۴۹

نظام الدین احمد گیلانی، میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۰ھ) کے شاگرد تھے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دور میں (۱۰۸۳-۱۰۳۵) حیدرآباد آئے۔ آپ کا انتقال ۱۰۵۹ میں حیدرآباد میں

چھپتے رہے۔ درجنوں درسی کتابیں لکھیں۔ کچھ مذہبی تصنیفات لاہور کے ادارۂ معارف اسلام اور دوہیں کے امامیہ مشن کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔

آپ نے ۸ رجون ۱۹۸۳ء (۲۶ رشعبان ۱۴۰۳ھ) کو اپنے وطن میں رحلت فرمائی۔

(ذاتی معلومات)

نسیم حسن، امروہوی

آپ مولانا اعجاز حسین امروہوی کے صاحبزادے تھے۔

آپ کے پانچ تصنیفات کا ذکر میں نے الذریعہ کی مختلف جلدوں میں دیکھا ہے:-

۱- ازالۃ الغرور۔ بعض علمائے اہل سنت کے زبانی اعتراضات کا جواب

۲- تائید الاسلام

۳- زبردست خلافت۔ ایک مصنف کے جواب میں جس نے یزید کو خلیفۂ برحق گردانتے ہوئے قتل امام کو جائز لکھا تھا۔

۴- تثبیت الاقران

۵- ترجمہ معیار الفضائل۔ اصل کتاب آپ کے والد ماجد کی تصنیف ہے۔

نصیر حسین۔ خیالؔ

—/۱۳۵۳ /۱۹۳۴

نواب سید نصیر حسین خیالؔ شادؔ عظیم آبادی کے بھانجے تھے۔ عظیم آباد کے رؤسا میں شمار تھا۔ ادبی دنیا میں ان کا نام آج بھی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ ۱۳۴۷ (۲۹-۱۹۲۸ء) میں ریاست خیر پور سندھ کے چیف سکریٹری مقرر ہوئے۔ "اعلیٰ تعلیم یافتہ، روشن خیال، ماہر سیاسیات اور قوم وملت کے بڑے خادم اور بہی خواہ" تھے۔

تصانیف میں زبان اردو کی مفصل تاریخ "روداد اردو" مطبوعہ ہے۔

آپ نے ۱۱ دسمبر ۱۹۳۴ (= ۴ رمضان ۱۳۵۳) کو علیگڑھ میں انتقال فرمایا۔ "آپ مختلف اوصاف حمیدہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ مذہب وملت کی خاموش حمایت بہت سرگرمی سے کرتے تھے۔"

(اصلاح رمضان ۱۳۵۳ و شوال ۱۳۵۳)

نظام الدین احمد

----/----

۱۶۴۹/۱۰۵۹

نظام الدین احمد گیلانی، میر باقر داماد (متوفی ۱۰۴۰ھ) کے شاگرد تھے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دور میں (۱۰۸۳-۱۰۳۵) حیدر آباد آئے۔ آپ کا انتقال ۱۰۵۹ میں حیدر آباد میں

ہوں آپ ماہر طبیب تھے جیسا کہ آپ کے تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے۔

ان کے تصنیفات میں: (۱) اسرار الاطباء اور (۲) طب فارسی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک ۱۰۲ (ایک سو دو) رسالوں کا مجموعہ ہے جس کا نام انھوں نے "شجرۂ دانش" رکھا۔ اس میں تمام مروجہ علوم کے رسالے ہیں۔ مثلاً طبعیات، طب، فلسفہ، کلام، عقائد، تفسیر، اخلاق، ادب، منطق، موسیقی، فقہ، تاریخ ملوک، تذکرۂ علماء وغیرہ۔ ان کے علاوہ علوم غریبہ میں اور مومیائی کے بیان میں بھی رسالے ہیں۔ اسی (۸۰) سے زیادہ رسالے خود ان کی تصنیف ہیں، باقی کو دوسروں کی کتابوں سے منتخب کیا ہے۔

۲۳۹ صفحہ کا یہ مجموعہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ بعض رسالے خود ان کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔ حکیم سید حسین نے اول کتاب میں ان کے حالات تحریر کئے ہیں۔

(الذریعہ جلد ۲۳)

سید نیاز حسن برتی حیدرآبادی

صدود ۱۲۳۹ھ / ۲-۱۸۲۳ء

۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء

مولوی سید نیاز حسن بن سید غلام حسین صاحب برست ضلع کرنال (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ آپ نے اپنا مختصر حال مثنوی حدیقۃ الایمان میں یوں لکھا ہے

عرض کرتا ہے اب نیاز حسن — خدمت مومنیں میں تازہ سخن
اصل ہے باہرہ وطن میرا — علم تحصیل لکھنؤ میں کیا

علماء سے وہاں پڑھا معقول — علم منقول بھی کیا ہے حصول
جن کا میرن لقب تھا نام حسین — مجتہد، مجتہد کے نورالعین
شہرہ ان کا عرب تلک پہونچا — تھے وہ مشہور سید العلماء
لکھنؤ کے تھے آفتاب وہی — مجتہدوں کے تھے جناب وہی
ان سے حاصل کیا ہے فقہ و اصول — ہم حدیث و کلام و ہم معقول
بعد تحصیل علم کرکے سفر — پہونچا بہر زیارت حیدر
کربلا کا ظمین سامرہ — للہ الحمد ہر جگہ میں گیا

علل محدود میں جناب مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنے تلامذہ میں بھی لکھا ہے۔ سفر عراق میں جناب شیخ زین العابدین مازندرانی اور جناب مرزا علی نقی طباطبائی سے فقہ و اصول کی تکمیل کی اور ان حضرات نے اجازات مرحمت فرمائے۔

سفر کربلا سے جب کہ پھرا — قصد میں نے طرف دکن کے کیا
حیدرآباد میں جو میں آیا — خلق یاں کے شریفوں میں پایا
دیکھی غربت مزاج میں سب کے — اور مروت مزاج میں سب کے

تیرہویں صدی کے غالباً ساتویں عشرہ میں آپ دکن میں وارد ہوئے تو یہاں آپ کے فضل و کمال کا شہرہ ہوگیا۔ نواب مختار الملک سر سالار جنگ اول نے بڑی عزت افزائی کی۔

مدح لازم ہے اپنے محسن کی — اپنے مولا علی کا ہے جو کی
ہے سراج زماں وہ ماہ منیر — ہے وہ مختار ملک شہ کا وزیر
میر عالم نواز وہ سالار — مثل مختار قاتل کفار
بوتر ابی ہے وہ تراب علی — خاک پائے علی و آل نبی

سرکار نظام سے منصب ملا۔ ایک عالی شان مسجد بنوائی جس میں حوض، کنواں، زنانی مسجد اور کوٹھریاں تھیں کہ مومنین قیام کریں، اس مسجد کا قطعہ تاریخ حسن علی خاں افسر شاگرد میاں عشق نے لکھا جس کا بیت تاریخ یہ ہے

تو سجدۂ شکر کرکے افسر   یہ لکھ دے کہ خانہ خدا ہے

(۱۳۰۱ھ)

کسی دوسرے شاعر نے یہ مادہ تاریخ نکالا

الحق بنایا دوسرا کعبہ خلیل نے

(۱۳۰۱ھ)

اس مسجد میں ماہ صیام میں بہت بڑے مجمع میں تین تین گھنٹے موعظہ بیان فرماتے۔

نظام دکن نے ایک کمیٹی مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے بنائی جس میں ایک ہندو، ایک سنی اور ایک شیعہ عالم مقرر کیا تو اس میں آپ کو منتخب کیا لیکن آپ نے چند ماہ بعد استعفا دیدیا۔

آپ نے اٹھارہ حج کئے۔ انتیس مرتبہ عراق کی اور سات مرتبہ مشہد مقدس کی زیارتیں کیں۔

آٹھویں مرتبہ مشہد مقدس کی زیارت کو جارہے تھے کہ سکھر میں تقریباً ۱۳۱۰ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ کا جنازہ امانت رکھا گیا اور تقریباً دو سال بعد کربلائے معلی میں لے جا کر دفن کئے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ حدود ۱۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

اولاد

سید بندہ حسن، سید ابوالحسن، سید عبدالرسول المعروف بہ منے آغا سید محمد رضا، یہ چاروں عالم تھے اور ان کے حالات اپنی جگہوں پر درج ہیں۔

تلامذہ

مولوی مہدی خاں صاحب حیدرآبادی، مولوی سید فیض الحسن صاحب مترجم تبصرۃ المتعلمین (مطبوعہ)، مولوی سید اکابر حسین صاحب (جو مولانا کے داروغہ بھی تھے) مولوی صادق علی صاحب، مولوی کاظم علی صاحب امام جمعہ حیدرآباد۔

تالیفات

حدیقۃ الایمان (مثنوی مطبوعہ) حلیۃ العباد ترجمہ زینۃ العباد مع اجازات (مطبوعہ)

(تذکرۂ بے بہا، مطلع انوار)

وارث حسین، سید

ع ۱۳۲۲/۱۹۰۳

۱۴۱۶/۱۹۹۶

الحاج مولانا سید وارث حسین مرحوم ابن سید غلام رضا مرحوم اپنے آبائی وطن موضع چک حسن نگرہ ضلع مظفر پور بہار میں مورخہ ۲۵ رجنوری ۱۹۰۳ میں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کجھوہ ضلع سیوان سے حاصل کی بعدہٗ مدرسہ عباسیہ پٹنہ سے ملا و مولوی کا امتحان پاس کیا جسکے بعد مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ سے ۱۹۳۲ء میں عالم کی سند حاصل کی۔ چونکہ اپنی بڑی بہن کے ساتھ بھیک پور ضلع سیوان میں مستقل رہا کرتے تھے۔ اسلئے اس بستی کے جید عالم بزرگ مولانا سید نظر حسین صاحب کی ترغیب سے ۱۹۳۴ء میں سلطان المدارس لکھنؤ میں داخلہ لیکر ۱۹۳۶ء میں صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔ اسی درمیان تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے علم طب کی بھی سند حاصل کی۔

۱۹۳۳ء میں علی نگر پالی میں امام جمعہ والجماعات کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔

۱۹۵۶ء میں انگلش۔ ایل۔ ایم۔ ایس کی سند حاصل کی اور پالی میں مطب قائم کیا۔ نواب سید علی سجاد مرحوم متولی امام باندی بیگم وقف گلزار باغ پٹنہ کی خواہش پر ۲۳ برسوں کے قیام کے بعد ۱۹۵۶ء میں علی نگر پالی کو خیر باد کہا اور گلزار باغ پٹنہ میں امام جماعت کے طور پر مامور ہوئے۔ بعدہ شیعہ جامع مسجد مراد پور میں امام جمعہ کے فرائض بھی انجام دیتے رہے جو تا حیات قائم رہا۔ ۱۹۷۰ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ جہاں سے واپسی پر مدرسہ سلیمانیہ سے بحیثیت مدرس منسلک ہوئے۔ مدرسہ کی مالی مشکلات کو دور کیا۔ اور کارپوریشن کے ٹیکس کی کثیر رقم کو عوامی تعاون سے ادا کیا۔ تا حیات مدرسہ کی بقا کیلئے کوشاں رہے۔

وفات: ایک طویل علالت کے بعد بالآخر ۹۲ سال کی عمر میں ۲۱ر شعبان ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۳ جنوری ۱۹۹۲ء بروز شنبہ دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی۔

(کتابچہ وارث الجنان و سید امانت حسین)

وجاہت حسین، سید

----/----

۱۹۲۶/۱۳۴۴

مولوی سید وجاہت حسین صاحب خاندان اجتہاد کے رکن اور مولوی سید سخاوت حسین صاحب (مرحوم) کے صاحبزادے تھے۔ علم اور خطابت میں شہرت تھی۔ جواں عمری میں دفعتاً انتقال کیا۔

(اصلاح جلد نمبر ۹ و نمبر ۶ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ)

وجیہ الحسن پاردی

جناب مولانا سید وجیہ الحسن صاحب مرحوم پارہ ضلع غازی پور کے باشندے تھے۔ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ کو لکھنؤ کے یتیم خانہ میں داخل کر دیا گیا۔ پھر دینی مدارس سے دینی علوم کی تحصیل کے مدارج طے کئے اور دینی خدمات میں مشغول ہوئے۔ آخر میں کلکتہ میں پیش نماز اور عالم کی حیثیت سے آخر حیات تک خدمات انجام دیئے۔

وزیر حسن، سید

----/----

۱۹۷۸/۱۳۹۹

مولانا سید وزیر حسن صاحب مچھلی گاؤں (ضلع فیض آباد) کے باشندے تھے اور وہیں آپ کی پیدائش ہوئی تھی۔ مطلع انوار میں آپ کا تعلق ضلع غازی پور سے بتایا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ آپ نے جامع العلوم جوادیہ (بنارس) میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۲ء میں فخر الافاضل ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے مدرسۃ الواعظین میں داخلہ لیا اور وہاں سے فارغ ہوکر مدرسہ کی طرف سے تبلیغی خدمات انجام دیئے۔ آپ ایک کامیاب مبلغ تھے اور خطابت کا انداز دل نشین تھا۔ مدرسۃ الواعظین کی مدت ختم کر کے آپ ریاست محمود آباد سے منسلک رہے۔ پھر مدرسۃ الواعظین کے وائس پرنسپل ہوئے۔ اس کے بعد بعراوی مسجد (کلکتہ) میں امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ ابھی وہیں تھے کہ خوجہ شیعہ اثنا عشری جماعت (بمبئی) نے انھیں خدمات کیلئے آپ کو بلا لیا۔

اپنے منجھلے صاحبزادے کی تقریب کے سلسلے میں وطن آئے ہوئے تھے کہ ۳۰ مارچ ۱۹۷۸ء (= ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ) کو اچانک سفر آخرت اختیار فرمایا۔ مرحوم کے محاسن اخلاق اور دینی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔

(الجواد جلد نمبر ۹ و نمبر ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ اپریل ۱۹۷۸ء)

وصی محمد، سید ضیاء الملۃ، فیض آبادی

۱۹۱۰/۱۳۲۸ء

۱۹۸۶/۱۴۰۶

مولانا سید وصی محمد صاحب ۱۹۱۰ء (=۱۳۲۸ھ) میں شہر فیض آباد میں متولد ہوئے آپ کے والد ماجد مولوی سید علی محمد صاحب مولانا سید ضیاء اللہ (دیکھئے احوال) کے فرزند تھے بڑے ہی عبادت گزار اور بڑے ہی حلیم و بردبار تھے۔ مولانا وصی محمد صاحب نے ابتدائی تعلیم وثیقہ اسکول فیض آباد میں حاصل کی پھر اپنے بڑے بھائی مولوی سید نجم الحسن صاحب کے پاس بدایوں تشریف لے گئے۔ بھائی نے آپ کو سید المدارس (امروہہ) میں داخل کر دیا جہاں مولانا سید محمد امروہوی (دیکھئے احوال) مدرس اعلیٰ تھے مولانا امروہہ سے واپس آ کر دوبارہ وثیقہ اسکول میں داخل ہوئے اور عربک اینڈ پرشین ایگزامنیشن بورڈ یوپی (الہ آباد) کے امتحانات پاس کر کے سلطان المدارس میں داخل ہوئے جامعہ سلطانیہ سے فارغ ہو کر آپ عراق تشریف لے گئے۔ اور تین برس تک تحصیل کے بعد اجازات لیکر واپس آئے۔

ایک عرصہ تک بدایوں میں امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے مقیم رہے۔ اسکے بعد غازی پور میں چند سال امام جمعہ و جماعت کی حیثیت سے گزارے۔ راقم الحروف کو پہلے پہل وہیں آپ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا ظفر الحسن صاحب نے ان کو جوادیہ عربی کالج میں بحیثیت مدرس بلا لیا۔ اور کچھ ماہ کیلئے مولانا ظفر الحسن صاحب مدرسہ ناصریہ (جونپور) کے پرنسپل ہوگئے۔ جب سرکار ظفر الملۃ بنارس واپس آئے تو مولانا وصی محمد صاحب ناصریہ کے پرنسپل ہوگئے۔ جب مولانا سعادت حسین خان (جو سالہا سال تک وثیقہ اسکول فیض آباد کے پرنسپل رہے) فیض آباد سے لکھنؤ منتقل ہوگئے تو مولانا وصی محمد صاحب ان کی جگہ پر پرنسپل مقرر ہوئے۔ اب وہ وطن

میں رہ کر درس و تدریس کے مشاغل میں لگ گئے۔ اور مختلف قسم کی دینی خدمات اور شرعی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں منہمک ہوگئے۔ اپنے قیام کے دوران فیض آباد کی ایک قدیم اور نہایت ہی مقبول (کمرخ کی) درگاہ کی از سر نو تعمیر کرائی۔ اور حضرت ابو الفضل العباس کا نہایت ہی خوبصورت روضہ بنوایا۔ جب آپ وثیقہ اسکول سے ریٹائر ہوئے تو مولانا سید ابن حسن صاحب نونہروی نے آپ کو مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں وائس پرنسپل کی حیثیت سے بلوا لیا۔ اور علامہ نونہروی کے انتقال کے بعد وہ ۱۹۸۰ء میں اسکے پرنسپل مقرر کر دیے گئے۔

اخلاق حسنہ

علم کے ساتھ حلم، سخاوت بے حد ایثار، علم میں لاجواب، ذاکری میں بے مثل، بیانات نہایت علمی و تحقیقی، سادگی، تقوی، ورع، صلہ رحم، حکمت، تدبر، شاعری، حاضر جوابی، حسن سماعت، اور باذوق ادبیت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ صفات آپ ہی کیلئے وضع کئے گئے ہیں۔

انکسار اور تواضع کی تصویر اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ فیض آباد میں ایک جگہ سالانہ مجلس تھی۔ بانیان مجلس میں سے ایک بھائی نے سرکار ضیاء الملۃ سے ذاکری کا وعدہ لیا اور دوسرے بھائی نے ایک دوسرے صاحب سے وعدہ لے لیا۔ سرکار ضیاء الملۃ ذاکری فرما رہے تھے کہ دوسرے صاحب بھی تشریف لے آئے اور بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر فرمایا۔ جناب اس مجلس کا مجھ سے وعدہ ہوا ہے۔ جناب نے جیسے ہی سنا فوراً منبر سے اتر آئے اور خود ہی فرمایا۔ بسم اللہ۔ آپ مجلس فرمائیں۔ وہ صاحب منبر پر تشریف لے گئے اور پوری مجلس پڑھی۔ اور جناب مرحوم پوری مجلس زیر منبر بیٹھے رہے اور کسی سے کوئی شکایت بھی نہیں کی۔ حالانکہ دوسرے ذاکر عامی تھے۔

ایثار

چونکہ وثیقہ اسکول میں عمومی چندہ نہیں ہوتا تھا بلکہ وقف بہو بیگم سے جو سہ ماہی حکومت ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے کے لحاظ سے جو رقم معین تھی اس ارزانی کے زمانے میں کافی ہو جاتی تھی۔ لیکن اس گرانی کے زمانے میں نہ ہونے کے برابر تھی۔ اسلئے مصارف دارالاقامہ، طلباء کے قیام و طعام کے اخراجات آپ اپنی خود جیب خاص سے ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دوکاندار کا قرض کافی ہو گیا تھا کہ دوکاندار نے سختی سے تقاضہ کیا اور صاف کہہ دیا کہ پہلے مکمل قرض ادا کر دیجئے تب نیا قرض دیا جائیگا۔ جناب مرحوم کیلئے بڑا مشکل مرحلہ آ گیا تھا جب کوئی صورت ادائیگی قرض کی ممکن نہ ہوئی تو گھر کے زیورات فروخت کر کے قرض ادا کر دیا۔

طلبہ سے محبت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دیکھتے تھے اگر کسی طالب علم کے پاس لحاف نہیں ہوتا تو اپنی عبا اوڑھا دیتے تھے۔ اکثر بازار سے طلباء کے کھانے کیلئے خود ہی سبزی وغیرہ خریدنے کیلئے جایا کرتے تھے اور کسی پر ظاہر بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔

علالت اور وفات

رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ کے غالباً تیسری تاریخ تھی کہ مولانا وصی محمد صاحب نے ایران کا سفر کیا اور تقریباً ایک ماہ کے قیام کے بعد ۶ جولائی ۱۹۸۳ء کو جب ایران سے واپسی کیلئے روانہ ہوئے تو انکی طبیعت بہت خراب تھی۔ ہوائی جہاز پر بیماری اور بڑھ گئی۔ مولانا روشن علی صاحب مرحوم (پرنسپل منصبیہ کالج میرٹھ) ہمراہ تھے انہوں نے ہوائی جہاز کے عملے کی مدد سے مولانا کو ہوائی جہاز سے اتارا اسلئے کہ انکے پیروں میں چلنے کی قوت نہیں تھی اور داہنی جانب فالج کا اثر ہو گیا تھا۔ رات کو مولانا روشن علی صاحب اپنے کسی عزیز یا دوست کے گھر لے گئے اور دوسرے دن مولانا سید شمیم

عالم صاحب امام جماعت امامیہ مسجد بمبئی کو خبر دی۔ انہوں نے مولانا کو بمبئی کے حبیب اسپتال میں داخل کر دیا۔

تقریباً ۳ سال تک مولانا بمبئی، فیض آباد، اور بنارس کے ڈاکٹروں اور میڈیکل کالجوں میں زیر علاج رہے۔ مئی ۱۹۸۵ء میں مولانا گر پڑے اور انکی بصارت بھی جاتی رہی۔ آخر بنارس میں ۱۴ جون ۱۹۸۶ء یوم شنبہ ساڑھے پانچ بجے شام گویا آفتاب علم و عمل غروب ہو گیا۔ لاش فیض آباد لے جائی گئی اور ۱۵ جون کو سپرد لحد کر دیا گیا۔

نوٹ

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ مولانا مرحوم کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سید بدرالحسن عابدی کے مضمون (ماہنامہ الجواد، اگست ۱۹۸۶) سے ماخوذ ہے۔

اس کے بعد راقم الحروف کی کچھ یادداشتیں درج کی جاتی ہیں۔

یادداشتیں

مولانا نے ساری عمر مدارس دینیہ کی خدمت میں گزاری۔ ذاکری میں آپ کا رنگ منفرد تھا اور نکات علمیہ کا دریا بہا دیتے تھے۔ تصنیف و تالیف کے علاوہ شعر و شاعری کا اعلی ذوق تھا۔ لیکن یہ ذوق صرف مداحی اہلبیت میں صرف ہوتا تھا۔ رسالہ الجواد بنارس میں علامہ فلکی، عاصی فیض آبادی، ضیاء الملۃ اور ضیاء العلماء اور ضیا حسینی کے ناموں سے آپکے مقالے چھپتے رہے۔ تصنیفات میں الرضیع الفطامی (پیاسا شیر خوار) اور ضیاء الغدیر مطبوعہ ہیں۔ غیر مطبوعہ ذخیرہ مدون کیلئے کسی صاحب ذوق کا منتظر ہے۔ مولانا نے بے شمار مسجدیں، امام باڑے اور مومنین کے مکانات تعمیر کرائے۔ یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتے رہے۔ قوم کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا۔ بہت سی لڑکیوں کی شادی کا

بندوبست کیا۔ سادگی، تقویٰ، ورع، صلۂ رحم، حکمت اور تدبر میں اپنی نظیر آپ تھے۔

راقم الحروف کو ان کی خدمت میں اسوقت سے نیاز حاصل تھا جب وہ غازی پور میں مقیم تھے۔ اور میں جوادیہ کا طالب علم تھا۔ آخری ملاقات مولانا ظفر الحسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کے دیسہ کی مجلس میں ہوئی تھی۔

ولایت علی، اکبرپوری

مولوی ولایت علی صاحب ابن غلام رسول صاحب اکبر پور (ضلع فیض آباد) کے رہنے والے تھے۔ آپ نے مولوی عبدالحی کی کتاب صراط مستقیم کے بعض فصلوں کی رد میں "سیف حیدری" لکھی جس میں سید الشہداؑ کی ضریح کا بوسہ لینے کا جواز ثابت کیا ہے۔ الذریعہ میں یہ معلومات کشف الحجب سے نقل کی گئی ہیں۔

یوسف حسین، امروہوی

۱۸۸۵/۱۳۰۲
۱۹۳۳/۱۳۵۲

مولانا سید یوسف حسین صاحب مجتہد جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب امروہوی کے صاحبزادے تھے۔ آپ ۱۸ر رجب ۱۳۰۲ھ (= ۳رمئی ۱۸۸۵ء) کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اعلیٰ درجے کے مدرس اور مشہور فضلائے امروہہ میں تھے۔ آپ نے کتب درسیہ اپنے والد ماجد اور مولوی محمد امین صاحب شاہ آبادی (حنفی المسلک) سے پڑھی تھیں۔ ۱۳۲۴ھ میں بغرض

تعلیم عراق تشریف لے گئے اور آٹھ سال وہاں رہ کر ۱۳۳۲ھ میں متعدد اجازہ ہائے اجتہاد لے کر واپس آئے۔

آپ کچھ عرصہ مدرسہ نور المدارس امروہہ کے پرنسپل رہے اور مولانا سید محمد عبادت صاحب کی کم عمری کے زمانے میں مسجد جامع اشرف المساجد، امروہہ میں نماز جمعہ بھی پڑھاتے رہے۔ ۱۳۴۰ھ میں آپ منصبیہ عربی کالج (میرٹھ) کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ مولانا قاری سید عباس حسین صاحب جارچوی کی رحلت کے بعد آپ کا تقرر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں شیعہ دینیات کے سربراہ کی حیثیت سے ہوا۔ ۲۸رشعبان ۱۳۵۲ھ (=۱۶دسمبر ۱۹۳۳) کو یہ آفتاب علم غروب ہوگیا۔ محلہ دانشوران (امروہہ) کے بڑے امام باڑے کی شہ نشین میں سپرد خاک کئے گئے۔

(انجمن وظیفہ سادات و مومنین گولڈن جوبلی نمبر)

ضمیمہ

"خورشید خاور" کے سیٹ ہو جانے کے بعد مجھے ایک کتابچہ ملا ہے "تاریخ علمائے دکن" جو حیدرآباد دکن کی "اولڈ سٹی یوتھ ویلفیر سوسائٹی" کا شائع کردہ ہے۔ اس میں پندرہ علماء کے حالات ہیں۔ جن میں سے گیارہ کا تعلق اس دور سے ہے جو میری کتاب کا موضوع ہے۔ چھ کا تذکرہ اس کتاب میں آ چکا ہے۔ باقی پانچ کا حال یہاں کتاب کے اسلوب کے مطابق حروف تہجی کی ترتیب سے درج کیا جاتا ہے:۔

برکت علی، سید

مولانا سید برکت علی صاحب مولانا سید محمد شفیع باقری کے فرزند تھے۔ (جن کا حال بعد میں لکھا جائے گا) برکت علی صاحب تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں بہ مقام دارالشفاء (حیدرآباد) پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے خاندان کے بزرگوں کے علاوہ جناب سید صادق علی صاحب، جناب نجی اللہ احمد صاحب اور حجۃ الاسلام شیخ محمد علی خراسانی مجتہد سے کسب فیض کیا۔ اس کے بعد آپ عراق گئے اور علمائے عراق سے استفادہ کیا۔ ۱۳۳۳ھ میں ان حضرات سے اجازے لے کر وطن واپس آئے۔ اس کے بعد برما، الندہ جاپان اور چین پھر سواحل افریقہ اور عرب میں سیاحت کرتے رہے۔ اور اکثر بلاد ہند کی بھی سیاحت کی۔

آپ کے تالیفات میں سراج العرفان اور منہاج العرفان اہم ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے اور ہماؔ تخلص کرتے تھے۔

آخر عمر میں اپنے وطن میں سکونت گزیں تھے۔ عبادت خانہ حسنی دارالشفاء میں عرصہ دراز تک نماز جماعت اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ نے مچھلی بندر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

ایک بیٹا اور ایک بیٹی یادگار چھوڑے۔

تقی حسن، سید، وفاؔ

۱۳۴۰ / ۱۹۲۱

۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸

مولانا سید تقی حسن وفاؔ ۱۹۲۱ء میں حیدرآباد دکن کے ایک نواحی ضلع کے معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مذہبی تعلیمات مولانا سید ابوالحسن میرن صاحب قبلہ مجتہد سے حاصل کئے اور ان کے ارشد تلامذہ میں شمار ہونے لگے۔ نجف اور قم کے علماء و مراجع سے ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔

مولانا نے جو ادبی، سماجی، سیاسی، اقتصادی اور مذہبی خدمات انجام دیئے وہ اگرچہ تنہا نہیں تو چند محدود دوستوں کی ہمکاری سے ظہور پذیر ہوئے۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ جوان نسل کو تعلیمات قرآنی اور معلومات دینی سے روشناس کرانا تھا۔ تقریباً ساٹھ سال قبل حیدرآباد کے مشہور ڈاکٹر شجاعت علی بیگ مرحوم نے مولانا تقی حسن وفاؔ کی ہمکاری سے مدرسہ جعفریہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ مدرسہ دارالشفاء کی قدیم ترین قطب شاہی عمارت میں کھولا گیا جس کو آجکل "الاوہ سرطوق" کہتے ہیں۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر پہلے تو شہر کے مختلف محلوں میں اس کی شاخیں کھولی گئیں پھر دوسرے اضلاع میں مسلسل شاخوں کا افتتاح ہوتا رہا۔

چنانچہ اب تقریباً ایک سو سے زیادہ شاخیں موجود ہیں جن سے ہزاروں طلبا و طالبات فیض پا چکے اور پا رہے ہیں۔

تقریباً تیس سال قبل سفیر ایران ڈاکٹر تقی مقتدری نے مدرسہ جعفریہ کے شاندار مرکزی کتب خانہ کا افتتاح کیا۔ مرحوم شہید یار جنگ کے ورثہ نے شہید یار جنگ کا پورا کتب خانہ مدرسہ کو دیدیا۔ مولانا وفا نے بھی اپنا ذاتی کتب خانہ اس میں منضم کر دیا۔

مولانا کی فعالیتوں میں مسلم وقف بورڈ کی رکنیت، آل انڈیا شیعہ کانفرس میں شمولیت وغیرہ کے علاوہ دایرۂ میر مومن کی حفاظت و نگہداری بہت اہمیت رکھتی ہے۔

آپ نے ۸۷ سال کی عمر میں ماہ رمضان کے تیسرے ہفتے میں رحلت فرمائی۔

۸۷ سال کی عمر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے حدود ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں رحلت کی ہوگی۔

علی نقی، سید، مجتہد

حجۃ الاسلام مولانا سید علی نقی صاحب مولانا میر محمد علی صاحب طاب ثراہ کے فرزند تھے۔ آپ کے والد ماجد جامع علوم اور عالم باعمل تھے اور فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ خود مولانا علی نقی صاحب عربی و فارسی میں ماہر تھے اور فقہ و حدیث و تفسیر و کلام پر پوری طرح عبور حاصل تھا۔ آپ نے حجۃ الاسلام آقائی الحاج شیخ محمد علی خراسانی سے اکتساب علم کیا تھا۔ پھر عراق گئے اور وہاں کے علمائے کرام کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ اور ان سے اجازت لے کر وطن واپس آئے۔

آپ کی تقریر پر خلوص اور موثر ہوتی تھی اور سنی شیعہ سب اسے ذوق و شوق سے سنتے تھے۔ آپ کو شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا اور ''فقیہ'' تخلص کرتے تھے۔ آپ حتی الامکان راہ حق میں دامے، درمے، قدمے، سخنے اعانت سے کبھی گریز نہیں کرتے تھے۔ کوٹلہ عالیجاہ میں شاندار مسجد جعفری آپ ہی کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اہل ہنود میں بھی آپ کو کافی وقعت حاصل تھی۔

ایک عرصہ سے علالت کا سلسلہ جاری تھا۔ مشورۂ طبی کی بنا پر تبدیل آب و ہوا کیلئے کوہ مولا علی پر مقیم تھے جہاں ۲۴ رذی الحجۃ رات کے چار بجے راہیٔ ملک بقا ہوئے۔ دوسرے روز تقریباً ۴ بجے دایرۂ میر مومن میں تدفین ہوئی۔ (اس کتابچہ میں وفات کا سال نہیں دیا ہے) آپ کے تین صاحبزادوں میں بڑے مولوی سید زین العابدین صاحب صحیح معنوں میں اپنے والد محترم کے جانشین تھے۔ اور جامع کمالات و منبع اخلاق تھے۔

محمد شفیع باقری

۱۳۶۵/ ۱۹۳۶

مولانا سید محمد شفیع باقری المعروف بہ میر آقا قبلہ و کعبہ جنت مقامی بہت بڑے عالم دین تھے۔ آپ کے در سے کوئی مایوس نہیں پھرتا تھا۔ بہت ہی فیاض تھے۔ آپ نے سید الشہدا کی ذاکری میں بھی بہت نام پیدا کیا تھا۔ اپنے سے کم عمر والوں سے شفیق باپ کی طرح ملا کرتے۔ انھیں راہ مستقیم پر نرمی و محبت کے ساتھ گامزن کرتے۔ حاجتمندوں کی مدد اس طرح کرتے کہ کسی دوسرے کو اس کا علم

نہ ہونے پاتا۔ آپ شاعر بھی تھے اور شفیع تخلص کرتے تھے۔

آپ کربلا میں مقیم رہے اور وہیں ۹؍ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ کو وفات پائی۔ اور حرم اقدس کے قریب دفن ہوئے۔ یہ تاریخ تقویم کے لحاظ سے ۴؍نومبر ۱۹۴۶ کے مطابق ہے۔ آپ کے فرزند مولانا سید برکت علی صاحب کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

محمد صادق، سید، نجفی

۱۴۱۵ / ۱۹۹۴

مولانا سید محمد صادق نجفی تاحیات مسجد جعفری کے امام جمعہ و جماعت رہے۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں حیدرآباد میں پہلی مرتبہ اشہدان امیر المومنین علیاً ولی اللہ کی صدا بلند ہوئی۔ اس وقت وہاں بہت معرکہ رہا۔ آپ کی پوری زندگی تبلیغ اسلام اور ترویج مقصد حسینیت میں گذری۔ مختلف ادیان و مذاہب کے مدبر، فلسفی، دانشور، علماء اور شعراء آپ سے بہت متاثر تھے۔ مذہبی اور سیاسی حلقوں میں مولانا کا بہت زیادہ وقار تھا۔ سابق چیف منسٹر آندھرا پردیش ڈاکٹر چنا ریڈی آپ کے بہت معتقد تھے۔

آپ کی حیات ہی میں مسجد جعفری کو مزید کشادہ کر کے اسکی تزئین نو کی گئی۔ جس سے نمازیوں کو بہت سہولت ہوگئی۔

آپ مختلف اہم امام باڑوں میں بحیثیت عالم و ذاکر تشریف لے جاتے تھے اور خطاب فرماتے تھے۔ آپ کا لب ولہجہ بہت عمدہ اور زبان بہت سلیس تھی۔

آپ کا انتقال ۱۱؍صفر ۱۴۱۵ھ کو ہوا جو تقویم کے لحاظ سے ۲۰؍جولائی ۱۹۹۴ء کے مطابق

تھی۔

آپ کی تاریخ پیدائش اس کتابچہ میں "یکم رجب المرجب ۱۳۴۳ھ مطابق ۲۲؍ستمبر ۱۹۲۴" لکھی ہے۔ لیکن تقویم کے لحاظ سے یکم رجب ۱۳۴۳ھ، ۲۶؍جنوری ۱۹۲۵ء کے مطابق تھی اور ۲۲؍ستمبر ۱۹۲۴ء، ۱۷؍ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ کے مطابق تھی۔

آپ کو مسجد جعفریہ میں غسل دیا گیا اور جلوس کی شکل میں جنازہ دائرہ میر طوق مبارک لے جایا گیا۔ جہاں ان کے فرزند مولانا علی تقی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی پھر دائرہ میر مومن میں سپرد لحد کیے گئے۔

استدراک (دیکھیں ص ۱۶۱)

مولانا مرزا رضا علی ان صاحبان فضل و کمال میں سے تھے جنھوں نے تحریر و تقریر اور تحقیق و تالیف ہر میدان میں تگ و تاز کی اور اپنا نقش چھوڑ گئے۔ صاحب تذکرہ بے بہا کے مطابق مولانا کا مکان مفتی گنج (لکھنؤ) میں تھا اور آپ کا خاندان بھی علم و فضل میں مشہور تھا۔ ابتدائی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں اور پھر ملک العلماء جناب سید بندہ حسن صاحب طاب ثراہ سے علوم دینیہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریاست محمود آباد کی مسجد میں امام جمعہ و جماعت رہے۔ مگر آپ کا اصل ذوق تصنیف و تالیف تھا۔ ذاکری اعلیٰ پایہ کی کرتے تھے۔ مناظرہ میں لاجواب تھے اور بڑے جوش و ظرافت کا مظاہرہ فرماتے۔ تمام علمائے اعلام خصوصاً ملاذ العلماء مرحوم سید نجم الحسن صاحب کے موثق و معتمد تھے۔ طالب علموں سے والہانہ عقیدت تھی اور ان کی بہت عزت کرتے۔ غریب و امیر کے درمیان کوئی فرق نہیں فرماتے۔

وفات

آٹھویں ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ کو شنبہ کے دن وفات ہوئی اس وقت آپ کا سن پچاسی (۸۵) برس کا تھا۔ اس حساب سے ولادت کا سال ۱۲۴۹ھ ہوتا ہے۔

تصانیف

(۱) عین الیقین (مطبوعہ) فدک کے موضوع پر۔

(۲) کاشف الحق (مطبوعہ) فدیہ کے موضوع پر۔

(۳) فصل الخطاب (مطبوعہ) فدیہ کے موضوع پر۔

(۴) مفید المستبصر در حسبنا کتاب اللہ علم کلام۔

(۵) رسالہ متعہ و فدک - کلام و فقہ

(۶) قول فیصل - فقہ

(۷) قران السعدین فی حقوق الزوجین۔

(۸) رسالہ نکاح (مطبوعہ) جس میں نکاح کی مختلف صورتوں کے صیغے تفصیلاً دیے ہیں۔

(اقتباس از رسالہ نکاح مطبوعہ)